

محدثات

علم حدیث کے ارتقاء میں خواتین کی خدمات

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی

محدثات

علم حدیث کے ارتقاء میں خواتین کی خدمات

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی

ہدایت پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس، نئی دہلی

کتاب کا نام: محدثات: علم حدیث کے ارتقاء میں خواتین کی خدمات
مصنف: ڈاکٹر محمد اکرم ندوی
صفحات: 408
سن اشاعت: 2022
قیمت: 400-00/روپے
ناشر: **ھدایت پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس**
F-155، ہدایت اپارٹمنٹ، شاہین باغ،
جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی۔110025
ای میل: hidayatbooks@gmail.com
فون: 09891051676

مطبوعہ: زاویہ پرنٹ، نئی دہلی

AL-MUHADDITHAT: ILM-E-HADITH KE IRTEQA MEI KHAWATEEN KI KHIDMAT
AUTHOR: DR. MOHAMMAD AKRAM NADWI
PAGES:408, PRICE: 400/-
PUBLISHERS:
HIDAYAT PUBLISHERS & DISTRIBUTORS, N, DELHI-25
Mob. +91-9891051676,
Email: hidayatbooks@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

فہرست جدول، نقشے اور تصاویر

تصاویر

نقشے: ڈاکٹر الیگزینڈر رکینٹ، ایف بی کارٹس ایس.ایف.آر.جی.ایس.

تصاویر: یحیٰ مکوٹ کے ذاتی ذخائر سے

قاسم بن اسماعیل بن علی راوی ہیں:

ہم بشر بن الحارث کے مکان پر گئے۔ وہ باہر نکلے۔ ہم نے درخواست کی:

''یا ابو نصر! ہمیں کوئی حدیث سنائیں''۔

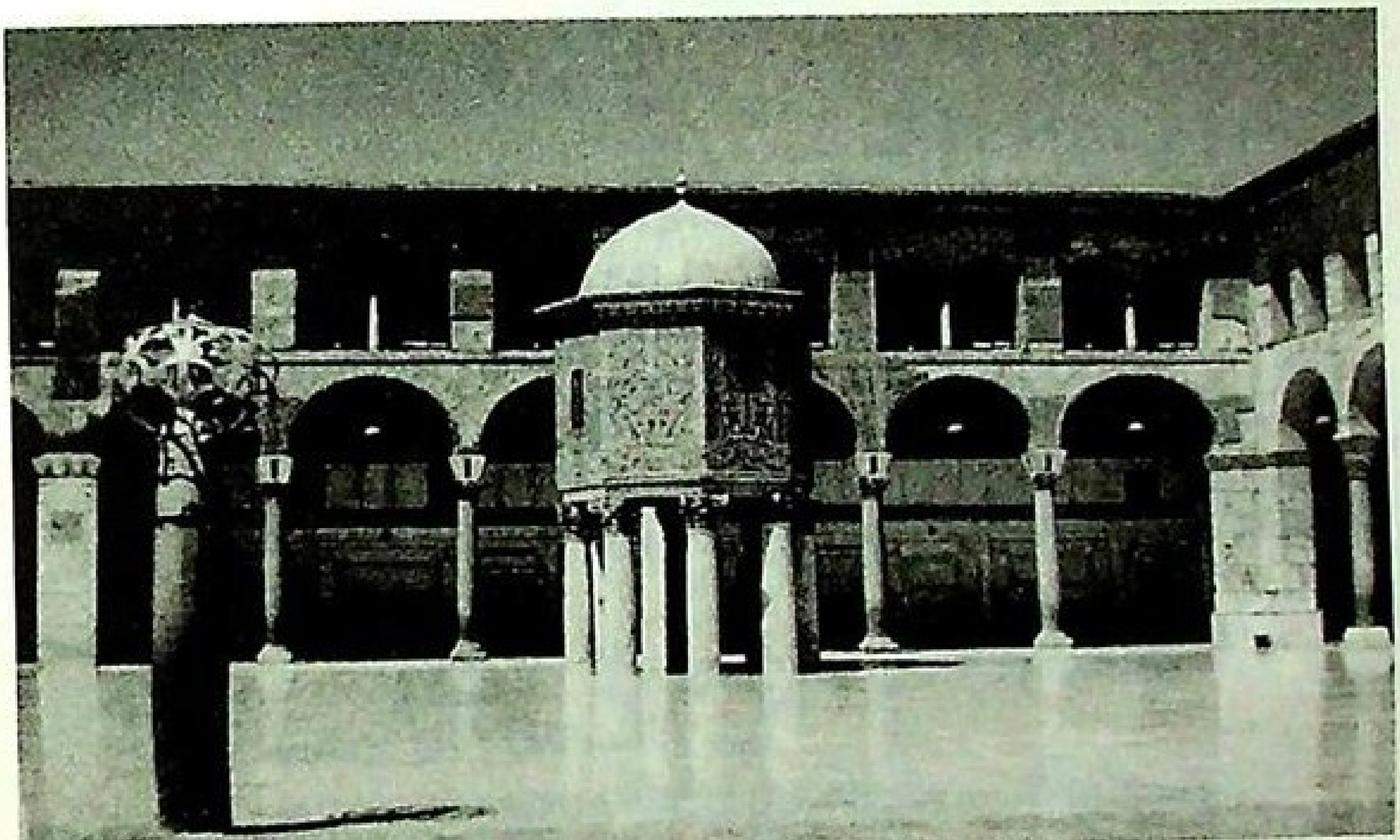
انھوں نے دریافت کیا کہ کیا تم حدیث پر واجب الاداز کوٰۃ ادا کرتے ہو؟

میں نے دریافت کیا:

کیا حدیث پر بھی زکوٰۃ واجب الادا ہے؟''

انھوں نے جواب دیا:

''ہاں! جب تم کوئی حدیث یا تذکیر الٰہی پر مبنی کوئی قول سنو تو اس پر عمل کرو''۔



جامع مسجد اموی، دمشق کا صحن جہاں امّ الدرداء (م81) حدیث اور فقہ کا درس دیتی تھیں۔ یہیں عائشہ عبدالہادی (م816) کا تقرر بطور صدر مدرس، صحیح البخاری ہوا تھا۔

دیباچہ

تاریخ اسلام میں محدثات کے سوانحی خاکوں کو محیط ہنوز غیر مطبوعہ تصنیف (اب یہ تصنیف الوفاء بأسماء النساء کے نام سے ۴۳ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے) کے مقدمے کے طور پر زیر نظر تصنیف کی داغ بیل پڑی۔ تحریر کے دوران جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ اصل کے ترجمے سے زیادہ ضرورت لوازمے کی ترتیب نو کی ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ موجودہ تصنیف میں سوانحی خاکے شامل نہیں ہیں۔ اس لیے اس کا موادفی نفسہ واضح اور کافی ہونا چاہیے۔ مزید برآں انگریزی داں اور عربی داں قارئین کے مزاج اور ذہنی توقعات میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ یہ نکتہ مجھ پر اس طرح عیاں ہوا کہ اس موضوع پر پیش کیے جانے والے میرے محاضروں کے خاتمے پر جو استفسارات مجھ سے کیے جاتے ہیں ان میں واضح فرق ہوتا ہے۔ اس تصنیف کی اشاعت کے اعلان کے بعد جو خط وکتابت مجھ سے کی گئی اس کی روشنی میں میں نے مطلوبہ معیار کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اسی بنا پر میں خاصے اعتماد کے ساتھ یہ واضح کر سکتا ہوں کہ اس تصنیف میں کیا نہیں ہے۔ تصنیف کے مندرجات کی صراحت کے بجائے مندرجہ بالا وضاحت کچھ عجیب سی محسوس ہوگی۔

اولاً: اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے کہ یہ تصنیف کوئی 'تانیثی مطالعہ' نہیں ہے۔ مجھے اس موضوع کے تناظرات سے کماحقہ' واقفیت نہیں ہے۔ میرے اس اعتراف کو اس موضوع سے بے اعتنائی پر محمول نہیں کرنا چاہیے بلکہ مجھے توقع ہے کہ اس تصنیف میں پیش کردہ لوازمہ تانیثی مطالعات کے ماہرین کے لیے محرک ثابت ہوگا اور وہ اس سے استفادہ کریں گے۔ البتہ یہ لوازمہ فہرست سازی کے زمرہ میں ہے۔ اس میں جملوں کے بجائے الفاظ اور مقالے کے بجائے مختصر حواشی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ان بنیادی معلومات پر انحصار کرتے ہوئے اور ان سے دلائل اخذ کرنے سے قبل مزید تفحص اور مطالعہ درکار ہوگا اور اس کے آئینہ میں ماضی میں اسلامی

معاشرہ میں خواتین کے مقام اور کردار کا صحیح اندازہ ہوگا۔

سوانحی خاکوں کو محیط تذکرہ، جو میں نے تالیف کیا ہے، اس سے متعدد خواتین کی فرداً فرداً سوانح عمری مرتب کی جاسکتی ہے۔ ان خواتین کے بارے میں معلومات فراہم کرنے میں مجھے محنت شاقہ کا سامنا کرنا پڑا۔ مثلاً فاطمہ بنت سعد الخیر کے مختصر سوانحی تذکرے کی تالیف میں مجھے متعدد اور مختلف کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑی۔ اس سوانحی تذکرہ کا بہرکیف یہ فائدہ ہے کہ مزید مطالعہ کے شائق افراد کو بنیادی کتب کا علم ہوجاتا ہے۔

تعداد کے لحاظ سے تجزیہ

مختلف ادوار اور مقامات میں محدثات کی تعداد اور ان کے زیر مطالعہ کتب کی ترجیحی فہارس۔ اس سے نئے تناظر میں تجزیے ممکن ہیں۔ باب ۹ میں ایک عمومی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور تصویر کے بنیادی خدّ و خال بیان کردیے گئے ہیں، البتہ اس اجمال کی تفصیل ہنوز تحقیق کی طالب ہے۔

تاریخ اور پس منظر کی صورت حال

اس امر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ حدیث کے مجموعوں کی مختلف اصناف کا ارتقا اور ان کی ترسیل کیسے ہوئی؟ بعض نقشوں اور جدول سے آئندہ تحقیق کے نئے باب وا ہوتے ہیں اور مزید تحقیق کی سمت متعین ہوتی ہے۔ مثلاً ان امور کا مطالعہ حدیث پر اثر، سیاسی نشیب و فراز، انتظامی امور، حاکم وقت اور معاشرے کے مابین تعلقات اور بدلتے ہوئے معاشرتی اور معاشی حالات۔ اس اثر پذیری کو کس طرح دستاویزی طور پر محفوظ کیا گیا؟ اس سرگرمی کے معاشی وسائل کیسے تھے؟ غیر رسمی یا باضابطہ، بڑے مدارس اور جامعات کے وقف دستاویز کے ذریعہ، وغیرہ۔

موضوعاتی جہات

متعدد محدثات کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی قاضی، امام یا حافظ کی صاحب زادیاں

تھیں۔ یہ امر بالکل واضح ہے کہ مرد خواتین کی تعلیم کے قائل تھے اور علم و فضل میں انہیں اپنا ہم پلّہ تسلیم کرتے تھے۔ اس وجہ سے خواتین کو معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ یہ صورت حال اس دور کی ہے جب آج کی اصطلاح میں روایتی اسلام غالب تھا۔ خواتین کے ان علمی کارناموں کا منبع اور ماخذ سنت رسول اللہ ہے۔ دیگر علوم وفنون میں ارسطو مسلمانوں کا ماخذ رہا۔

مجھے خدشہ ہے کہ بعض قارئین اس تصنیف کے بقیہ اجزا کا انتظار نہ کریں گے۔ یہ تہمت عام ہے کہ اسلام عورت مخالف مذہب ہے اور اسے معاشرے میں کوئی مقام نہیں دیتا۔ اسی باعث قارئین اس اتہام کی فوری تردید کے خواہاں ہوں گے، یا یہ کہ امر واقعہ یہ نہ تھا، یا یہ کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ کسی علمی کاوش کے ذریعہ اس الزام کی تردید اسلام مخالف فضا دور کرنے میں بہت زیادہ کامیاب نہیں ہوگی، کیوں کہ یہ الزام صداقت پر مبنی نہیں ہے، بلکہ اس کے پس پشت محض اسلام دشمنی ہے۔ یہ اسلام مخالف ذہن ہمیشہ ایسی مثالیں تلاش کرتا رہتا ہے جس سے ثابت ہو کہ اسلام عورت کا استحصال کرتا ہے۔ وہ عالم اسلام کے دیگر منفی پہلوؤں کو بھی اجاگر کرتا رہتا ہے، مثلاً مسلم ممالک میں بدنظمی وغیرہ۔ دیگر اقوام میں ان معایب کے لیے ان کی مذہبی روایات کے بجائے مقامی عوامل کو مورد الزام قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں صرف ایک مثال کافی ہوگی: ٹیلی ویژن کی دستاویزی فلم میں پاکستان میں خواتین کی حالت زار کا مقابلہ ہندوستان میں خواتین کی صورت حال سے کیا جاتا ہے، بالفاظ دیگر صرف مسلمانوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔

ہندوستان میں صورت حال یہ ہے کہ کثیر تعداد میں متوسط طبقے کی نوجوان خواتین عوامی منظر نامے پر ضرور نمودار ہوئی ہیں، لیکن یہ محض مغرب کی نقالی کا ایک حصہ ہے اور اس میں مقامی فیشن کا بھی دخل ہے۔ اس کے برخلاف ان کے ہم پلّہ زیادہ تر مسلم خواتین پاکستان اور ہندوستان میں ابھی اس حد تک مغرب زدہ نہیں ہوئی ہیں۔ دیگر علاقوں میں بھی مسلمان اب تک اس پر راضی نہیں ہیں کہ وہ اپنی مذہبی روایات، رسوم اور رواجوں کو تج کر مغرب کے رنگ میں رنگ جائیں۔ اسلام کی یہ راسخ العقیدگی اسلام مخالف قوتوں کے لیے تکلیف دہ ہے۔ ان کی اسلام دشمنی قدیم ہے، موجودہ یورپ کی زبانوں سے بھی قدیم۔ لہٰذا یہ امر ایسا عجب نہیں کہ تانیثی نقطۂ نظر یا آزادیٔ نسواں سے متاثر ہو کر اسلام پر الزامات اور اعتراضات کی یلغار ہے۔ مسلمان

قدرتاً اپنے آپ کو اس یلغار سے محفوظ رکھنے کے خواہش مند ہیں۔

میں تانیثی نقطۂ نظر کا ہم نوا نہیں۔ میری دانست میں اس نقطۂ نظر کے دو پہلو ہیں: عملی اور نظری۔ عملی پہلو کا تعلق ان امور سے ہے: خواتین کے لیے انصاف کی فراہمی، مردوں کے مساوی تنخواہ، تعلیم تک رسائی، ملازمت اور سیاست وغیرہ میں شراکت داری وغیرہ۔ کوئی منصف مزاج شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ انصاف خیر ہے۔ مسلمانوں کی خیر کی تعریف یا خیر پر عمل ان کی اجارہ داری نہیں ہے، بلکہ یہ ان کا فرض ہے کہ وہ جس شخص میں خیر کا عنصر پائیں اس کی تعریف اور حمایت کریں اور اسلامی قانون برائے حلال اور حرام کی حدود میں دوسروں سے خیر پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م 728) کے عظیم ترین شاگرد ابن قیم الجوزیہ (م 751) نے مذکورہ بالا حقیقت کو جامع انداز میں واشگاف کیا ہے۔ ان کی اس صراحت پر غالباً کوئی اضافہ ممکن نہیں۔

الشافعی کا قول ہے: ''شریعت سے مطابقت نہ رکھنے والی سیاست کا کوئی گزر نہیں''۔ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ سیاست شریعت کے کسی حکم سے متصادم نہ ہو تو یہ قول صحیح ہے، البتہ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے احکام کے علاوہ کوئی سیاست قبول نہیں تو یہ غلط ہے۔ جب بھی انصاف کا روشن چہرہ جلوہ افروز ہو، قطع نظر اس کے وسائل کے، تو یہ اللہ کی شریعت اور دین کا مطلوب ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ، جس کے لیے تمام حمد وثنا ہے اور جو سب سے زیادہ حکیم اور منصف ہے، وہ کبھی انصاف کی راہ میں حائل نہیں ہوتا اور اس کی علامات اور نشانیوں کو رد نہیں کرتا۔ وہ انصاف کو لازم قرار دیتا ہے۔ اس کے وضع کردہ احکام سے اس کا مقصود عیاں ہے کہ اس کے بندوں کے درمیان انصاف کا بول بالا ہو اور لوگ مساوات پر سختی سے کاربند رہیں۔ انصاف اور مساوات کے حصول کے جو بھی طریقے ہوں وہ دین کا جزو ہیں، دین سے مزاحم نہیں۔

خواتین کے خلاف ناانصافی کا سدّ باب مسلمانوں کو عزیز ہے، لیکن اس کے پس پشت آزادیٔ نسواں کے بعض مخصوص تصورات ہیں، جو قابل قبول نہیں اور جو مسلمانوں کے ذہن میں کھٹکتے ہیں۔ میں ان امور کا مشاہدہ مجھ سے کیے جانے والے سوالات میں کرتا رہتا ہوں۔ مثال

کے طور پر کہا جاتا ہے کہ جب مرد فلاں فلاں فعل انجام دے سکتے ہیں تو خواتین کیوں نہیں؟ ان افعال میں یہ شامل ہیں: مسجد میں نماز کی ادائیگی، فقہ کی تعبیر اور تشریح، فتاویٰ کا اجراء، نماز کی امامت، نامحرم کے بغیر سفر، سرڈھانکے بغیر باعفت اور باعصمت زندگی بسر کرنا وغیرہ۔ ان مسائل کو اٹھانے کے پس پشت مقصد مسلمانوں کو شرمسار کرنا ہوتا ہے کہ وہ خواتین کی مساوات کے قائل نہیں۔ بادی النظر میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ مرد بعض افعال پر قادر ہیں اور خواتین نہیں، یا بعض اعمال صرف عورتوں پر فرض ہیں، مردوں پر نہیں تو اس سے ناانصافی کا تأثر پیدا ہوتا ہے۔ اسلام کے خلاف ان الزامات اور اعتراضات کی تردید اس دیباچے یا اس تصنیف میں ممکن نہیں کہ زیرِ نظر تصنیف کتاب اس موضوع کا احاطہ نہیں کرتی۔ میں نے عرض کیا کہ میں تانیثی مطالعات کی بابت کچھ کہنے کا اہل نہیں، لیکن اس تصنیف میں بلاشبہ خواتین کے علمی کارناموں کو سراہا گیا ہے اور یہ نقطۂ نظر سامنے لانے کی ضرورت ہے۔ یہ محدثات اور عالمات آزادیٔ نسواں کی نقیب نہ تھیں، شعوری یا لاشعوری طور پر وہ ان سے ماورا تھیں۔ مرد علماء کی مانند ان کی بنیادی وفاداری دین اور ایمان سے تھی۔ مردوں کے شانہ بشانہ انھوں نے اختیار اور قوت حاصل کی، دلائل پیش کیے اور وہی طریقہ ہائے کار اور مآخذ استعمال کیے جو مرد کیا کرتے تھے اور مردوں ہی کی طرح وہ اپنے ورع اور تقویٰ کے لیے ممتاز ہوئیں اور ان کی صالحیت اور برتر ذہنی صلاحیتوں کا اعتراف کیا گیا۔

مجھے خدشہ ہے کہ بعض قارئین مذکورہ بالا سوالات اور اس تصنیف میں درج اس سے مشابہ بعض احادیث کے مابین خلط ملط اس طور پر کریں کہ بعض صحابیات نے بھی اس نوع کے سوالات رسول اکرمؐ سے کیے کہ مردوں کے لیے عبادت کے فلاں فلاں احکام ہیں، جب کہ ہم گھر اور بچوں میں پھنسے رہتے ہیں، ہمیں ثواب کیسے ملے گا؟ یا یہ کہ مردوں کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے، ہمارا انجام کیا ہوگا؟ مزید برآں اس تصنیف میں کثرت سے ایسی مثالیں درج ہیں جن کے مطابق جامع مسجد اور چھٹی صدی سے قائم مدارس میں خواتین درسِ حدیث دیا کرتی تھیں اور ان کے تلامذہ میں طلبہ اور طالبات دونوں شامل تھے، خواتین فتاویٰ جاری کرتیں، قرآن مجید کی تعبیر اور تشریح کرتیں، قاضیوں کے فیصلے سے اختلاف رائے کا اظہار کرتیں، حکم رانوں پر نقد اور

احتساب کرتیں، لوگوں کی ہدایت اور اصلاح کی تلقین کرتیں اور ان کے ان تمام افعال کو علمائے وقت کی حمایت حاصل تھی، بلکہ مرد حضرات ان کے اس اقدام کی تعریف اور تحسین کرتے۔ چوں کہ یہ مثالیں کثیر تعداد میں ہیں، مختلف ادوار کی ہیں اور متعدد علاقوں اور خطوں کی ہیں، یہ مسکت جواب ہے اس سوال کا کہ فلاں فلاں اعمال اگر مرد کر سکتے ہیں تو خواتین کیوں نہیں کر سکتی ہیں؟ ان مثالوں سے یہ واضح اور بے غبار جواب برآمد ہوتا ہے کہ مردوں کی طرح خواتین نے بھی بخوبی ان فرائض اور اعمال کو انجام دیا ہے۔ یہ جواب صحیح ہے، البتہ شافی و کافی نہیں۔

اس کے ناکافی ہونے کی وجہ وہ طرز فکر ہے جو اس سوال کے پس پشت ہے کہ اگر مرد فلاں فلاں کام کر سکتے ہیں تو خواتین کیوں نہیں؟ محدثات کے بارے میں اسلام کا جو موقف ہے، اس کی رو سے مذکورہ بالا سوال ہی غلط ہے۔ اس میں تین کمزوریاں ہیں:

(۱) اولاً یہ سوال اس لحاظ سے مضحکہ خیز ہے کہ کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا جاتا کہ فلاں فلاں افعال صرف خواتین کرتی ہیں، مرد کیوں نہیں؟ یہ مفروضہ عام ہے کہ خواتین کا روایتی دائرہ کار کم تر اور حقیر ہے۔ گرہستی کا نظم کرنا، بچوں کو پروان چڑھانا معمولی اور ادنیٰ کام ہیں، جن کا مناسب معاوضہ ادا کیا جاتا ہے نہ ان کاموں کی کوئی قدر اور عزت ہے۔ لہٰذا خواتین کو یہ تگ و دو کرنا چاہیے کہ وہ مردوں کے روایتی دائرہ کار میں شامل ہوں، اپنی آمدنی خود کمائیں اور معاشی اور سیاسی مسابقت میں پیش پیش رہیں، خواہ اس کے نتیجہ میں اہم خاندانی ذمہ داری کو عوامی مصروفیات اور مردوں سے مساوات کے حصول کے لیے قربان کر دیا جائے، یا اس سے بے اعتنائی برتی جائے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ جیسے جیسے معاشرہ مذکورہ بالا اہداف کو حاصل کرتا جاتا ہے، خواتین معاشی طور پر مردوں پر منحصر نہیں رہتیں اور وہ با اقتدار مردوں مثلاً باپ، شوہر، دینی پیشواؤں اور اساتذہ کی محتاج نہیں رہتیں اور ان کے چشم ابرو کے اشارہ پر عمل نہیں کرتیں۔

میں نے ایک عشرے کی محنت شاقہ کے نتیجہ میں تقریباً دس ہزار محدثات کے سوانحی کوائف جمع اور مرتب کیے ہیں۔ ان میں سے کسی کی بھی یہ رائے نہ تھی کہ خاتون خانہ کی حیثیت کسی لحاظ

سے کم تر ہوتی ہے، ان محدثات نے اپنی عائلی ذمہ داریوں سے منھ نہیں موڑا، ان کو اس خیال نے کبھی پریشان نہیں کیا کہ خاتون ہونے کے ناطے وہ مردوں کے لیے ناقابل قبول ہیں، یا ان سے کم تر ہیں، یا یہ کہ اپنی چہار دیواری کے باہر وہ اپنی صلاحیت اور شغف کے بدولت کوئی خدمت نہیں انجام دے سکتیں۔

(۲) یہ سوال کہ اگر مرد فلاں فلاں ذمہ داریاں ادا کرسکتا ہے تو خواتین کیوں نہیں؟ اس کے پس پشت یہ مفروضہ ہے کہ فاعل کی اصل قدر و منزلت ہے۔ اہم تر نکتہ یہ ہے کہ کون کیا کرنے پر قادر ہے؟ اس میں فرد کی صلاحیت کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ مزید برآں، اس طرز فکر میں ایک مراعات یافتہ طبقے کے نظام کا نظریہ بھی پیوست ہے۔ یہ مراعات یافتہ طبقہ مردوں سے مخصوص تھا لہٰذا اس کے خلاف مقاومت ناگزیر ہے اور کامیابی کا پیمانہ یہ ٹھہرتا ہے کہ مردوں کی کن مراعات پر قبضہ کیا گیا؟ اس طرز استدلال کے مطابق یہ محدثات غیر شعوری طور پر ایک جابرانہ نظام کے خلاف مزاحمت اور مقاومت کے لیے پیہم کوشاں تھیں اور ممکنہ حد تک انھوں نے اس نظام میں آزادیٔ عمل اور احترام اور اکرام حاصل کیا۔ اس میں یہ پیغام بھی مضمر ہے کہ صورت حال کو مزید بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا دلیل اس کتاب میں پیش کردہ حقائق کی تاب نہیں لاسکتی، کیوں کہ اس کتاب کے پہلے تین ابواب سے یہ بالکل واضح ہے کہ مسلم تاریخ میں کوئی دور ایسا نہیں گزرا جب مردوں کی تحریر اور تقریر، فکر اور عمل پر اجارہ داری تھی اور پھر خواتین نے اس اجارہ داری کو کسی طرح ختم کیا، بلکہ اس کے برعکس آغاز اسلام سے مرد اور خواتین کو اپنے اپنے فرائض کا بخوبی علم تھا۔ طلب علم کا فریضہ جب سے نافذ ہوا اسی دن سے خواتین دین کی درس و تدریس اور تشریح میں شریکِ کار رہیں۔ یہی صورت حال رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کے دور میں بھی برقرار رہی۔ بعض متاخر علماء کی رائے میں صحابہ فقہی امور کی بابت فتویٰ اور استفسار کے لیے سب سے زیادہ حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق سے رجوع کیا کرتے تھے۔ یہی روایت تابعین کے دور میں بھی قائم رہی۔ بعد کے ادوار میں بھی خواتین نمایاں رہیں اور انھوں نے مذکورہ بالا روایت کو جاری اور بحال رکھا۔ ایسی کوئی علانیہ یا خفیہ جد و جہد یا مزاحمت کی شہادت

نہیں ملتی جس کے مطابق خواتین نے اپنے حقوق کے حصول کے لیے کوئی کوشش کی ہو۔

فاعل پر غیر ضروری اصرار یا اسے عزت اور وقار سے منسلک کرنا ایک سنگین غلطی ہے۔ اہل ایمان کے نقطۂ نظر سے بہترین عمل عبادت ہے اور عبادات میں بھی اولیت نماز کو حاصل ہے۔ بظاہر نماز کی ادائیگی کا کوئی فوری نتیجہ سامنے نہیں آتا، البتہ اس کا علم صرف نمازی کو ہوتا ہے کہ نماز کے پیمانے ہی سے اس کو جانچا اور پرکھا جائے گا۔ اس کی حضوری کیفیت، اس کے تدبر اور تعقل اور استغفار، اس کا باعزم قیام اور بیم و رجا کے مابین اللہ کے سامنے پیش ہونا۔ نماز ہی ان صلاحیتوں اور صفات کو پروان چڑھاتی ہے جو مسلمانوں کے مطابق علماء اور عالمات کا طرۂ امتیاز ہیں، یعنی خشیت الٰہی اور بندوں کے ساتھ حسن سلوک۔ محدثات ان ہی صفات حمیدہ سے متصف تھیں، ان پر عمل پیرا بھی تھیں اور ان کی تبلیغ اور اشاعت میں منہمک بھی۔ بطور اساتذہ وہ یقیناً باقتدار تھیں۔ درس اور تدریس کا انہیں ملکہ حاصل تھا، لیکن اس سے اہم تر پہلو یہ تھا کہ ان کا کردار اور ان کا وجود صفات عالیہ سے عبارت تھا۔

محدثات سے متعلق مواد کی پیش کش میں میں نے صرف ایک استثنا کے ساتھ ان طویل احادیث کے اقتباسات دینے سے احتراز کیا ہے جن کا یہ محدثات درس دیا کرتی تھیں۔ استثنائی مثال واقعۂ افک سے متعلق حضرت عائشہؓ کی تاثراتی روایت ہے۔ ان کے خلاف بہتان طرازی کا یہ ایک طویل قصہ ہے، جو اس تصنیف میں مندرج ہے۔ اس واقعہ کا اختتام اس مرحلے پر ہوتا ہے جب حضرت عائشہ کے خاوند رسول اکرم ﷺ نے انہیں ہدایت کی کہ اگر ان سے کوئی خطا سرزد ہوئی ہو تو وہ توبہ واستغفار کریں، اللہ انہیں معاف کردے گا۔ حضرت عائشہؓ کو اپنی برأت کا بخوبی علم تھا، لہٰذا وہ ایک حد تک اس معاشرے سے بے نیاز ہوگئیں جو ان کے دفاع کے لیے سامنے نہیں آیا۔ انہیں یقین تھا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ان کی بے گناہی ثابت کرے گا۔ جب وحی الٰہی کے ذریعہ ان کی بے گناہی کا اعلان ہوا تو ان کی والدہ نے ان کو اپنے شوہر کے پاس جانے کی ہدایت کی لیکن انھوں نے ایسا کرنے سے یہ کہتے ہوئے صاف انکار کردیا: ”بخدا، میں ان کے پاس نہیں جاؤں گی“۔ کیوں کہ وہ اس واقعہ کے وقت کم عمر تھیں، ان کے مذکورہ بالا باغیانہ بیان میں نوجوانی کے تیور صاف عیاں ہیں، لیکن پختہ عمر میں حضرت عائشہ نے جب اس

واقعہ کو بیان کیا تو اس میں ان کے کامل ایمان کا اظہار ملتا ہے۔ان پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ اللہ کے سوا کسی کی تابع داری انسان کے لیے ایک بوجھ ہوتی ہے اور اس کی عزت نفس کو مجروح کرتی ہے۔ اس کے برعکس اتباع الٰہی انسان کو حقیقی آزادی سے ہم کنار کرتی ہے۔ وہ اپنے والدین، اپنے شوہر حتی کہ رسول اکرم ﷺ سے برگشتہ تھیں، جس کا آئینہ دار ان کا یہ قول ہے: ''بخدا، میں ان کے پاس نہیں جاؤں گی، میں تو صرف اپنے رب کی حمد وثنا کروں گی''۔ان کے طرز عمل میں فاعل کے حقیقی اسلام کا مظہر یہ امر بھی ہے کہ مسلمانوں کے ایک گروہ کے خلاف جنگ میں قیادت کے بعد وہ اپنے اس فعل پر بجا طور پر سخت نادم ہوئیں۔ جنگ میں ہزیمت سے دوچار ہونے کے بعد وہ بصرہ چلی گئیں، جہاں لوگوں نے ان کا استقبال کسی سیاسی شخصیت کے طور پر نہیں کیا، بلکہ حدیث اور فقہ کے درس اور تدریس کے لیے ان کو اپنا مرجع تسلیم کیا اور ان سے اسلام کا فہم حاصل کیا۔ اس ہزیمت سے ان کی اپنی ذاتی صلاحیتوں یا ان کے فہم دین اور علم اور فضل کی شہرت متاثر نہیں ہوئی۔ یہ ذہنی قوت اور حوصلے کی ناقابل یقین مثالیں ہمیں بعد کے ادوار کی محدثات کے ہاں بھی بہ کثرت ملتی ہیں کہ آزادی سے انھوں نے کیسے کارنامے انجام دیے۔ ''اگر مرد فلاں فلاں کام کر سکتے ہیں تو عورتیں کیوں نہیں؟'' کا انداز فکر اس تصنیف میں پیش کردہ مواد سے متعلق قارئین کو ایک اور غلط فہمی میں مبتلا کر سکتا ہے۔ یہ طرز فکر بعض بے بنیاد مفروضات پر مبنی ہے۔ اس کے پس پشت یہ خیال پایا جاتا ہے کہ فطرت نے خود ہی تفریق قائم کی ہے۔ مثلاً صنفی تفریق، جو یہاں زیر بحث ہے، اس کو اگر قانون اور رسم و رواج کی پشت پناہی حاصل ہوگئی تو اس کا لازمی نتیجہ ناانصافی اور استحصال ہوگا۔ اور یہ فکر بھی عام ہے کہ اس میں ناانصافی کو معاشرتی، قانونی اور حیاتیاتی تبدیلیوں کے ذریعہ قابو میں لایا جا سکتا ہے اور یہ کہ ہم اس تبدیلی کو بروئے کار لانے پر قادر ہیں اور یہ طریقۂ کار محفوظ اور یقینی ہے، کیوں کہ یہ تفریق معمولی اور برائے نام ہے اور اس کے انسلاکات محدود ہیں۔

میرا مقصود صنفی تفریق کے معاشرتی مظاہر کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے منفی اثرات سے متعلق معروف دلائل پیش کرنا نہیں ہے۔ بعض بدیہی منفی اثرات یہ ہیں: انفرادی اور عائلی زندگی کی اساس کا کمزور ہونا، اجتماعی زندگی میں خواتین کا سامان نشاط اور تفریح بننا، جنسی

رویوں میں بے ترتیبی اور پیچیدگی، جنسی خواہش اور قوت میں انحطاط، حتی کہ بچوں کی پیدائش کی صلاحیت میں نمایاں کمی۔ لیکن یہ معاشرتی تجربہ ابھی صرف دو نسلوں تک محدود ہے۔ ابھی تک اس امر کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملا ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ حکومت اور تجارت کی اعلی سطحوں پر خواتین کی موجودگی سے ان مقاصد یا ان سرگرمیوں میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہو۔ مرد اور خواتین اپنے اپنے طور میں اپنے افعال کو انجام دیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملازمت میں ان خواتین کا ہونا کوئی اہم معاملہ نہیں، البتہ ملازمت کے اندر اور نظام میں تبدیلی کے لیے وقت درکار ہے۔ اس معاشرتی انقلاب سے، جو انفرادی اور معاشرتی طویل المدتی نفع اور خسارہ واقع ہوا ہے، اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا قبل از وقت ہے۔ یہ فیصلہ کرنا ابھی دشوار ہے کہ اس سے خواتین کے حصول انصاف میں کوئی فرق پڑا ہے۔ یہ فائدے بڑے اہم ہوں گے۔ مجھے اس مقام پر صرف یہ نکتہ پیش کرنا ہے کہ انصاف کے حصول کی ایک اور کاوش ہے، جس کا پس منظر اور جس کے عوامل مختلف ہیں اور اس امتیازی صفت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

اس تصنیف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علماء کی مانند عالمات نے بھی قوت اور اختیار حاصل اور استعمال کیا اور دونوں نے اپنے فرائض اسلام کے معروف اخلاق اور ضوابط مثلاً حجاب اور مخلوط اجتماعات سے اجتناب وغیرہ حدود میں رہتے ہوئے انجام دیے، کیوں کہ مخلوط اجتماعات سے ناجائز تعلقات قائم ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔ مسلمانوں کا یہ موقف ہے کہ بطور شارع اللہ نے حجاب کا حکم دیا ہے اور بطور خالق اس نے اسے صنفی تفریق کا اعلان عام قرار دیا ہے۔ حجاب پر عمل اس کے پس پشت اسباب پر منحصر نہیں، بلکہ حکم خداوندی کی حیثیت سے لازمی ہے۔ البتہ شارع نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا ہے جو انسان کی بساط سے باہر ہو، کیوں کہ اللہ انسان کا خالق ہے اور اس نے انسان کو حکم پر عمل کی صلاحیت بخشی ہے۔ اس کے احکام قابل فہم اور قابل عمل ہیں اور انسان اپنی مرضی استعمال کرتے ہوئے اللہ کی فرماں برداری کرسکتا ہے۔ لہٰذا مسلمان یہ دریافت کرنے میں حق بجانب ہیں کہ حجاب کا مقصود کیا ہے؟

مسلمان مرد اور خواتین اس کے پابند ہیں کہ وہ اپنے طرز عمل اور صنفی تعلق پر قابو رکھیں۔ البتہ یہ مطالبہ صرف عورتوں سے ہے کہ وہ عوامی مقامات پر اپنا سر ڈھانکے رکھیں، لبادہ پہنیں اور

ایسا لباس پہنیں جس سے ان کا بدن نہ جھلکے۔ یہ مطالبات جدید مغربی روایات سے صریحاً متصادم ہیں، کیوں کہ مسلمان خاتون سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنا بدن نمایاں نہ کرے۔ اسلام کا یہ مقصود نہیں کہ مسلمان خاتون معدوم ہو جائے۔ وہ یقیناً موجود رہیں، لیکن ان کی موجودگی بدن پر منحصر نہ ہو۔اس کے کیا فائدے ہیں؟

(۱) مرد اور خواتین اکثر معروف انداز میں ملبوس ہوتے ہیں اور ان کا مقصد ایک دوسرے کو راغب کرنا نہیں ہوتا۔ اوائل جوانی کی شوریدہ سری سے قطع نظر، مردوں کے عام لباس سے مراد وہ لباس ہے جسے مرد عام لباس متصور کرتے ہیں۔اس کے برعکس لباس کے معاملہ میں خواتین کا طرز فکر یہ ہوتا ہے کہ ان کا لباس مردوں کے لیے کس طرح دل کش اور دل فریب ثابت ہو۔حجاب خواتین کو عوامی مقامات پر مردوں کی جنس زدہ نگاہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۲) حجاب کا ایک سبق آموز پہلو یہ ہے کہ وہ باعفت اور باعصمت بننے کی تربیت دیتا ہے۔ایک باحجاب خاتون کا مقصود یہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کی نمائش کرے۔حجاب کا مقصود معاشرے کو ضبط نفس کی تلقین کرنا ہے۔

(۳) حجاب صنفی تفریق کا پرزور اعلان عام ہے۔حجاب کے باعث خواتین کے لیے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ بغیر جنسی کشش کا مرکز بنے فعّال عوامی زندگی بسر کریں۔

مذکورہ بالا حقائق اور نکات ان افراد کے لیے قابل اعتنا نہ ہوں گے جو دیدہ زیب، دلکش خواتین کی موجودگی کے عادی ہیں، یا جن کو عشق اور محبت کا چسکا لگا ہوا ہے اور وہ اس کے بغیر زندگی بسر نہیں کرسکتے۔ ہمارا یہ نقطۂ نظر ان افراد کے لیے بھی قابل قبول نہ ہوگا جو حجاب کو صرف صنفی ظلم اور استحصال کی علامت گردانتے ہیں اور جو حجاب کے باعث نسائی رعنائیوں کے نظارے سے محروم رہ جاتے ہیں۔نسائی رعنائی بذاتہٖ ممنوع نہیں، البتہ مردوں کے لیے اس کی نمائش ناجائز ہے۔ وہ خواتین جنھوں نے برضا و رغبت حجاب اختیار کیا ہے ان کے متعلق بھی یہ تصور کیا جاتا ہے کہ دراصل وہ ظلم اور ناانصافی کی ایسی عادی ہوگئی ہیں کہ ان کے موقف پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا، البتہ ان نوجوان لڑکیوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاتا ہے جو عوامی سطح پر

قابل قبول بننے کے لیے اپنے بدن کو اذیت پہنچاتی ہیں۔ وہ ایک غیر منصفانہ نظام کا شکار متصور نہیں کی جاتیں، بلکہ فیشن اور تفریح کے کاروباری ادارے ان کی تعریف اور توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں اور منفی پہلوؤں کا ذکر نہیں کرتے۔ کم از کم مسلمانوں کو یہ کہنے کا حق حاصل ہونا چاہیے کہ حجاب کے فوائد اس کے نقصانات سے کہیں زیادہ ہیں۔

بہر کیف مغربی تہذیب اور ذوق کے زبردست دباؤ کے باوجود ایمان سے سرشار مرد اور خواتین احکام الٰہی سے ہرگز حکم عدولی نہیں کریں گے اور وہ حکم الٰہی اور سنت رسول ﷺ کے تتبع میں حجاب پر عمل پیرا رہیں گے۔ یہ ان کے ایمان کا جزو ہے۔ اس تصنیف میں جن عظیم خواتین کا تذکرہ ہے ان کو حجاب کی فرضیت کے بارے میں کبھی کوئی شک وشبہ نہیں ہوا۔ اس امر کی بھی کوئی علامت نہیں ملتی کہ حجاب کے باعث وہ مردوں کو درسِ حدیث دینے یا ان سے اکتساب علم کرنے سے محروم رہیں۔ البتہ یہ عملی معاملات ہیں کہ ان کے لیے جگہ کا نظم کیسے کیا جاتا تھا؟ وہ سوال اور جواب کیسے کیا کرتی تھیں؟ ان کے شاگرد اور اساتذہ ان کی شناخت کیسے کرتے تھے اور ان کے ساتھ کیسے پیش آتے تھے؟ ماخذ میں مذکورہ بالا امور کی صراحت نہیں ملتی۔ یہ نتیجہ بہر کیف نکالا جاسکتا ہے کہ معاشرے کے تمام افراد نیک نیتی سے اپنے فرائض انجام دیتے تھے اور مقامی طور پر ایسی سہولیات اور انتظامات تھے جن کے باعث طالبان علم اپنی مراد پا لیتے تھے۔

اسلامی روایت میں یہ ایک مسلّم اور معروف امر ہے کہ ہر فرد اپنے آپ اور معاشرت کو محرمات سے محفوظ اور مامون رکھے، گو محرمات کی ترغیبات کو حرام نہیں قرار دیا جاتا، لیکن ان سے اجتناب محرمات کی مانند کرنا چاہیے۔ یہ خیال عام نہیں ہے کہ جو کچھ حلال ہے یا جس کا حکم دیا گیا ہے اس سے بھی احتیاط کی جائے۔ جو شئے صریحاً حلال ہے اور جو حرام کی ترغیب نہیں دیتی، اس کے بارے میں گناہ کا خدشہ کم ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ اعتراف کیا کہ مدینہ کے بازار میں اس نے خریداری میں مشغول ایک عورت کا بوسہ لیا۔ اس روایت کی روشنی میں آپ ﷺ نے بازار بند کیا نہ خواتین کے لیے جائز خریداری کو ممنوع قرار دیا۔ ابتداء میں آپؐ نے اس شخص کی بات نظر انداز کی، لیکن وہ اپنے اعتراف گناہ پر مصر رہا۔ نماز کی ادائیگی کے بعد آپؐ نے اس شخص سے دریافت

فرمایا کہ اس نے بھی نماز ادا کی جس کی اس نے تصدیق کی۔ پھر اللہ نے یہ آیت نازل کی: ''اور نماز کا اہتمام کرو دن کے دونوں حصوں میں اور شب کے کچھ حصہ میں، بے شک نیکیاں دور کرتی ہیں بدیوں کو'' (ہود:11:114)۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ''یہ آیت ہر اس شخص کے لیے ہے جو اسے اخذ کرے''۔ بہ الفاظ دیگر نماز کے ذریعہ ہر شخص اپنے گناہ کی شناعت کم کرا سکتا ہے کہ اس سے گناہ کا خیال دل میں راسخ نہیں ہوتا اور اس کا ضرر محدود رہتا ہے۔

مزید محدثات کے بارے میں معلومات دستیاب نہ ہونے کا ایک سبب غالباً حجاب کی وہ وسیع تر تشریح ہے جس کی رو سے نجی اور عوامی سطحوں کو ایک دوسرے سے جدا رکھا جاتا ہے اور اہل خانہ خواتین کے کارناموں کو نمایاں نہیں کیا جاتا۔ مثال کے طور پر ایک مستند مأخذ کے مطابق حافظ ابن النجار (م643) کی تقریباً 400 خواتین اساتذہ تھیں [3]۔ ان کی تفصیلات معدوم ہیں۔ میں ان میں سے صرف چند کا سراغ لگا پایا۔ القرشی (م775) کی حنفی فقہاء کے تذکرے پر مشتمل تصنیف کے ایک جزو کا عنوان **طبقات النساء** ہے۔ اس کے ابتدائی جملے یہ ہیں: ''اس کتاب میں میں اپنے علم کے مطابق ہمارے اصحاب یعنی حنفی فقہاء کی نمائندہ عالمات کا ذکر کروں گا۔ مجھے ان کے بارے میں بہت کم معلومات دستیاب ہوئیں۔ یہ امر بدیہی ہے کہ خواتین کے معاملات مستور رہتے ہیں''۔ [4]

زیر نظر تصنیف کو تانیثی مطالعات کی ایک کڑی نہ متصور کیا جائے، کیوں کہ اس طرز فکر کی کوئی اساس سنت میں موجود نہیں ہے۔ بد قسمتی سے متعدد اسلامی مطالعات کی پختہ اساس سنت میں پیوست نہیں ہے۔ اس کی ایک مثال یہ تصور ہے کہ خواتین کو لکھنا نہیں سکھانا چاہیے کیوں کہ اس فن کے حصول کے بعد وہ نامناسب قسم کے خط تحریر کریں گی۔ یہ تصور واضح طور پر بے سروپا ہے۔ یہ مانع خیر ہے اور اس کی تردید صحابہ اور تابعین کے عمل سے ہوتی ہے۔ میں اس نکتے کی مزید وضاحت نہیں کروں گا، کیوں کہ یہ پوری کتاب اس کی برخلاف مثالوں سے پُر ہے، جن میں مکمل حوالوں کی صراحت کے ساتھ اس لغو طرز فکر کی نفی ہوتی ہے۔ چوں کہ اس تصنیف میں ناموں کی بہتات ہے اور ان کی شناخت کے لیے ان ناموں کے بیشتر اجزا اور سن وفات کا التزام کیا گیا ہے اس لیے جگہ کی قلت کے باعث صرف ہجری سنین پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اپنی

اصل عربی تصنیف میں یہی طریقہ میں نے اختیار کیا ہے جو قارئین سنین کے بارے میں پریشانی محسوس کریں ان کے لیے ذیل میں نقشہ درج ہے اس سے ان کو سہولت رہے گی۔

یکم محرم 1 سنہ ھ مطابق 16 جولائی 622 سنہ ء۔

عیسوی سنہ ء	ہجری سنہ ھ
718	100
815	200
912	300
1009	400
1106	500
1203	600
1300	700
1397	800
1494	900
1591	1000
1688	1100
1785	1200
1882	1300
1979	1400
15 جولائی 2007	29 جمادی الثانی 1428

ہدیۂ تشکر

عظیم تابعیہ امّ الدرداءؒ کا قول ہے کہ اللہ کی نعمتیں ہم پر سونے اور چاندی کی شکل میں نہیں برستیں، بلکہ یہ ہمیں ایک دوسرے کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں۔ میں ان حضرات کا فرداً فرداً ذکر نہیں کرسکتا جن کی بدولت میں اس کام کو مکمل کرسکا۔ میں اپنے تمام اساتذہ اور رفقاء کا مرہون منت ہوں۔ میں اپنے زیر استعمال تمام کتب خانوں کے کارکنوں کے تعاون کے لیے شکرگزار ہوں۔ اس ضمن میں خاص طور پر ان کا شکریہ لازم ہے: مولانا محمد دیدات ناظم کتب خانہ دار العلوم، بری، یو کے، دار الکتب الظاہریۃ، دمشق اور کتب خانہ شبلی، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ میں اپنے ان مقامی رفقاء کا سپاس گزار ہوں: حسن عابدین، جہاں سکندر، اور الیگزینڈر کینٹ۔ ان رفقاء نے میری ہمیشہ حوصلہ افزائی کی۔ جمیل قریشی نے مقدمہ کو انگریزی قالب میں ڈھالا۔ مزید برآں جمیل قریشی نے ہمیشہ پیش کش، دلائل اور زبان و بیان کے بارے میں میرا تعاون کیا۔ میں کارلا پاور کا شکرگزار ہوں جن کے مضامین کی بدولت میری تصنیف کا تذکرہ عام ہوا۔ میں اپنی بیٹیوں بالخصوص سمیہ کا ممنون ہوں جنھوں نے ٹائپنگ اور مسودہ کی تصحیح میں میری بھرپور مدد کی۔

چوں کہ زیر نظر تصنیف سنت رسول اللہ سے متعلق ہے، لہٰذا یہ عین مناسب ہوگا کہ اس موقع پر ہم درود کا ورد کریں۔ مجھے توقع ہے کہ اللہ کی مرضی سے اس تصنیف میں شریک تمام اشخاص اور قارئین کو خیر اور اجر حاصل ہوگا۔ ساری حمد و ثنا صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہے اور اسی کو زیبا ہے۔

محمد اکرم ندوی

آکسفورڈ، جولائی 2007

حواشی

1۔ اس اقتباس کا ترجمہ یحییٰ مکوٹ کی ابن تیمیہ کے محاضرات پر نقد ونظر مشمولہ کتاب Muslims under non-Muslim Rule (2006) سے ماخوذ ہے، ص 105۔ اصل اقتباس کا ماخذ **الطرق الحکمیۃ** ہے۔ مرتبہ ایس. عمران، قاہرہ، 1423 / 2002، ص 18-17۔

2۔ البخاری، صحیح، مواقیت الصلاۃ، باب ''الصلاۃ کفارۃ''۔

مسلم، صحیح، توبہ، باب ''قوله تعالیٰ: انّ الحسنات یذهبن السیئات''۔

الترمذی، جامع، تفسیر القرآن، باب ''و من سوره هود''۔

ابن ماجہ، سنن، اقامۃ الصلاۃ، باب ''ما جاء فی ان الصلاة کفارة''۔

3۔ الذہبی، سیر اعلام النبلاء، جلد 23، ص 133۔

4۔ القرشی، الجواهر المضیئة فی طبقات الحنفیه، جلد 4، ص 2-1۔

تعارف

لوگوں کے لیے یہ امر حیرت انگیز محسوس ہوتا ہے کہ اسلامی نظام میں خواتین اس منصب اور اقتدار کی حامل تھیں جو اہل علم افراد کے لیے مخصوص ہے۔ مغرب میں یہ تأثر عام ہے کہ اسلامی معاشرتی نظام میں دین کا غلبہ ہے اور جس معاشرتی نظام میں ایسا ہوگا لازماً اس میں خواتین کا اختیار اور اقتدار برائے نام ہوگا۔ اس تأثر کے پس پشت یہ مفروضہ ہے کہ دین انسان کی ایجاد ہے۔ چوں کہ اس کو مردوں نے ایجاد کیا ہے، لہٰذا اس میں خواتین کو نظر انداز کرتے ہوئے مردوں کو امتیازی مقام اور فوقیت حاصل ہے۔ مسلمان اس رائے سے قطعاً متفق نہیں۔

مسلمانوں کے ایمان کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے اور ہر چند کہ یہ انسانی زبان کے توسط سے نازل ہوا ہے، لیکن کلام الٰہی ہونے کے باعث یہ انسان کے محدود تناظرات سے ماورا رہا ہے۔ بحیثیت مجموعی قرآن مجید بیانیہ ہے یا ساختیاتی نظام۔ یہ کسی فرد یا قبیلہ کا ایسا رزمیہ نہیں جسے بعد کی نسلوں نے نئے نئے معنی عطا کیے۔ قرآن مجید کا جغرافیائی تناظر غیر محدود ہے۔ وہ کسی مخصوص مقام کو مقدس نہیں قرار دیتا۔ اسی طرح وہ کسی انسانی ادارے کو بھی جواز یا سند عطا نہیں کرتا، مثلاً مذہبی آقائیت یا بادشاہت۔ اسی طرح قرآن مجید چند مجرد اخلاقی یا فلسفیانہ اصولوں کے آمیزے کا نام نہیں۔ مسلمانوں کے مطابق قرآن مجید انسانی صورت حال اور کیفیات کے بارے میں رضائے الٰہی سے مطلع کرتا ہے اور اسی باعث یہ قابل تقلید ہے۔ مختلف کیفیات میں گرفتار انسان قرآن مجید کے مخاطب ہیں۔ قرآن مجید میں وعدے بھی ہیں اور وعیدیں بھی۔ قرآن مجید تمام تر اس ہدایت پر مشتمل ہے کہ دنیا میں زندگی کیسے بہتر طور پر بسر کی جائے، جس سے ابدی اور اخروی زندگی میں سکون اور مسرت میسّر ہو۔

قرآن مجید جس متعین فرد پر نازل ہوا اس کو بلا شبہ ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ قرآن مجید اقتدار اور اخوت کا منبع ہے اور اسی باعث رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بھی اقتدار اور

قوت حاصل ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ قرآن مجید اور سنت رسول ہدایت کے ایسے مآخذ ہیں جن کے مطابق زندگی بسر کر کے انسان رضائے الٰہی سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔ دیگر امور اور معاملات میں مسلمانوں میں بلاشبہہ اختلافات رونما ہوئے، لیکن قرآن اور سنت کی حاکمیت کے بارے میں کبھی اور کہیں بھی اختلاف رائے نہیں پیدا ہوا۔ زیر نظر تصنیف اس اجمال کی تفصیل ہے کہ خواتین نے اخوت اور اقتدار کے اس مخرج تک کیسے رسائی حاصل کی۔

انسانوں کے لیے بہترین ہدایت، جس کی وہ توقع کر سکتے ہیں، یہ ہے کہ ان کے قانون داں ایسے قوانین وضع کریں جو اس لحاظ سے عدم واقفیت پر مبنی ہوں کہ ان قوانین سے کسے فائدہ پہنچے گا اور کسے نقصان؟ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کیوں کہ انسانی تناظرات انتہائی نیک نیتی کے باوجود تعصّبات اور تحفظات ذہنی سے مملو ہوتے ہیں۔ عملی طور پر یہ ہوتا آیا ہے کہ قانون بنانے والے انسان اپنے ذوق اور مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں ان کے اپنے مفاد دوسروں کے لیے بھی فائدہ مند ثابت ہوں گے، لہٰذا انسان کے وضع کردہ قانون میں ہمیشہ بعض افراد کو دیگر افراد پر ترجیح دی جاتی ہے۔ کبھی یہ ترجیح صاحب جائداد افراد کو حاصل ہوتی ہے اور کبھی ان کو جو جائداد سے محروم ہوں، کبھی مردوں کو خواتین پر اور کبھی اپنی ملک وقوم کو دیگر اقوام پر۔ البتہ یہ امر باعث طمانیت ہے کہ انسان ماضی کی غلطیوں سے، اور اپنے تجربہ سے بہت کچھ سیکھتا ہے اور اصلاح حال کر سکتا ہے۔

مسلمانوں کا ایمان ہے کہ قرآن مجید اور سنت ایسی ہدایت کا سرچشمہ ہیں جو مطلق غیر معروضی ہے اور ہر صورت حال کا احاطہ کرتی ہے، کیوں کہ اللہ کا علم اور رحمت سب انسانوں اور ان کے ماضی، حال اور مستقبل کو محیط ہے۔ قرآن وسنت کے پیمانوں سے انسان کا انحراف عین ممکن ہے، لیکن یہ پیمانے ابدی طور پر مطلق صحیح ہیں، اسی لیے اسلام میں یہ روایت رہی ہے کہ قول الٰہی کی موجودگی میں کوئی دلیل پیش کی جا سکتی ہے نہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔ ان امور میں جہاں براہ راست قرآن مجید سے ہدایت دست یاب نہ ہو تو مسلمان اسے سنت رسول اللہ ﷺ میں تلاش کرتے ہیں اور اس امر کو متعین کرتے ہیں کہ اس مخصوص صورتحال میں رسول اللہ کا کیا عمل رہا۔ سنت رسول ﷺ مجموعوں کی شکل میں محفوظ ہے اور اسے عرف عام

میں 'حدیث' کہا جاتا ہے۔ علم حدیث کا ماہر 'محدث' اور خاتون ماہر 'محدثہ' کے طور پر معروف ہیں۔ فقہ کو وضع کرنے میں حدیث کا کلیدی کردار ہے۔ فقہ میں تشریعی احکام کے ساتھ معاشرتی نکات کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ فقہ کا ماہر 'فقیہ' کہلاتا ہے۔ فقہ کی بنیاد پر اصلاح کو انجام دیا جاتا ہے۔ لوگوں کے استفسار کے جواب میں فقہا اور علماء فتویٰ دیتے ہیں۔ 'مفتی' سے مراد متعین طور پر وہ شخص ہے جو فتویٰ دے۔ علم حدیث تفسیر کے لیے بھی لازمی ہے۔ قرآن مجید کی تشریح اور تعبیر میں رسول اللہ ﷺ کے فہم کو اوّلین ترجیح حاصل ہے۔ قارئین کو واضح طور پر یہ علم ہونا چاہیے کہ سنی مسلک میں کوئی بھی مسلمان کسی مخصوص فقہ یا افتا یا تفسیر کا پابند نہیں۔ علماء مسلم معاشرے میں اپنا منصب اور اختیار یقیناً استعمال کرتے ہیں، لیکن براہ راست نہیں۔ عوام میں ان کے اعتبار اور اعتماد کے لیے لازم ہے کہ ان کے مآخذ قرآن وسنت ہوں۔

دین کے تمام ابواب میں خواتین نے عالی مقام حاصل کیا ہے۔ زیر نظر تصنیف سے واضح ہوگا کہ خواتین کی فقہی آراء سے استفادہ کیا جاتا تھا، اسی طرح ان کے فتاویٰ اور تفاسیر مآخذ کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ بنیادی طور پر اس تصنیف میں میں نے محدثات کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے کارناموں کو اجاگر کیا ہے۔ اس باب میں میں نے خواتین کے بارے میں قرآن اور سنت کے مآخذ کو ابتدا میں بیان کیا ہے کہ ان کے باعث کس طرح رویّوں میں تبدیلی آئی؟ اس باب کے دوسرے حصہ میں میں نے قرآن اور حدیث کے ذریعہ بپا کی ہوئی تبدیلیوں کا احاطہ کیا ہے۔ اس باب کے تیسرے حصہ میں خواتین کی ان خدمات کا تذکرہ ہے۔ جن کی بدولت ابتدائی دور میں مردوں نے ان تبدیلیوں کو تسلیم کیا۔

قرآن اور سنت کی حجیت

قرآن مجید نے عہد جاہلیت کے عربوں پر خواتین کے سلسلے میں ان کے رویے پر گرفت کی ہے: ''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ گھٹا گھٹا رہتا ہے۔ وہ اس منحوس خبر پر لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ (سوچتا ہے) کہ اس کو ذلت کے ساتھ رکھ چھوڑے یا اس کو مٹی میں دفن کردے۔ افسوس! کیا ہی برا فیصلہ ہے جو

یہ کرتے ہیں'' (النحل 16:58-59)۔ دور جاہلیت کے لوگ لڑکی کی پیدائش کو معاشی اعتبار سے بوجھ سمجھتے تھے، وہ اس کی پرورش کے اخراجات سے خائف رہتے۔ اس کے برعکس بیٹا ان کی برادری اور قبیلہ کی عسکری اور معاشی قوت میں اضافہ کا باعث بنتا۔ جاہلیت کے بعض قبائل میں بیٹیوں کو پیدائش کے وقت زندہ درگور کرنے کا رواج تھا۔ قرآن مجید کے مطابق حشر کے دن اس ظلم عظیم پر باز پرس ہوگی، ''اور جبکہ زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کس گناہ پر ماری گئی'' (التکویر 81:8-9)۔ قرآن مجید نے جن انسانی حقوق اور فرائض کا ذکر کیا ہے وہ مردوں اور خواتین دونوں پر یکساں طور سے عائد ہوتے ہیں۔ مرد و خواتین دونوں اللہ کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں۔ اللہ ان کا خالق اور رب ہے اور تمام مردوں اور خواتین کی تخلیق نفس واحد سے ہوئی ہے۔ قرآن مجید اس کی صراحت ان الفاظ میں کرتا ہے: ''اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا، اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم باہم دگر طالب مدد ہوتے ہو اور ڈرو قطع رحم سے۔ بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے'' (النساء 4:1)۔ ''اور ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے بہتوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے۔ ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ یہ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو بالکل بے خبر ہیں'' (الاعراف 7:179)۔

مرد اور عورت دونوں کی تخلیق کا مقصد یکساں ہے: ''اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو شریک نہ بناؤ! میں اس کی جانب سے تمہارے لیے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں'' (الذاریات 51:56)۔ قرآن نے مرد اور خواتین دونوں کے لیے 'عبد' کی اصطلاح استعمال کی ہے، جس سے مراد اللہ کا عبادت گزار ہونا اور بندہ ہونا ثابت ہے۔ حقوق اللہ مرد و خواتین کے لیے ایک جیسے ہیں اور ان کی بجا آوری کے لیے جو صفات لازم ہیں وہ مرد و خواتین دونوں میں ہونی چاہئیں۔ اس حقیقت کو قرآنی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت اور اس کے سبب نزول پر مندرجہ ذیل حدیث سے روشنی پڑتی ہے۔ اس حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن شیبہ ہیں:

”میں نے امّ المومنین امّ سلمہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انھوں نے دریافت کیا: یارسول اللہ ایسا کیوں ہے کہ ہم خواتین کا ذکر قرآن میں اس طرح نہیں ہے جیسا مردوں کا ہے؟ پھر اسی دن منبر پر آپ ﷺ کے خطاب پر میں چونکی۔ اس لمحے میں اپنے بالوں میں کنگھی کررہی تھی۔ میں نے اپنے بال جلد سنوارے اور اپنے مکان کے اس کمرے میں آگئی جہاں سے میں آپ کا خطاب بخوبی سن سکتی تھی۔ میں نے آپ ﷺ کو بغور سنا۔ آپؐ اپنے خطبہ میں فرمارہے تھے: ”اے لوگو! اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے ”اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں، ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں، فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، ثابت قدمی دکھانے والے مرد اور ثابت قدمی دکھانے والی عورتیں، فروتنی اختیار کرنے والے مرد اور فروتنی اختیار کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد رکھنے والے مرد اور اللہ کو کثرت سے یاد رکھنے والی عورتیں، ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔“ (الاحزاب 33:35)[1] حقوق اللہ ہر شخص پر انفرادی حیثیت سے عائد ہیں، اسی طرح دنیوی ذمہ داریاں اور آخرت میں بدلہ ہر شخص کے لیے اسی سے مخصوص ہے۔ ہمیں انسانوں کے ذوق اور ان کو میسر مواقع میں جو تنوع نظر آتا ہے اس کو اللہ کے اس فرمان کے تناظر میں سمجھنا چاہیے کہ اللہ کسی شخص کو اس کی برداشت سے زائد مکلّف نہیں کرتا۔ اسلامی روایت میں اللہ اور انسان کے مابین کسی واسطہ کا وجود نہیں۔ اللہ کی عبادت کیسے کی جائے؟ دنیوی معاملات میں اپنے تنازعات کیسے رفع کیے جائیں؟ ان تمام امور کے بارے میں قرآن مجید اور سنت سے ہدایت ملتی ہے۔ اس ہدایت تک رسائی پر کسی مخصوص گروہ کی اجارہ داری نہیں۔ مثلاً اس میں نہ قبیلہ قریش کی تخصیص ہے نہ عرب اور غیر عرب کی۔ اسی طرح اس میں مرد اور عورت کے مابین صنفی تفریق اور معاشرتی طبقاتی تفریق کا بھی کوئی گزر نہیں۔ یہ ہدایت سب کے لیے عام ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، طبقہ اشرافیہ کا فرد ہو یا غلام۔ اس ہدایت کا تعلق علم سے ہے اور یہ قرآن مجید

اور سنت کی پیروی پر منحصر ہے۔ مسلم علماء اور عالمات کو احترام اور اکرام اسی وجہ سے حاصل ہوا کہ وہ صاحب علم تھے اور انتہائی فرض شناسی کے ساتھ انھوں نے علم کو محفوظ رکھا، اس کی اشاعت کی اور اس کے افہام و تفہیم میں معین ثابت ہوئے۔ صاحب علم مرد و خواتین کی آراء میں اختلاف ضرور پایا گیا، لیکن ان اختلافات کو کسی صنفی، قبائلی، معاشرتی، طبقاتی یا معاشی تفریق کی بنیاد پر طے نہیں کیا گیا۔

اس ضمن میں ایک روشن مثال حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث ہے۔ ان کی روایت کے مطابق جب ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے شوہر کو اس کا پابند نہ بنایا کہ وہ ان کی عدت کے خاتمہ تک ان کی رہائش اور نان ونفقہ کا نظم کریں۔ عدت کے خاتمے پر وہ دوسری شادی کے لیے آزاد تھیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے اس روایت کو رد کر دیا۔ حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عائشہؓ اور دیگر فقہاء بھی اس روایت کی صحت کے قائل نہیں۔ ان کا موقف ہے کہ مذکورہ بالا روایت قرآن کے اس حکم سے متصادم ہے جس کی رو سے مردوں کو عدت کے دوران اپنی مطلقہ بیویوں کی کفالت کرنی چاہیے۔ اگر یہ حضرات پدری جذبہ سے مغلوب ہوتے تو یقیناً وہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی مذکورہ بالا روایت کو اخذ کرتے، کیوں کہ یہ مردوں کے مفاد میں ہے۔ بہر کیف حضرت فاطمہؓ کو یہ روایت بیان کرنے سے باز نہیں رکھا گیا۔ اس اجمال کی تفصیل اگلے باب میں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ان کی یہ روایت تمام کتب حدیث میں درج ہے اور مختلف وجوہ کی بنیاد پر فقہا نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر یہ روایت کسی مرد نے بیان کی ہوتی، مثلاً سابقہ شوہر نے تو اس صورت میں بھی یہی موقف اختیار کیا جاتا۔

ایک دوسری مثال حضرت سعید بن المسیّبؒ کی ہے۔ ان سے مروی اس روایت کا تعلق حضرت ابو بکرؓ کے دور خلافت میں حضرت عمر بن خطابؓ سے ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عاصم کی والدہ کو طلاق دی اور کسی موقعہ پر اپنی مطلقہ بیوی کو اپنے بیٹے کے ہمراہ دیکھا تو اپنے بیٹے کو ان سے لے لیا۔ مطلقہ خاتون نے حضرت ابو بکرؓ سے معاملہ کی شکایت کی۔ خلیفہ نے یہ فیصلہ سنایا کہ عاصم بن عمر بالغ ہونے تک یا اپنی والدہ کی دوسری شادی ہونے تک اپنی والدہ

کے ساتھ ہی رہے گا[2]۔ یہ فیصلہ سنت کے عین مطابق تھا، کیوں کہ یہ مستند حدیث ہے۔

ایک خاتون رسول اکرم ﷺ کے پاس اپنے چھوٹے بیٹے کو لے کر حاضر ہوئیں اور کہا: ''یارسول اللہ! میرے رحم میں اس نے پرورش پائی، میرے دست و بازو اس کے لیے وقف تھے اور میری چھاتی سے اس نے دودھ پیا۔ اب اس کا باپ کہتا ہے کہ وہ اس کو مجھ سے چھین لے گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک تم کسی دوسرے شخص سے شادی نہیں کرتیں اپنے بیٹے پر تمہارا حق زیادہ ہے'' [3]۔ ہر چند کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے مقرب صحابی تھے اور خلیفہ حضرت ابو بکرؓ کے عزیز ترین دوست، لیکن حضرت ابو بکرؓ کا فیصلہ ان کے خلاف ہوا۔ حضرت عمرؓ کی یہ دلیل کام نہ آئی کہ وہ اپنے بیٹے کو بہت کچھ دیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے فیصلہ میں کہا: ''اے عمر! اس بچہ کی والدہ کے ہونٹوں کی نمی اس کے لیے تمہارے گھر کے شہد سے کہیں زیادہ شیریں ہے۔'' [4] اس کتاب میں حدیث اور شریعت کے متعدد ائمہ کی مثالیں کثیر تعداد میں پیش کی گئی ہیں۔ چوں کہ لوگ ان حضرات کی اتباع کرتے آئے ہیں، انہیں ائمہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان ائمہ کے اساتذہ میں عالمات بھی شامل ہیں اور انہوں نے ان عالمات کے علم و فن اور ذہانت وذکاوت کی تعریف وتوصیف بھی کی ہے۔ اس باب میں وہ صحابہ اور تابعین کے نقش قدم پر عمل پیرا رہے۔ اس تصنیف میں درج متعدد مثالوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان ائمہ نے عالمات سے عمومی اور خصوصی مشورے لیے، تاکہ قرآن مجید اور سنت میں درج ہدایت پر عمل بہتر انداز میں ہو۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ عام طور سے مناصب پر مرد فائز ہوتے تھے، مثلاً قاضی کا عہدہ، لیکن اپنے منصب کو استعمال کرتے ہوئے وہ قوت اور اقتدار و اختیار قرآن مجید اور سنت ہی سے اخذ کرتے تھے۔ خواتین کو یہ مساوی موقع تھا کہ قرآن مجید اور سنت کی بنیاد پر وہ اپنا نقطۂ نظر پیش کریں۔ اس کی ایک نمایاں مثال عظیم تابعیہ، محدثہ اور فقیہہ حضرت حمراء بنت عبدالرحمٰنؒ کی ہے۔ انہوں نے ایک عدالتی فیصلہ میں مداخلت کی، تاکہ ناانصافی نہ ہو۔ اس واقعہ کی تفصیل بھی اس کتاب میں درج ہے۔ اہم تر نکتہ یہ ہے کہ ہر چند حضرت حمراء زیر سماعت مقدمہ کی پیش رفت اور اس کے پس منظر سے آگاہ تھیں، ان کو قاضی کے فیصلہ کا بھی علم تھا، اس کے باوجود انھوں نے اس فیصلہ کے خلاف اپنی صدا بلند کی۔ شہر میں متعدد فقہاء مقیم تھے

اور فعّال بھی تھے، لیکن کسی نے اس معاملہ میں مداخلت نہیں کی۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ حضرت حمراءؓ نے مداخلت کی اور کسی نے اس مداخلت پر اعتراض نہیں کیا۔ اس معاملے کا تعلق ایک غیر مسلم سے تھا، جس سے حمراء ذاتی طور پر بالکل واقف نہ تھیں۔ وہ اس کو صرف ایک متاثرہ شخص کے طور پر جانتی تھیں۔ اس معاملے میں ان کا کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہ تھا۔ ان کی مداخلت کے بعد قاضی نے اپنا فیصلہ تبدیل کیا اور متاثرہ شخص کو رہا کردیا۔ کیوں کہ ان سے مروی حدیث کو رد کرنے کے لیے قاضی کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ قاضی اس حدیث سے ناواقف تھا، یا یہ اس کے ذہن سے محو ہوگئی تھی، یا اپنے فیصلہ میں انھوں نے اس کو ملحوظ نہ رکھا، البتہ جیسے ہی ان کو متعلقہ حدیث کا علم ہوا، ایک مسلمان کی حیثیت سے انھوں نے اس پر فوراً عمل درآمد کیا اور یہی ہر مسلمان کو زیبا ہے۔ ایک وہ معاشرہ تھا جس میں مرد عورتوں سے ایسا نفور کرتے تھے کہ بچیوں کو زندہ دفن کردیتے تھے اور اب ایسا مسلم معاشرہ وجود میں آگیا تھا جس میں ایک خاتون کے اختیار کو محض اس لیے تسلیم کرتے ہیں کیوں کہ اس خاتون کے پاس وہ علم تھا جس سے وہ نابلد تھے۔ ایک ہی نسل میں اس عظیم اور وسیع ذہنی مسافت کا طے کرنا ناقابل یقین محسوس ہوتا ہے۔ ایسا کیوں اور کیسے ممکن ہوا؟

قرآن اور سنت کا خواتین کو بااختیار بنانا

مذکورہ بالا سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ انقلابی تبدیلی اس لیے واقع ہوئی کہ مسلمان وحی الٰہی کو اپنے خالق کا قول گردانتے ہیں، لہٰذا ان کے لیے وحی الٰہی کی حکم عدولی ناقابل تصور تھی۔ قرآن مجید میں عورتوں کا عمومی اور خصوصی حیثیت سے ذکر آیا ہے۔ اس کی رُو سے خواتین کسی اعتبار سے کم تر نہیں۔ ان میں کوئی نقص پایا جاتا ہے نہ وہ کسی ابدی گناہ کی مرتکب ہیں اور نہ گناہ اور بدی پر مائل۔ اس ضمن میں وہ مردوں کی طرح ہیں۔ مردوں ہی کی طرح وہ بھی گناہ پر کسی کو راغب کرسکتی ہیں۔ قرآن مجید خواتین کو مردوں کا تابع مہمل قرار نہیں دیتا، بلکہ ان کے آزادانہ تشخص کو تسلیم کرتا ہے۔ اس نے ہر عورت سے انفرادی طور پر اس طرح خطاب کیا ہے جس طرح اس کا خطاب مردوں سے ہے۔ قرآن مجید کی زبان عربی ہے اور دیگر زبانوں کی مانند اس کے مذکر الفاظ میں خواتین بھی شامل ہوتی ہیں، الّا یہ کہ سیاق وسباق ان سے متعلق نہ ہو۔ عربی

نحو کے مطابق یہ لازم نہیں کہ ہر صیغہ خطاب میں مؤنث کو متعین طور پر شامل کیا جائے، البتہ یہ بھی اہم ہے کہ بعض مقامات پر متعین طور پر مؤنث صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے قبل ہم نے سورہ احزاب کی آیت 35 کا اقتباس پیش کیا، جس میں مرد اور خواتین کی صفات کو جدا جدا بیان کیا گیا ہے۔ اسی سورہ کی آیت 36 کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اس کی نمائندہ دیگر قرآنی آیات یہ ہیں: ''اور کسی مومن یا مومنہ کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے اس میں کوئی اختیار باقی رہ جائے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑا'' (الاحزاب 33:36)۔ ''تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے سے ہو'' (آل عمران 3:195) ''جو کوئی نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، اور وہ ایمان پر ہے تو ہم اس کو ایک پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور ہم ان کو جو کچھ وہ کرتے رہے اس کا بہتر صلہ دیں گے'' (النحل 16:97)۔ ''اور جو نیکی کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، اور وہ مومن بھی ہے تو یہی لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے، اور ان کی ذرا بھی حق تلفی نہ ہوگی'' (النساء 4:124) اور ''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، یہ بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، اور نماز کا اہتمام کرتے اور زکوۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ لوگ ہیں کہ اللہ ان کو اپنی رحمت سے نوازے گا، بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے'' (التوبۃ 9:71)۔

یہ اضافہ غالباً غیر ضروری ہے کہ بعض مقامات پر عورتوں کا ذکر ناگزیر ہے، مثلاً تشریعی احکام کے سیاق میں ان کا ذکر شادی کے تعلق سے ہے، یا والدین کی اطاعت سے، جس میں بالخصوص مادری محنت شاقہ کا ذکر ہے: ''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے معاملے میں ہدایت کی، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ جھیل کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑانا ہوا، کہ میرے شکر گزار رہو اور اپنے والدین کے، میری ہی طرف بالآخر لوٹنا ہے'' (لقمان 31:14) اور ''اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کی۔ اس کی ماں نے دکھ کے ساتھ اس کو پیٹ میں رکھا اور دکھ کے ساتھ اس کو جنا۔ اور اس کو پیٹ میں

رکھنا اور اس کو دودھ چھڑانا تیس مہینوں میں ہوا۔ یہاں تک کہ جب وہ پہنچ جاتا ہے اپنی پختگی کو اور پہنچ جاتا ہے چالیس سال کی عمر کو، وہ دعا کرتا ہے: اے رب! مجھے سنبھال کہ میں تیرے اس فضل کا شکرادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر فرمایا۔ اور وہ نیک عمل کروں جو تجھے پسند ہیں! اور میری اولاد میں بھی میرے نیک بخت وارث اٹھا! میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں تیرے فرماں برداروں میں سے بنتا ہوں'' (الاحقاف 46:15)۔ لیکن جن آیات میں عورتوں کی تخصیص نہیں ہے وہاں بھی قرآن مجید کا خطاب ان سے یکساں طور پر ہے۔ قرآنی وعدوں اور وعیدوں کا اطلاق ان پر بھی اسی درجہ کا ہوتا ہے جس درجے کا مردوں پر۔

قرآن مجید اہل ایمان کے لیے اس لحاظ سے اہم ہے کہ وہ انسانی صورت حال کے بارے میں رضائے الٰہی سے آگاہ کرتا ہے۔ سورۂ المجادلہ کا پس منظر قرآن مجید میں خواتین کی تخصیص کی ایک روشن مثال ہے۔ یوسف بن عبداللہ بن سلام نے حضرت خولہ بنت ثعلبہ سے مندرجہ ذیل روایت بیان کی ہے۔ خولہ، حضرت اوس بن صامتؓ کی بیوی تھیں۔ حضرت اوس بن صامتؓ حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بھائی تھے۔ یہ روایت حسب ذیل ہے:

''ایک دن میرے شوہر نے مجھ سے جماع کیا۔ انھوں نے کسی چیز کے بارے میں کہا اور پھر ناراض ہوگئے۔ میں نے پلٹ کر ان کو جواب دیا۔ اس پر انھوں نے کہا: تم میرے لیے میری ماں کی پشت جیسی ہو (یہ محاورہ جنسی قطع تعلق کے لیے استعمال ہوتا تھا)۔ پھر وہ باہر چلے گئے اور اپنے دوستوں میں جا بیٹھے۔ جب وہ واپس آئے تو وہ مجھ سے پھر جماع کرنا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں روکا تو انھوں نے مجھ کو زبردستی گھسیٹا اور میں نے جدوجہد کی۔ پھر میں نے ان پر اس طرح قابو پایا جیسے کوئی عورت کسی کم زور مرد پر قابو پا سکتی ہے۔ میں نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خولہ کی جان ہے، آپ مجھے اس وقت تک نہیں چھو سکتے جب تک اللہ آپ کے اور میرے درمیان فیصلہ نہ کردے۔ پھر میں رسول اکرم ﷺ کے پاس گئی اور اپنے شوہر کی شکایت کی۔ آپؐ نے جواب دیا: ''وہ تمہارے شوہر بھی ہیں اور عم زاد بھی۔ اللہ سے ڈرو''۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی: ''اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو تم سے جھگڑتی تھی اپنے شوہر کے بارے میں اور شکوہ کر رہی تھی اللہ سے اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو۔ بے

شک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے'' (المجادلة 58:1)۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'اپنے شوہر سے کہو کہ وہ کفارے کے طور پر ایک غلام آزاد کریں'۔ میں نے کہا: ''یا رسول اللہ! ان کے پاس آزاد کرنے کے لیے غلام نہیں ہے۔'' آپؐ نے فرمایا: 'پھر اسے دو مہینے لگاتار روزے رکھنے چاہئیں۔ میں نے پھر کہا ''یا رسول اللہ! وہ ایک ضعیف شخص ہیں۔ وہ لگاتار روزے نہیں رکھ سکتے۔'' آپؐ نے فرمایا: پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ میں نے کہا: وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''ہم انھیں کھجوروں کا ایک بڑا ڈبہ دیں گے''۔ میں نے کہا: ''میں بھی ان کو کھجوروں کا ایک بڑا ڈبہ دوں گی''۔ پھر آپؐ نے ان کو صدقہ میں سے ایک ڈبہ عنایت کیا'' [5]۔

(سورۂ مجادلہ کی آیات دو تا پانچ میں اس طرح کے جنسی قطع تعلق کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اسے لغو قسم کے زمرے میں رکھتے ہوئے حدیث میں اس کے لیے کفارے کا حکم دیا گیا ہے)۔

قرآن مجید نے خواتین کو براہ راست اسلام کی دعوت دی ہے۔ اس کی رو سے خواتین آزاد خود مختار اخلاقی صفات سے متصف شخصیات ہیں۔ اس کی واضح مثال کے لیے حضرت عمرؓ سے متعلق درج ذیل واقعہ سبق آموز ہے۔ اس وقت حضرت عمرؓ ایک عظیم الشان سلطنت کے حکم راں تھے۔ اس کے باوصف حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ نے آپ کو برسر عام سرزنش کی۔ مذکورہ بالا حدیث بھی انہی خولہ سے متعلق ہے۔ اسی طرح قرآن مجید نے خواتین کو متعین قانونی حیثیت عطا کی ہے۔ انہیں جائیداد اور ترکہ کا حق عطا کیا ہے۔ نکاح ان کے لیے ایک معاہدے کے طور پر ہے۔ مردوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے خاندان کا بار اٹھائیں۔ خواتین پر مالی ذمہ داری عائد نہیں ہے۔ ان کی جائیداد بشمول مہر ان کی اپنی ملکیت میں رہتی ہے اور یہ ملکیت نکاح کے بعد بھی قائم رہتی ہے، البتہ وہ اپنی مرضی سے اپنا مال اپنے شوہر یا بچوں پر خرچ کرسکتی ہیں، یا بطور صدقہ دے سکتی ہیں۔ بظاہر یہ قرآنی حکم خواتین کی بے جا طرف داری محسوس ہوتا ہے۔ اس کا ازالہ قرآن مجید نے اس طرح کیا ہے کہ اس نے ترکہ کے احکام میں بیٹے اور بیٹی کے حصہ میں فرق ملحوظ رکھا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: ''والدین اور اقربا کے ترکہ میں سے مردوں کے لیے بھی ایک حصہ ہے اور والدین اور اقربا کے ترکہ میں سے عورتوں کا بھی ایک حصہ ہے۔ خواہ

ترکہ کم ہو یا زیادہ، ایک مقرر حصہ۔ اور اگر تقسیم کے وقت قرابت مند، یتیم اور مسکین آموجود ہوں، تو اس میں سے ان کو بھی کچھ دو اور ان سے دستور کے مطابق بات کرو۔ ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو اپنے پیچھے اگر ناتواں بچے چھوڑتے تو ان کے معاملے میں بہت اندیشہ ناک ہوتے، پس انہیں چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات زبان سے نکالیں۔ بے شک جو لوگ ظلم و ناانصافی سے یتیموں کے مال ہڑپ کر رہے ہیں، وہ تو بس اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں۔ اور وہ دوزخ کی بھڑکتی آگ میں پڑیں گے۔ اللہ تمہاری اولاد کے باب میں تمہیں ہدایت دیتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ اور اگر لڑکیاں دو سے زائد ہیں تو ان کے لیے ترکے کا دو تہائی ہے اور اگر اکیلی ہے تو اس کے لیے آدھا ہے۔ اور میت کے ماں باپ کے لیے، ان میں سے ہر ایک کے لیے، اس کا چھٹا حصہ ہے جو مورث نے چھوڑا اگر میت کے اولاد ہو۔ اور اگر اس کے اولاد نہ ہو اور اس کے وارث ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کا حصہ ایک تہائی۔ اور اگر اس کے بھائی بہنیں ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے اس وصیت کی تعمیل یا ادائے قرض کے بعد میں جو وہ کر جاتا ہے۔ تم اپنے باپوں اور بیٹوں کے متعلق یہ نہیں جان سکتے کہ تمہارے لیے سب سے زیادہ نافع کون ہوگا۔ یہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا فریضہ ہے۔ بے شک اللہ ہی علم و حکمت والا ہے" (النساء 4:7-11)۔

قرآن مجید کی رو سے خواتین کو اختیار ہے کہ وہ اپنا رفیق حیات منتخب کریں: "اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو تم اس بات میں مزاحم نہ بنو کہ وہ اپنے (ہونے والے) شوہروں سے نکاح کریں جبکہ وہ آپس میں معاملہ، دستور کے مطابق، طے کریں۔ یہ نصیحت تم میں سے ان لوگوں کو کی جاتی ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہی تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ اور ستھرا طریقہ ہے، اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے" (البقرہ 2:232)۔ "ایک دفعہ حضرت خنساء بنت خذام الانصاریہ الاوسیہؓ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ ان کے والد نے ان کی شادی ایسے شخص سے کر دی ہے جس کو وہ پسند نہیں کرتیں۔ آپؐ نے وہ شادی فسخ کر دی" [6]۔ حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے: "ایک نوجوان خاتون میرے پاس آئیں اور کہا: میرے والد نے میری شادی اپنے بھتیجے سے

اس لیے کردی ہے، تاکہ اس کی کم تر حیثیت برتری میں تبدیل ہوجائے۔ میں اس شادی سے خوش نہیں ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے اس خاتون سے رسول اکرم ﷺ کی آمد تک انتظار کرنے کے لیے کہا۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے اور اس خاتون نے اپنی شکایت پیش کی تو آپؐ نے اس کے والد کو بلوایا پھر اس کی موجودگی میں آپؐ نے اس خاتون سے معاملہ دریافت کیا۔ اس موقعہ پر اس خاتون نے کہا: میں اپنے والد کے فعل پر اب راضی ہوں۔ میں خواتین کو صرف یہ سبق دینا چاہتی تھی کہ ان کے والد کو ان کی شادی کے معاملہ میں اختیار نہیں ہے۔'' [7]

خواتین کی قانونی حیثیت اور صلاحیت کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی اجنبی اور دشمن کو پناہ دیں اور پوری مسلم امت ان کے اس عمل کی پابند ہوتی ہے۔ محمد بن ابراہیم التیمی نے ایسا ہی ایک واقعہ ابو العاص بن الربیعؓ سے متعلق روایت کیا ہے۔ ابو العاص کافر تھے اور رسول اکرم ﷺ کی صاجزادی زینب کے سابق شوہر۔ وہ اور ان کا تجارتی قافلہ شام سے واپسی پر مسلمانوں کے ایک حملہ کے نتیجہ میں قید ہوا اور ۶ ہجری میں ان کو مدینہ لایا گیا۔ وہاں وہ زینب کے پاس پہنچے، پناہ کی التجا کی اور زینب نے انہیں پناہ دے دی۔ وہ اپنے دروازے پر آئیں اور بہ آواز بلند کہا: ''میں نے ابو العاص بن الربیع کو امان دے دی ہے''۔ رسول اللہ ﷺ نے تصدیق کی کہ لوگوں نے اس اعلان کو سن لیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اہل ایمان دیگر افراد کے خلاف ہیں، لیکن کوئی بھی مومن ان کو امان دے سکتا ہے۔ زینب نے اس شخص کو امان دی ہے''۔ بعد میں زینبؓ کی درخواست پر ابو العاص کو ان کا مال واپس کردیا گیا، البتہ چوں کہ وہ اپنے کفر پر قائم رہے، ان کا زینب سے کوئی تعلق نہ رہا۔ وہ مکہ واپس گئے۔ تجارتی مال کے معاملات طے کیے اس کے بعد اسلام قبول کیا اور اگلے سال محرم میں مدینہ آئے۔ رسول اللہ نے ان کا نکاح دوبارہ زینب سے کردیا۔ [8]

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت امّ ہانیؓ سے متعلق ہے جس کی روایت خود انھوں نے ان الفاظ میں کی ہے: ''میں نے کہا: یارسول اللہ! میرا بھائی علی کہتا ہے کہ وہ اس شخص کو، جسے میں نے امان دی ہے قتل کرڈالے گا۔ وہ شخص عبیدہ کا بیٹا ہے''۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا ''یا امّ ہانی! جس کو تم نے امان دی ہے اس کو ہم نے بھی امان دی''۔ [9]

مردوں کی طرح خواتین بھی اپنے اعمال کے نتائج کے لیے آخرت میں جواب دہ ہوں گی۔ خواتین غلط راستہ اختیار کرسکتی ہیں اور صراط مستقیم پر بھی قائم رہ سکتی ہیں۔ اول الذکر کی قرآنی مثالیں اللہ کے پیغمبر حضرت لوط اور حضرت نوح کی بیویاں ہیں اور مؤخر الذکر کی قرآنی مثالیں فرعون کی بیوی اور حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ہیں: ''اللہ کافروں کے لیے مثال بیان کرتا ہے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی۔ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں تو انہوں نے ان کے ساتھ بے وفائی کی تو وہ اللہ سے ان کے کچھ کام آنے والے نہ بن سکے۔ اور دونوں عورتوں کو حکم ہوا کہ جاؤ تم بھی (دوزخ میں) پڑنے والوں کے ساتھ دوزخ میں پڑو! اور اللہ ایمان والوں کے لیے مثال بیان کرتا ہے فرعون کی بیوی کی۔ جبکہ اس نے دعا کی: اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھ کو نجات دے فرعون سے اور اس کے عمل سے اور مجھے نجات دے ظالموں کی قوم سے! اور مریم بنت عمران کی (مثال بیان کرتا ہے) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی۔ پس ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی'' (التحریم 66:10-12)۔ قرآن مجید نے فرعون کی بیوی کی تعریف اس کی روحانی اور اخلاقی جرأت کی بنا پر کی ہے۔ وہ فرعون کے تکبّر اور بدی سے خائف نہیں ہوئی۔ مریم ایمان کامل اور عفت اور عصمت کا پیکر ہیں: ''تو اس کے رب نے اس کو اپنی پسندیدگی کی قبولیت سے نوازا، اس کو عمدہ طریقے پر پروان چڑھایا، اور زکریا کو اس کا سرپرست بنایا۔ جب زکریا محراب میں اس کے پاس جاتا تو وہاں رزق پاتا۔ اس نے پوچھا: اے مریم! یہ چیز تمہیں کہاں سے حاصل ہوتی ہے؟ اس نے کہا: یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بے شک اللہ جس پر چاہے بے حساب فضل فرماتا ہے''۔ ''اس نے کہا: اے میرے رب! تو میرے لیے کوئی نشانی ٹھہرا دے، فرمایا: تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تو تین دن لوگوں سے بات نہ کرسکے گا مگر اشارے سے۔ اور اپنے رب کو بہت زیادہ یاد کیجیو اور صبح وشام اس کی تسبیح کیجیو۔ اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ نے تم کو برگزیدہ کیا، تم کو پاک کیا، اور تم کو دنیا کی عورتوں پر ترجیح دی'' (آل عمران 3:37 اور 42-40)۔ مریم کو بہتان کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اس سے ان کے ایمان میں کوئی کمی

نہیں آئی۔ قرآن مجید میں ان کا تذکرہ نہایت مؤثر انداز میں آیا ہے۔ خاص طور سے حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے موقعہ پر دردِ زہ میں مبتلا ہونا اور پھر ان کی تسلی اور تشفی کا اللہ تعالی نے سامان کیا: ''اور کتاب میں مریم کی سرگزشت کو یاد کرو جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر پورب کی جگہ میں جا بیٹھی۔ پس اس نے اپنے آپ کو ان سے پردے میں کرلیا تو ہم نے اس کے پاس اپنا فرشتہ بھیجا جو اس کے سامنے ایک کامل بشر کی صورت میں نمودار ہوا۔ وہ بولی کہ اگر تم کوئی خداترس آدمی ہو تو میں تم سے خدائے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں! اس نے کہا: میں تو تمہارے رب ہی کا فرستادہ ہوں تا کہ تمہیں ایک پاکیزہ فرزند عطا کروں۔ وہ بولی: میرے لڑکا کیسے ہوگا، نہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ لگایا اور نہ میں کوئی چھنال ہوں؟ اس نے کہا: یوں ہی ہوگا۔ تیرے رب کا ارشاد ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے۔ اور ہم یہ اس لیے کریں گے کہ (وہ ہمارا رسول ہو) اور ہم اس کو لوگوں کے لیے اپنی ایک نشانی اور اپنی جانب سے ایک رحمت بنائیں۔ اور یہ ایک طے شدہ امر ہے۔ پس اس نے اس کا حمل اٹھالیا اور وہ اس کو لے کر ایک دور کے مقام کو چلی گئی۔ بالآخر یہ ہوا کہ دردِ زہ اس کو کھجور کے تنے کے پاس لے گیا۔ اس وقت اس نے کہا: اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مرکھپ کے بھولی بسری چیز ہو چکی ہوتی! پس (کھجور کے) نیچے سے فرشتے نے اس کو آواز دی کہ مغموم نہ ہو، تمہارے پائیں سے تمہارے پروردگار نے ایک چشمہ جاری کر رکھا ہے۔ اور تم کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، تم پر تروتازہ خرمے جھڑیں گے۔ پس کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ اور اگر کوئی آدمی معترض ہو تو اس سے اشارے سے کہہ دیجیو کہ میں نے خدائے رحمٰن کے لیے روزے کی منت مان رکھی ہے تو آج میں کسی انسان سے کوئی بات نہیں کرسکتی!'' (مریم 26-19:16)

ملکۂ سبا کا قرآنی تذکرہ بھی بڑا سبق آموز ہے۔ وہ اعلیٰ سیاسی قیادت، علمی اور ذہنی جستجو اور روحانی قوت کی ایک نمائندہ مثال ہیں: ''میں نے دیکھا کہ ایک عورت اس پر حکمرانی کر رہی ہے اور اس کو سب کچھ حاصل ہے اور اس کا تخت بہت بڑا ہے۔ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کے سوا سورج کو پوجتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہوں میں کھبا دیے ہیں، پس ان کو صحیح راہ سے روک دیا ہے، پس وہ راہ یاب نہیں ہو رہے ہیں۔

(شیطان نے ان کو صحیح راہ سے روک دیا ہے) کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں، جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ اس نے کہا: ہم دیکھیں گے کہ تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو! یہ میرا نامہ لے کر جاؤ اور ان کے پاس ڈال دیجیو اور ہٹ کر دیکھیو کہ کیا ردعمل وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اس نے کہا: اے اہل دربار! ایک گرامی نامہ میرے پاس ڈالا گیا ہے، وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تم لوگ میرے مقابل میں سرکشی نہ کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر حاضر ہو! اس نے کہا: اے درباریو! میرے اس معاملہ میں مجھے رائے دو! میں کسی معاملے کا اس وقت تک فیصلہ نہیں کرتی جب تک آپ لوگ موجود نہ ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم طاقت اور اعلیٰ جنگی صلاحیت رکھنے والے لوگ ہیں۔ فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے۔ تو غور فرمالیجیے کہ کیا حکم دیتی ہیں؟ اس نے کہا: بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو درہم برہم اور کے معززین کو ذلیل کر کے چھوڑتے ہیں اور یہی یہ لوگ بھی کریں گے۔ اور میں ان کے پاس اپنے سفیر ہدیہ کے ساتھ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ سفیر کیا جواب لاتے ہیں۔ تو جب سفیر سلیمان کے پاس پہنچا، اس نے کہا: کیا تم لوگ میری مدد مال سے کرنا چاہتے ہو؟ مجھے خدا نے جو دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس نے تم کو دیا ہے۔ یہ تمہی لوگ ہو کہ اپنے ہدیوں پر خوش ہوتے ہو! ان کے پاس جاؤ! ہم ان پر ایسی فوجوں سے چڑھائی کریں گے کہ وہ ان کے مقابلے کی تاب نہ لاسکیں گے اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ خوار ہوں گے! سلیمان نے کہا: اے درباریو! تم میں سے کون اس کا تخت، ان لوگوں کے میرے حضور میں فرماں بردارانہ حاضر ہونے سے پہلے پہلے، لائے گا۔ جنوں میں سے ایک سرہنگ نے کہا: میں اس کو آپ کے پاس آپ کے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے پہلے حاضر کر دوں گا اور میں اس کام پر قدرت رکھنے والا اور ایک امانت دار ہوں۔ جس کے پاس کتاب کا علم تھا، اس نے کہا: میں اس کو آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر دوں گا! پس اس نے اس کو اپنے سامنے موجود دیکھا تو اس نے کہا: یہ میرے رب کا فضل ہے! تاکہ وہ میرا امتحان کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔ اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی نفع کے لیے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو میرا رب بے نیاز و کریم ہے۔ اس

نے حکم دیا کہ اس کے تخت کی شکل بدل دو۔ دیکھیں وہ پہچانتی ہے یا نہ پہچاننے والوں میں سے ہو کے رہ جاتی ہے! پس جب وہ آئی تو اس سے سوال کیا گیا کہ تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا: گویا کہ وہی ہے! اور ہم کو اس سے پہلے علم حاصل ہو چکا تھا اور ہم فرماں برداروں میں تھے۔ اور اس کو روک رکھا تھا ان چیزوں نے جن کو اللہ کے ماسوا وہ پوجتی رہی تھی۔ وہ ایک کافر قوم میں سے تھی۔ اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو جاؤ۔ تو جب اس نے اس (کے فرش) کو دیکھا اس کو گہرا پانی گمان کیا اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں، سلیمان نے کہا: یہ تو شیشوں سے بنا ہوا محل ہے! اس نے کہا: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم ڈھایا، اور اب میں نے سلیمان کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ رب العالمین کے حوالہ کیا!'' (النمل 27:23-44)

وحی کے علاوہ ہدایت کا ایک اور ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور عملی مثال ہے۔ وہ صرف مردوں کی تعلیم و تربیت نہ کرتے تھے، بلکہ آپ کی تبلیغی اور دعوتی مجالس میں خواتین بھی شامل ہوتی تھیں۔ آپؐ نے خواتین کی دعوت اور تربیت کے لیے وقت مختص کیا۔ آپؐ خود ان کے استفسارات کا جواب دیتے اور جب وہ آپؐ یا ازواج مطہرات کے پاس آتیں تو آپؐ ان کی تعلیم و تربیت کرتے۔

باب دوم میں اس اجمال کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ حکم قرآنی کے بموجب رسول ﷺ جب صحابۂ کرام سے مشورہ کرتے تو ان میں صحابیات بھی شامل ہوتی تھیں۔ اہم فیصلوں میں صحابیات سے بھی مشاورت ہوتی۔ اگر آپ کو صحابیات کی رائے صائب معلوم ہوتی تو آپ اس پر عمل کرتے۔ اس کی مشہور مثال صلح حدیبیہ کے موقعہ پر کافروں سے معاہدے کے وقت کی ہے۔ غزوۂ بدر کے بعد یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں دوسرا اہم سنگ میل ہے۔

مسلمان مکہ اس توقع کے ساتھ روانہ ہوئے تھے کہ وہ حج کریں گے، لیکن کفار مکہ نے ان کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ گفت وشنید کے بعد صلح ہوئی اور اس معاہدے کے مطابق مسلمانوں کو اس سال بغیر حج کیے مدینہ واپس جانا تھا۔ معاہدے کی یہ اور دیگر شرائط کچھ مسلمانوں کو یک طرفہ اور ذلت آمیز محسوس ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے اونٹ قربان کر دیں اور اپنے بال اور سر منڈا لیں۔ بہ الفاظ دیگر احرام اتار دیں۔ اس حدیث

کے راوی کے مطابق: ''بخدا کوئی بھی صحابی اس حکم پر عمل درآمد کے لیے نہیں تیار ہوا۔ رسول ﷺ نے ان کو تین بار یہ حکم دیا، پھر بھی کوئی اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ آپؐ نے حضرت امّ سلمہؓ کو مطلع کیا کہ آپ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ باہر تشریف لے جائیں اور ان سے اس وقت تک ایک لفظ بھی نہ کہیں جب تک وہ آپؐ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے اونٹ نہ ذبح کر دیں اور آپؐ اپنے حجام کو طلب کریں اور آپؐ کے سر منڈوانے کے بعد وہ آپ کے حجام کو طلب نہ کریں''۔ حضرت امّ سلمہؓ کا مشورہ یہ تھا کہ اگر فیصلہ پر استقامت کے ساتھ عمل کیا جائے تو صحابہ اس کی تقلید کریں گے، گو بادل ناخواستہ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔[10]

خواتین کے وہ افعال جن سے ان کی قوت اور حیثیت قائم ہوئی

اسلام میں قوت اور اختیار کا مأخذ قرآن و سنت ہے۔ اسی بنیاد پر مومنین اور کفار کے اعمال اور ان کے طرز زندگی میں فرق پایا جاتا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں قرآن مجید اور سنت پر عامل ہونے کی سزا تنقید، تعذیب حتی کہ موت تک تھی۔ کچھ اہل ایمان اپنے والد سے، شوہر اپنی بیوی سے اور بھائی بھائی سے اسی بنیاد پر جدا ہو گئے۔ اہل ایمان کو قبائلی معاہدوں کے ذریعہ حاصل پناہ اور حفاظت سے بھی محروم ہونا پڑا۔ چوں کہ خواتین کو اسلام کی دعوت انفرادی طور پر دی گئی تھی اور وہ اپنی مرضی سے مشرف بہ اسلام ہوئیں، اس کے نتیجہ میں انہیں بھی جدائی، علیحدگی اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ تنہائی کے باعث خواتین کی مصیبت غالباً کچھ زیادہ تھی۔ اس ضمن میں ایک معروف واقعہ حضرت عمر بن خطابؓ کی بہن حضرت فاطمہ کا ہے۔ حضرت عمرؓ بعد میں خلیفہ ہوئے، مگر اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں وہ اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ چوں کہ وہ باصلاحیت تھے، لہٰذا وہ مسلمانوں کو ایذا دینے میں بھی برق تھے۔ انہوں نے جب اپنی بہن فاطمہ کو چھپ کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے دیکھا تو انہیں بے رحمی سے زدوکوب کیا، لیکن فاطمہ کے باوقار جواب نے ان کی بدمزاجی اور غصہ کو رفع کر دیا اور جس دین کی بیخ کنی پر وہ ہمہ وقت تیار رہتے تھے اسی دین کو قبول کر لیا۔

تحصیلِ علم کے ضمن میں خواتین کی جاں فشانی کی متعدد مثالیں اگلے ابواب میں درج

ہیں۔ انھوں نے علم کی حفاظت، ترسیل اور تنفیذ کے فرائض انجام دیے۔ ضبط نفس کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھوں نے اسلام کو پورے ماحول میں روشناس کرایا اور اپنے شاگردوں کے دل و دماغ میں راسخ کیا۔ بہترین مومنات کی طرح وہ نفل نمازوں اور ذکر الٰہی میں منہمک رہتیں۔ جب انھوں نے عشاء کی نماز میں شرکت کی خواہش کا اظہار کیا تو ان کو یہ اجازت مل گئی۔ سالم بن عبداللہؒ نے اپنے والد عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب تمھاری خواتین رات میں مسجد جانے کے لیے اجازت طلب کریں تو انہیں اجازت دے دو'' [11]۔ مردوں کی مانند خواتین نے بھی حفظ قرآن کی مشقت اٹھائی۔ نہ صرف زبانی یاد کیا، بلکہ اپنے قلوب میں جاگزیں کیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے اعمال و افعال کا بغور مشاہدہ کرتیں اور آپؐ کے اقوال کو محفوظ رکھتیں۔ صحابہ ایک دوسرے کو رسول اکرم ﷺ کے اقوال و افعال سے مطلع کرتے، بالخصوص ان خواتین کو جو ان مواقع پر موجود نہ ہوتیں۔ اس کتاب میں خواتین کے ان کارناموں کی تفصیل درج کی گئی ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد صورتحال میں انقلابی تبدیلی آئی۔ اللہ نے مسلمانوں کے حق میں اور ان کے دشمنوں کے خلاف فیصلہ کیا۔ ان دشمنوں میں مشرک بھی تھے اور اہل کتاب بھی۔ بغیر خون بہائے مکہ فتح ہوا اور قدیم دشمنوں کو اس وقت معاف کر دیا گیا جب انھوں نے رسول ﷺ سے بیعت کی اور اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر وحی الٰہی کا سلسلہ جب موقوف ہوا اس وقت جزیرۂ عرب کے تمام قبائل مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ کچھ نے سیاسی مصلحتوں کے خاطر اور کچھ نے اعلیٰ مقاصد کی خاطر اسلام قبول کیا۔ ابتدائی دور میں اہل ایمان ان تمام واقعات پر گہری نظر رکھتے، جن کا ان کے دین پر اثر پڑتا۔ ایک حد تک اسلام میں اوّلیت کا تصور پیدا ہوا اور یہ بھی کہ آزمائش میں کون مخلص ثابت ہوتا ہے اور آزمائش کے بعد کس کا اخلاص باقی رہتا ہے۔ یہ تمام مرحلے خواتین کو بھی پیش آئے۔ حبشہ کے لیے پہلی اور محدود پیمانے پر ہجرت میں خواتین بھی شامل تھیں۔ اسی طرح بیعت عقبہ ثانی میں بھی خواتین شامل تھیں۔ یہاں ہجرت مدینہ کا ذکر نہیں۔ خواتین نے بھی یہ نظارہ دیکھا کہ کیسے مسلمانوں کا قبلہ یروشلم سے مکہ تبدیل ہوا۔ صلح حدیبیہ سے قبل جب کہ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ مسلمانوں پر کفار مکہ جنگ مسلط

کردیں گے، رسول اللہ نے مسلمانوں کو ایک درخت کے نیچے تجدید بیعت کے لیے حکم دیا۔ ان کے اس پیمان وفا کو قرآن مجید نے بیعت رضوان کے نام سے موسوم کیا ہے۔ عورتیں بھی اس بیعت میں شامل تھیں۔

سوانحی تذکروں سے ہمیں صحابہ کے بارے میں مستند تاریخی معلومات دستیاب ہیں۔ حضرت ربیع بنت معوذ کے بارے میں [12] عبدالبر رقم طراز ہیں: ''آپ صحابیہ تھیں اور آپ سے احادیث مروی ہیں۔ اہل مدینہ نے بھی آپ سے احادیث نقل کی ہیں۔ احمد بن زبیر کا قول ہے کہ میں نے اپنے والد سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ ربیع بنت معوذ بیعت رضوان میں شامل تھیں۔ قبیلہ عدی بن نجار کی سلمیٰ بنت قیس بن عمرو غزوہ بدر میں شامل تھیں، جن کی کنیت امّ المنذر تھی اور وہ سلیط بن قیس کی بہن تھیں۔ ان کے بارے میں ابو نُعیم کا قول ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی خالہ تھیں۔ کچھ لوگوں کا قول ہے کہ وہ آپ کی پھوپھی تھیں۔ آپ کو قبلتین میں نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہے۔ آپ نے صلح حدیبیہ کے موقعے پر رسول اکرم ﷺ سے تجدید بیعت کی تھی۔ [13]

اسلامی تاریخ کا اہم ترین واقعہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت ہے۔ یہ اہل ایمان کی ایک کڑی آزمائش تھی کہ ہجرت کرنے سے اپنے ماضی کے تمام تعلقات منقطع ہو جاتے۔ انھوں نے اپنے قلوب میں ایک نئے طرز تعمیر حیات کی بنیاد ڈالی، جو ایک نئے نظام پر منتج ہوا۔ ہجرت کے اسی سال کو اسلامی عہد کا نقطۂ آغاز قرار دیا گیا۔ کثیر تعداد میں خواتین نے ہجرت کی اور اس آزمائش میں کھری ثابت ہوئیں اور انھوں نے اپنے اہل خانہ کے ہمراہ مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ بعض نے بغیر کسی تحفظ کے تنہا ہجرت کی۔ حضرت امّ کلثوم بنت عقبہؓ کا تعلق اسی خاندان سے تھا جو رسول اللہ ﷺ سے بغض و عداوت کے لیے بدنام تھا۔ اس کے باوصف امّ کلثوم ان سے ایک دن قبل وہاں پہنچ چکی تھیں۔ بھائیوں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے کہا ''یارسول اللہ! میں عورت ہوں اور آپ کو علم ہے کہ عورتیں کتنی بے بس اور مجبور ہوتی ہیں۔ اگر آپؐ نے مجھے کفار کے حوالے کر دیا تو وہ مجھے میرے دین کو اختیار کرنے کے لیے سزا دیں گے اور پھر میں راہ حق پر قائم نہ رہ سکوں گی۔'' [14]

اسی پس منظر میں سورہ الممتحنہ کی درج ذیل آیات نازل ہوئیں: ''اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کی تحقیق کرو۔ یوں اللہ تو ان کے ایمان سے اچھی طرح واقف ہی ہے، پس اگر تم ان کو مومنہ پاؤ تو ان کو کفار کی طرف نہ لوٹاؤ۔ نہ وہ عورتیں ان کے لیے جائز ہیں اور نہ وہ ان عورتوں کے لیے جائز ہیں۔ اور انہوں نے جو کچھ خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کر دو۔ اور تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم ان سے نکاح کر لو، بشرطیکہ ان کے مہر ان کو ادا کرو۔ اور کافرہ عورتوں کی عصمتوں پر قابض نہ رہو۔ اور جو کچھ تم نے خرچ کیا اس کا مطالبہ کرو اور وہ بھی مطالبہ کریں اس کا جو انہوں نے خرچ کیا ہے۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو وہ تمہارے درمیان کر رہا ہے۔ اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ اور اگر تمہاری بیویوں کے مہر میں سے کچھ کافروں کی طرف رہ جائے تو جب تمہیں موقع ہاتھ آ جائے تو جن کی بیویاں گئی ہیں ان کو ادا کر دو جو کچھ انہوں نے خرچ کیا اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔ اے پیغمبر! جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں اس بات پر بیعت کے لیے آئیں کہ وہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ وہ چوری کریں گی، اور نہ بدکاری کی مرتکب ہوں گی، اور نہ وہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی، اور نہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے متعلق کوئی بہتان تراشیں گی اور نہ کسی امر معروف میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کرو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہوا، وہ آخرت سے ناامید ہوئے جس طرح کفار قبر والوں سے ناامید ہوئے۔'' (الممتحنہ 60:10-13)

مجھے کسی اور مذہبی روایت یا تاریخ کا علم نہیں جس میں خواتین کو یہ مرکزی کردار حاصل ہو۔ اسلام کی روایت کے ہر سنگ میل پر خواتین موجود اور فعال نظر آتی ہیں، بالخصوص اس کے ابتدائی دور میں۔ ان خواتین کے دین سے فرط تعلق کی بنیاد پر اعزاز و اکرام کیا جاتا تھا اور ان کے علم دین کے باعث ان کی قدر و منزلت کی جاتی تھی۔ لہٰذا یہ امر چنداں تعجب خیز نہیں کہ عورتوں کو یہ حق و اختیار تھا کہ وہ ایسی حدیث کی بھی روایت کریں جن کو دیگر افراد قابل عمل نہیں گردانتے تھے۔ اس ضمن میں نمایاں مثال حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی ہے، یا اس خاتون کی جس

نے عدالتی فیصلہ کے خلاف احتجاج کیا اور وہ عدالتی فیصلہ اس خاتون کی بیان کردہ حدیث کی روشنی میں فسخ ہوا کیوں کہ ان کی بیان کردہ حدیث فیصلہ کن اور واضح تھی۔ اسی طرح تابعیہ حضرت حمراء بنت عبدالرحمٰنؒ کی مثال ہے۔ اسلام میں خواتین کی قوت واختیار کی تفہیم کے لیے اس نکتہ کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد وحی الٰہی کے الفاظ سب سے پہلے ایک خاتون یعنی امّ المومنین حضرت خدیجہؓ نے سنے اور وہ وحی الٰہی پر ایمان لے آئیں۔ اسی طرح قرآن مجید کا جو پہلا تحریری مصحف تیار ہوا وہ امّ المومنین حضرت حفصہ بنت عمرؓ کی تحویل میں محفوظ رہا۔[15]

خواتین کے بطور محدثات کردار کی توضیح اور تشریح سے قبل یہ صراحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ علم حدیث صرف ایک ایسا علمی شعبہ نہیں ہے جس میں مسلم خواتین نے امتیاز حاصل کیا ہو۔ اس کتاب میں یہ گنجائش نہیں کہ تجوید، تفسیر، فقہ، صرف ونحو، لغت، شاعری اور دیگر اصناف سخن: علم الکلام، منطق، فلسفہ، تاریخ، تذکرہ نگاری، طب، کتابت، خطاطی اور دیگر علوم وفنون میں ان کے کارناموں کا تذکرہ کیا جائے۔ البتہ میں نے مختصر حواشی اور حوالے فراہم کیے ہیں، تاکہ جن قارئین کو اس کی تفصیل درکار ہو وہ مزید مطالعہ کریں۔ میرے ایک آن لائن مقالہ میں بھی ان کارناموں کی تفصیلات دستیاب ہیں۔[16]

حواشی:-

1۔ الحاکم، المستدرک، جلد2،ص 416۔

2۔ البیہقی، السنن الکبری، نفقات، باب الأمّ تتزوّج و یسقط حقّها من حضانة الولد و ینتقل الی جدّته۔

3۔ ابوداؤد، سنن، طلاق، باب من أحقّ بالولد۔

4۔ المرغینانی، الهدایة، جلد2،ص 317۔

5۔ المزّی (م742)، تهذیب الکمال، جلد28،ص:314-313۔

6۔ البخاری، صحیح، نکاح، باب اذا زوّج الرجل ابنته و هی کارهة فنکاحها

مردود۔

7۔ البخاری، صحیح ،نکاح،باب لاینکح الأب و غیرہٗ البکر و الثیّب الّا برضاھا؛النسائی،سنن،نکاح،باب البکر یزوّجھا أبوھا و ھی کارھۃ؛ابن ماجہ، سنن،نکاح، باب من زوّج ابنتہ و ھی کارھۃ۔

8۔ ابن سعد،الطبقات الکبریٰ،جلد8،ص33۔

9۔ البخاری،صحیح، الجزیۃ و الموادعۃ،باب أمان النساء وجوارھن۔؛مسلم،صحیح، صلوٰۃ المسافرین[کذا] و قصرھا۔

10۔ البخاری،صحیح،شروط،باب الشروط فی الجھاد۔

11۔ البخاری،صحیح،صلوٰۃ،باب خروج النساء الی المسجد باللیل والغلس۔

12۔ ابن عبدالبرّ ،الاستیعاب،جلد2،ص731۔

13۔ ابوُنعیم الاصبہانی، معرفۃ الصحابۃ،جلد5،ص248۔

14۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ،جلد8،ص230۔

15۔ البخاری،صحیح،فضائل القرآن،باب جمع القرآن۔

16۔
www.interfacepublications.com/images/pdf/AKRAM_Article2.pdf

باب اول

روایت حدیث کی قانونی شرائط

جہاں تک حدیث کو اخذ کرنے اور ان کی ترسیل کرنے کی قانونی شرائط کا تعلق ہے اس باب میں مرد اور خواتین کے مابین کوئی امتیاز نہیں۔ جن حضرات کو اس باب میں غلط فہمی ہے وہ کسی قانونی معاملہ میں شہادت کو روایت حدیث سے خلط ملط کر دیتے ہیں ہر چند کہ یہ دونوں بڑی حد تک یکساں ہیں، لیکن فقہا نے ان کے درمیان فرق کو واضح کیا ہے۔

حدیث نبویؐ در حقیقت ایک متن ہے، جس میں مبینہ طور پر رسول اکرم ﷺ کے ادا کردہ الفاظ درج ہوتے ہیں، یا کسی فعل یا واقعہ کے بارے میں آپ کے سکوت کا بیان ہوتا ہے۔ احادیث کی روایت کے لیے وہی شرائط ہیں جو کسی عام روایت کی ترسیل کے لیے معروف ہیں۔ دونوں میں بنیادی اہمیت صدق گوئی اور اظہار حقیقت کی ہے۔ مزید برآں ضروری ہے کہ راوی باصلاحیت اور قوی حافظے کا حامل ہو، وہ کسی تعصب کا شکار نہ ہو اور اس پر کوئی ایسا دباؤ نہ ہو جس کے تحت وہ روایت کو مسخ کرے۔ یہ شرائط مرد حضرات اور خواتین دونوں پر یکساں طور سے عائد ہوتی ہیں۔ بدقسمتی سے روایت کرنے اور شہادت دینے کے مابین فرق کے بارے میں لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اسی طرح دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے مساوی ہونے کی مخصوص شرائط ہیں۔ اس سے کچھ لوگ یہ غلط نتیجہ برآمد کر لیتے ہیں کہ خواتین کی روایتِ حدیث بھی مردوں سے کم زور اور کم تر ہوتی ہے، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر شہادت اور روایت کے مابین فرق کو واضح کر دیا جائے۔

شہادت اور روایت

اللہ کے مندرجہ ذیل فرمان کی تفہیم میں عام طور پر غلط فہمی پائی جاتی ہے:

”اے ایمان والو! جب تم کسی معین مدت کے لیے ادھار کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ اور اس کو لکھے تمہارے مابین کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ۔ اور جسے لکھنا آتا ہو وہ لکھنے سے انکار نہ کرے بلکہ جس طرح اللہ نے اس کو سکھایا اس طرح وہ دوسروں کے لیے لکھنے کے کام آئے۔ اور یہ دستاویز لکھوائے وہ جس پر حق عائد ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ سے، جو اس کا رب ہے، ڈرے اور اس میں کوئی کمی نہ کرے۔ اور اگر وہ، جس پر حق عائد ہوتا ہے، نادان یا ضعیف ہو، یا لکھوا نہ سکتا ہو تو جو اس کا ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ لکھوادے۔ اور اس پر اپنے لوگوں میں سے دو مردوں کو گواہ ٹھہرالو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہی سہی۔ یہ گواہ تمہارے پسندیدہ لوگوں میں سے ہوں۔ (دو عورتیں اس لیے) کہ ان میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری یاد دلادے گی۔ اور گواہ جب بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں۔ اور قرض چھوٹا ہو یا بڑا، اس کی مدت تک کے لیے اس کو لکھنے میں تساہل نہ برتو۔ یہ ہدایات اللہ کے نزدیک زیادہ قرین عدل، گواہی کو زیادہ ٹھیک رکھنے والی، اور اس امر کے زیادہ قرین قیاس ہیں کہ تم شبہات میں نہ پڑو۔ ہاں! اگر معاملہ دست بدست لین دین اور دست گرداں نوعیت کا ہو تب اس کے نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور تم کوئی معاملہ خرید وفروخت کا کرو تو اس صورت میں بھی گواہ بنالیا کرو۔ اور کاتب یا گواہ کو کسی طرح نقصان نہ پہنچایا جائے اور اگر ایسا کروگے تو یہ تمہاری بڑی پائیدار نافرمانی ہوگی۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔“ (البقرہ 2:282)

مذکورہ بالا آیت میں دَین سے مراد عام قرض نہیں، بلکہ وہ معاملات ہیں جن کا ایک فریق دوسرے فریق کو پابند کرتا ہے کہ وہ متعین انداز میں انہیں انجام دے۔ یہ معاملات بالعموم ایسے محاورۂ بیان میں ادا کیے جاتے ہیں جن سے مخصوص اور متعلق افراد ہی واقف ہوتے ہیں اور دیگر افراد کے لیے وہ ایک چیستاں سے کم نہیں ہوتے، کیوں کہ متعلقہ افراد محذوف الفاظ کے معنی بھی بہ آسانی اخذ کرلیتے ہیں۔ یہ محاورۂ بیان ہر قوم اور علاقہ میں مختلف ہوتا ہے، بلکہ ایک ملک کے مختلف بازاروں میں اس کا انداز جدا جدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر دور جدید کے اسٹاک ایکسچینج میں جس طرح معاملات طے پاتے ہیں میں ان کو سمجھنے سے بالکل قاصر رہتا ہوں۔ میرے

لیے یہ معاملہ بے معنی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے یہ تحدید کی ہے کہ وہ افراد جو تمہارے لیے بطور گواہ قابل قبول ہوں۔[1] اسلامی قانون میں اس تحدید کی وضاحت پائی جاتی ہے کہ کچھ افراد اس پر قادر نہیں ہوتے۔ اس لیے یہ کہا گیا کہ اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے معاملات میں شہادت دیں جن سے ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اسلامی قانون میں عمومی طور پر مردوں کی شہادت کو عورتوں کی شہادت پر ترجیح حاصل نہیں، لیکن قرآن مجید کے حکم کے مطابق یہ ترجیح بعض مخصوص حالات میں ان مردوں کو یقیناً حاصل ہے جو خواتین کی بہ نسبت اس مخصوص معاملہ سے بہتر طور پر واقف ہوں۔ مذکورہ بالا نکتہ کا اطلاق اس کے برعکس صورت حال پر بھی ہوتا ہے۔ بعض معاملات میں خواتین کی شہادت مردوں کی شہادت سے زیادہ معتبر اور قابل ترجیح ہے۔

قرآنی ترکیب 'وہ جو تمہیں بطور گواہ قابل قبول ہوں'، اس کے دو پہلو ہیں: پہلا پہلو گواہ کی شہرت کا ہے۔ گواہ اپنی عدالت کے لیے معروف ہو، یعنی وہ کسی کے خلاف تعصب یا دشمنی یا فریق مخالف سے نسبی تعلق نہ رکھتا ہو۔ گواہ کی دوسری اہم صفت ضبط یعنی معتبر حافظہ ہے۔ اسی طرح گواہ کو زیر بحث معاملہ سے بخوبی واقف ہونا چاہیے تاکہ وہ شہادت کا حق ادا کر سکے۔ ایسا گواہ جس کی عدالت مشکوک ہو، یا جس کا حافظہ ناقابل اعتبار ہو، اس کی شہادت قابل قبول نہیں، قطع نظر اس سے کہ وہ گواہ مرد ہے یا عورت۔ اسی طرح دشمن کے خلاف یا اپنے کسی عزیز بھائی کی حمایت میں شہادت ناقابل تسلیم ہے۔ اس صورت میں بھی گواہ کا مرد یا عورت ہونا ایک غیر متعلق نکتہ ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اگر گواہ میں مذکورہ بالا شرطیں پائی جاتی ہوں اور وہ زیر بحث معاملہ سے بخوبی آگاہ ہو تو اس کی شہادت معتبر تسلیم کی جائے گی۔ اگر یہ شرائط پوری نہ ہوں تو شہادت مشکوک قرار پائے گی، خواہ یہ شہادت کسی مرد کی ہو یا عورت کی۔ ان گواہوں کو بہر کیف ترجیح حاصل ہوگی جو زیر بحث معاملہ سے بخوبی واقف ہوں اور اس کا براہ راست تجربہ رکھتے ہوں۔ یہ وضاحت غیر ضروری ہے کہ بچوں کی رضاعت، پرورش اور نسب سے متعلق خواتین کی شہادت مردوں کے مقابلہ قوی تر اور قابل ترجیح ہے۔ عامر الشعبیؒ (متوفی اندازاً 100) کا قول ہے کہ بعض شہادتیں ایسی ہیں جن میں صرف عورت کی شہادت قابل قبول

ہے۔[2]

جہاں تک مالی معاملات، تجارتی امور اور دیگر متعلقہ چیزیں ہیں، اگر اس سوال کا جواب ہم روز مرہ کی زندگی اور معاشرتی رسوم و رواج کی روشنی میں دیں اور لوگوں کے درمیان تنازعات سے باز رکھنے اور حل کرنے کی عملی صورت کو پیش نظر رکھیں تو مذکورہ بالا قرآنی حکم کی معنویت اور معقولیت واضح تر ہوتی ہے۔ اس کا تعلق اس دور کے معاشرتی حقائق سے تھا۔ خواتین کی قانونی شہادت ایک متفق علیہ امر ہے، البتہ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی شہادت اس بنا پر ہے کہ خواتین کو اس نوع کے معاملہ عموماً درپیش نہیں ہوتے۔ وہ کاوش کے بعد ہی اس معاملے کے محاورۂ بیان پر عبور حاصل کرتی ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں عورتوں کی شہادت کو مردوں کی شہادت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ معمول خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ اور خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کے عہد میں اور ممتاز صحابہ مثلاً عبداللہ بن عباسؓ (م68) اور عبداللہ بن عمرؓ (م73) کے دور میں بھی رائج رہا اور بعد کی نسلوں میں بھی یہ رواج باقی رہا، جس پہ ان علماء اور فقہاء نے بھی عمل کیا، مثلاً حسن بصریؒ (م110)، ابن شہاب زہریؒ (م124)، سفیان ثوریؒ (م161) اور ابو حنیفہ (م150) اور ان کے تلامذہ۔ ان سب کا یہ موقف ہے کہ وہ معاملات جو خواتین کے ساتھ مخصوص ہوں ان کے بارے میں ایک خاتون کی شہادت مردوں کی شہادت کی بہ نسبت اہم تر ہے[3]

شہادت اور روایت کے مابین فرق

شہادت وہ روایت ہے جس کے نتیجے میں ایک یا اس سے زائد افراد پر ذمہ داری عائد ہوسکتی ہے۔ اس کے برعکس روایت محض معلومات کا ایک وسیلہ ہے۔ اس سے کسی متعین شخص پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ ابو الولید باجیؒ (م474) رقم طراز ہیں: ''شہادت کا دائرہ کار محدود تر ہوتا ہے، لہٰذا مردوں اور آزاد افراد کو اس باب میں ترجیح دی جاتی ہے''۔[4]

اپنی تصنیف الفروق میں امام قرافیؒ (م684) رقم طراز ہیں: ''میں نے ان دو بنیادی قاعدوں کے مابین امتیاز سے گفتگو کا آغاز کیا ہے، کیوں کہ اس امتیاز کے تعین میں میں گزشتہ

آٹھ سال سے سرکردہ تھا، لیکن مجھے کوئی کامیابی نہیں ملتی تھی۔ میں علماء سے ان دونوں کے متعلق استفسار کرتا اور ان کے اصل معنی دریافت کرتا، کیوں کہ شہادت اور روایت بظاہر یکساں ہیں۔ میں اپنی اس تگ ودو میں مشغول تھا کہ میں نے مازریؒ (م536) کی شرح البرھان کا مطالعہ کیا۔ ان کے مطابق شہادت اور روایت یکساں ہیں، البتہ اگر روایت کسی عمومی معاملہ سے متعلق ہو اور اس کی زد کسی متعین فرد پر نہ پڑتی ہو تو محض روایت ہی ہوتی ہے، مثلاً رسول اکرمؐ کا یہ قول: 'انما الأعمال بالنیّات' اس کے برعکس اگر ایک صادق اور عادل گواہ قاضی کے سامنے یہ شہادت دے کہ فلاں شخص فلاں کا ایک دینار کا قرض دار ہے تو اس سے وہ متعین شخص متاثر ہوتا ہے، البتہ متعلقہ فریقین کے علاوہ اس شہادت کے دائرہ میں کوئی اور نہیں آتا۔ روایت اور شہادت کی یہ دو نمائندہ مثالیں ہیں''۔ [5]

مسلّم الثبوت کے شارح کی رائے ہے: ''ایک معتبر دین دار خاتون کی روایت قابل قبول ہے اور اسے کسی مرد کی تصدیق کی حاجت نہیں۔ اس کے برخلاف شہادت میں مرد کی صراحت نص قرآن سے ثابت ہے۔ [6] ایک واحد خاتون کی روایت کو صحابہ نے قبول کیا، اللہ ان سے راضی ہوا، اور ان کا یہ فعل قابل تقلید ہے۔ صحابہ نے حضرت بریرہؓ کی روایت کو ان کی آزادی سے قبل اس طرح تسلیم کیا جس طرح انھوں نے امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور امّ المومنین امّ سلمہؓ اور دیگر افراد کی روایات کو معتبر قرار دیا۔'' [7]

اصول حدیث کے ماہر خطیب البغدادیؒ (م463) نے مذکورہ بالا نکتہ کی کلی طور پر تصدیق اور توثیق ان الفاظ میں کی ہے: ''جس راوی میں مندرجہ ذیل صفات ہوں اس کی روایت قبول کرنے کے بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔ یہ وہی صفات ہیں جو شہادت کے لیے بھی لازمی ہیں، یعنی راوی مسلمان ہو، عاقل، بالغ، قابل اعتبار حافظہ کا حامل، صادق، ایماندار اور متقی ہو۔ غرض یہ کہ راوی اور گواہ کی شرائط میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ دونوں کے لیے عاقل وبالغ ہونا، معاملات سے واقف ہونا اور قوت حافظہ کا مالک ہونا ضروری ہے۔ البتہ راوی اور گواہ میں یہ فرق ہے کہ گواہ لازماً آزاد شخص ہونا چاہیے اور وہ شخص جس فریق کی جانب سے شہادت دے رہا ہو اس کے والدین یا اولاد میں سے نہ ہو، چوں کہ ان قریبی رشتوں کے باعث

اس کی شہادت مشکوک ٹھہرتی ہے اور وہ قریبی دوست بھی نہ ہو۔ بعض شہادتوں میں مرد ہونا ضروری ہے۔ بعض میں دو گواہ، بعض صورتوں میں چار گواہ درکار ہوتے ہیں۔ ان سب شرائط کا اطلاق راوی پر نہیں ہوتا۔ راوی خواہ غلام ہو یا عورت ہو یا کسی کا دوست ہو، اس سے روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔" [8]

خواتین سے مروی احادیث کی حلّت

علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کسی بھی قسم کی روایت کرنے میں مرد و عورت کے درمیان کوئی امتیاز نہیں اور حقوق و فرائض کے لحاظ سے دونوں احادیث کو اخذ کرنے، محفوظ کرنے اور روایت کرنے میں یکساں ہیں۔ اس امر کے وافر ثبوت موجود ہیں اور اسلام کے ابتدائی دور میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ یہ چنداں حیرت انگیز امر نہیں، کیوں کہ علم حدیث کوئی شوقیہ مشغلہ نہیں، بلکہ یہ قرآن مجید کی ہدایت کی افہام و تفہیم اور اس پر اپنی ذاتی زندگی اور معاشرہ میں عمل درآمد کی سنجیدہ کاوش ہے۔ تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ علم دین حاصل کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ اسی سے احادیث کے اخذ و روایت کی حلت ثابت ہوتی ہے۔ اس فرض سے مرد یا خواتین مستثنیٰ ہیں نہ خارج ہیں۔

اسلام کی دعوت کے بارے میں یہ روایت حضرت سعید بن المسیبؒ (م 90) اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن (م 94) کی ابو ہریرہؓ (م 57) کی سند پر ہے۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں: "جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول اکرم ﷺ کو یہ حکم دیا: اور اپنے اعزا اور اقارب کو متنبہ کرو (الشعراء 26:214) تو رسول اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور آپؐ نے فرمایا: "اے اہل قریش! اپنی فکر کرو، اللہ کے معاملہ میں میں تمہارے کسی کام نہ آؤں گا۔ اے بنو عباس بن عبد المطلب! اللہ کے معاملہ میں میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ اے صفیہ! میں اللہ کے معاملہ میں تمہارے کسی کام نہ آؤں گا۔ اے فاطمہ بنت محمد! مجھ سے میرے مال کے بارے میں جو چاہے طلب کرلو، مگر اللہ کے معاملے میں میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔" [9]

غرض یہ کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اپنے اعزا کے انذار کا حکم ملا تو آپؐ نے اپنی خواتین

اعزّا کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ مذکورہ بالا روایت میں انھوں نے ایک مرد اپنے چچا اور دو عورتوں یعنی اپنی پھوپھی اور بیٹی کا نام لے کر انہیں مخاطب کیا۔ اس مقام پر یہ تذکرہ برمحل ہے کہ دعوت اسلام سب سے پہلے ایک خاتون یعنی ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے کانوں میں پڑی اور انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی ہمت افزائی کی کہ وہ اپنے پیغمبرانہ منصب کو کما حقہٗ ادا کریں اور جب رسول اکرم ﷺ کو یہ خدشہ ہوا کہ آپ اس عظیم منصب کے اہل ہیں یا نہیں تو اس موقع پر بھی حضرت خدیجہؓ نے آپ کو اللہ کی مدد اور نصرت کا یقین دلایا۔ یہ خدیجہ ہی تھیں جو آپ کو اپنے ایک عالم رشتہ دار یعنی عیسائی راہب کے پاس لے گئیں، جس نے آپؐ کے موعودہ نبی ہونے کی تصدیق اور توثیق کی۔

یہ امر معروف ہے کہ علوم حدیث دوسری صدی کے آخر اور بعد میں منضبط ہوئے۔ ان ضوابط کو کسی نے ایجاد نہیں کیا، بلکہ علماء نے تجربہ سے بہترین طریقہ کار کو اختیار کیا اور پھر یہی ضوابط بن گئے۔ اس کی مثال زبان کے ارتقا سے دی جاسکتی ہے کہ اہل زبان رفتہ رفتہ خود ہی طے کرتے ہیں کہ کون سا محاورہ بیان صحیح ہے اور کون سا غلط۔ اس کے بعد کے مرحلہ میں صرف ونحو کے ضوابط طے ہوتے ہیں، جن میں ان اصولوں کا ذکر ہوتا ہے جن کے مطابق مادری زبان استعمال کرنے والے زبان برتتے ہیں اور انہی کے معمول کے مطابق الفاظ یا محاوروں کے صحیح اور غلط ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

ہم اس نکتہ کی پر زور وضاحت کرتے ہیں کہ جس وقت علوم حدیث کے اصول وضوابط طے ہوئے اور بعد کے ادوار میں کبھی یہ معاملہ سامنے نہیں آیا کہ راوی کے مرد یا عورت ہونے کی بنیاد پر اس سے مروی روایت کو قبول یا ردّ کیا جائے۔ اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں معتزلہ منظر عام پر آئے، جو اپنی سخت گیری کے لیے مشہور ہیں۔ وہ کسی حدیث کو صحیح تسلیم نہ کرتے جب تک کہ وہ دو مختلف راویوں کے ذریعہ مروی نہ ہو اور یہ سلسلہ روایت اصل راوی تک متعین طور پر ثابت نہ ہو، لیکن معتزلہ تک نے کبھی یہ شرط عائد نہ کی کہ یہ دو راوی مرد ہوں۔ اصول حدیث کے مشہور ماہر ابن الصلاحؒ (م643) کی رائے میں ہر وہ حدیث مستند ہے جو معتبر سلسلۂ رواۃ

کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچی ہو اور یہ راوی عادل اور ضابط ہوں۔ وہ ایسی روایات کو شاذ قرار دیتے ہیں جن کے معنی اور مفہوم دیگر صحیح اور مستند روایات سے متصادم ہوں۔ اس ضمن میں انہوں نے راوی کے مرد یا عورت ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔[10]

زیر بحث احادیث کی صحت کے بارے میں ماہرین کے بحث و مباحثہ میں راویوں کی صفات پر جرح و تعدیل ہوتی ہے۔ راوی خواہ مرد ہو یا عورت، اس کی صفات اور اس کی اسناد پر گفتگو ہوتی ہے اور اسناد کے معتبر ہونے کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ بعض اسناد قدرتاً زیادہ قابل ترجیح قرار دی گئیں اور ان کو 'سلسلۃ الذھب' (زرّیں سلسلہ روایت) کہا جاتا ہے۔ یحییٰ بن معین (م 233) کا قول ہے: ''عبید اللہ بن عمر اور ان سے قاسمؒ اور ان سے حضرت عائشہؓ کی مروی روایت سلسلۃ الذھب کی مثال ہے۔''[11] متعدد احادیث جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں وہ بہترین احادیث میں شمار ہوتی ہیں۔ خطیب بغدادی کے مطابق جب وکیع بن جراح (م 197) سے دریافت کیا گیا کہ وہ ان اسناد میں کس کو ترجیح دیتے ہیں؟ (۱) ہشام ابن عروہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے (۲) حفلہ بن حمید قاسم سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے اور (۳) سفیان منصور سے اور ابراہیم سے اور وہ اسود سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے اس کے جواب میں انھوں نے کہا ''وہ اپنے شہر کوفہ کے افراد کو کسی دوسرے کے مساوی نہیں سمجھتے۔ ہمارے لیے یہ سلسلہ اسناد بہترین ہے: سفیان منصور سے اور وہ ابراہیم سے اور وہ اسود سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے'': ان کی ترجیح کا باعث یہ ہے کہ یہ راوی کوفہ کے تھے اور وہ براہ راست ان راویوں کے احوال اور معیار سے واقف تھے۔ مزید برآں الاسود حدیث کے الفاظ کی تحفیظ اور احتیاط کے بارے میں مشہور ہیں۔ مثال کے طور پر انھوں نے حضرت عائشہؓ سے یہ روایت بیان کی ہے: ''رسول اللہ ﷺ جب رات میں نماز ادا کرتے تو اس کے بعد وہ اپنی اہلیہ کے پاس آتے اور پھر استراحت فرماتے۔ حضرت عائشہ نے یہ نہیں کہا کہ وہ سوجاتے۔ جب مؤذن اذان دیتا تو آپؐ کود کر اٹھتے۔ حضرت عائشہ نے یہ نہیں کہا کہ وہ کھڑے ہوتے۔ پھر آپؐ اپنے اوپر پانی ڈالتے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ نہیں کہا کہ آپ ﷺ غسل فرماتے۔''[12]

ماہرین حدیث نے حضرت امّ سلمہؓ کی اسناد کی صحت اور مضبوطی کی تعریف کی ہے۔ حاکم

کی روایت ہے کہ احمد بن حنبل (م 241)، یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی (م 234) ماہرین حدیث کے ہمراہ ایک نشست میں بہترین اسناد پر گفتگو کررہے تھے۔ اس نشست میں موجود ایک شخص نے کہا: بہترین سلسلہ سند یہ ہے، ''شعبہ قتادہ سے اور وہ سعید بن المسیّب سے اور وہ امّ سلمہؓ کے بھائی عامر سے اور وہ امّ سلمہؓ سے۔'' [13]

خواتین سے مروی احادیث کا مقام اور اہمیت

جیسا کہ ہم نے مطالعہ کیا، حدیث کی صحت کا معیار اس کے راوی کے مرد یا عورت ہونے پر نہ تھا، بلکہ اس کی صحت کا تعلق رسول اکرم ﷺ کے احکام اور افعال سے تھا، جن کی بنیاد پر شرعی احکام اور معاشرتی اصول وضوابط طے پائے۔ احادیث کے مقام اور اہمیت کے بارے میں بھی ائمہ حدیث راوی کے مرد یا عورت ہونے میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ ربیع بن سلیمان کے مطابق امام شافعیؒ (م 204) کا قول ہے: ''کسی نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ مجھے یہ بتادیں کہ علماء کے نزدیک وہ کیا ثبوت ہیں جس کے مطابق کسی روایت کی صحت کو پرکھا جائے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''فرد واحد کی فرد واحد سے روایت، بہ شرط یہ کہ اس کا سلسلہ رسول ﷺ تک دراز ہو، یا اس کی سند کسی صحابی تک پہنچے۔ واحد راوی کی روایت اس وقت تک ثابت نہ ہوگی جب تک اس میں یہ شرائط موجود نہ ہوں: راوی کا دین مسلّم اور معتبر ہو، وہ اپنی صدق بیانی کے لیے معروف ہو۔ وہ اپنی روایت کے مالہٗ اور ماعلیہ سے واقف ہو۔ وہ اس امر سے بھی آگاہ ہو کہ حدیث کے معنی میں کیسے تبدیلی واقع ہوتی ہے؟ وہ حدیث کو بجنسہٖ اس کے اصل الفاظ میں ترسیل پر قادر ہو، جیسا کہ اس نے اس کی سماعت کی ہو۔ وہ حدیث کے صرف معنی اور مفہوم بیان نہ کرے، کیوں کہ اگر وہ صرف معنی اور مفہوم بیان کرتا ہے اور اس امر سے ناواقف ہے کہ تبدیلی کیسے واقع ہوتی ہے؟ تو اس کا خدشہ ہے کہ وہ حرام کو حلال قرار دے دے، البتہ اگر وہ اصل الفاظ کی ترسیل کرے تو غیر ارادی طور پر اس کی روایت سے معنی میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوگی۔ اگر وہ حدیث کی روایت اپنے حافظہ کی بنیاد پر کرے تو اسے وہ حدیث ازبر ہونی چاہیے اور اگر وہ کسی تحریر کی بنیاد پر حدیث کی روایت کرے تو اسے اس تحریر کو محفوظ رکھنا چاہیے اور اگر وہ دیگر راویوں کے ساتھ روایت میں شریک ہو اور اس کے شرکاء مستند ہوں تو اس کی بیان کردہ

حدیث دیگر راویوں کی حدیث سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔ راوی مدلس نہ ہو، یعنی وہ کوئی ایسی بات بیان نہ کرے جو اس نے سنی نہ ہو اور وہ رسول اللہ کی سند پر کوئی ایسی روایت نہ پیش کرے جو معتبر اور مستند احادیث سے متصادم ہو۔" [14]

ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خواتین سے مروی احادیث شرعی احکام کی بنیاد قرار پائیں اور یہ معروف طریقہ کے مطابق ہوا۔ ان احادیث کو قبول کرنے کے پس پشت یہ خدشہ کبھی نہیں رہا کہ یہ خواتین سے مروی ہیں۔

امام مالک (م179) نے سعد بن اسحاق بن کعب بن عجرہ سے اور انھوں نے اپنی پھوپھی زینب بنت کعب بن عجرہ سے روایت کی ہے کہ فریعہ بنت مالک بن سنانؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ کی بہن نے ان کو بتایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ اجازت لینے گئیں کہ وہ بنوخدرہ کے علاقہ میں واقع اپنے والدین کے آبائی مکان واپس چلی جائیں۔ انھوں نے یہ وضاحت کی کہ ان کے شوہر اپنے مفرور غلاموں کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے جب وہ قدوم پہنچے اور ان مفرور غلاموں کو پکڑ لیا تو انھوں نے ان کو قتل کر دیا۔ وہ کہتی ہیں: "میں نے رسول ﷺ سے اجازت چاہی کہ میں اپنے خاندان کے پاس واپس چلی جاؤں، کیوں کہ میرے شوہر کی ملکیت میں کوئی مکان نہیں تھا اور انھوں نے کوئی رہائش گاہ میرے لیے نہیں چھوڑی تھی۔ میرے پاس اپنے اخراجات برداشت کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ میری اس درخواست کو رسول اللہ ﷺ نے منظور کیا اور اثبات میں جواب دیا۔ میں واپس چلی آئی۔ ابھی میں اپنے کمرے ہی میں تھی کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے واپس بلایا، یا کسی سے کہا کہ مجھے بلائے۔ جب میں گئی تو مجھ سے کہا: تم نے ابھی کیا کہا تھا؟ میں نے اپنے شوہر کے قتل کا پورا واقعہ سنایا تو آپؐ نے فرمایا: عدت کے خاتمہ تک اپنے مکان ہی میں رہو۔" وہ کہتی ہیں کہ انھوں نے پوری عدت یعنی چار مہینہ اور دس دن وہیں گزارے۔ وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ جب خلیفہ ہوئے تو مجھ سے مذکورہ بالا واقعہ کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے انہیں پورا واقعہ بتایا۔ چنانچہ انہوں نے اسی کی روشنی میں فیصلے کیے۔" [15]

حضرت عثمان بن عفانؓ کا شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے۔ اس دور میں جب کہ صحابہ کثرت سے موجود تھے، اس کے باوجود انھوں نے ایک خاتون سے واقعہ کے بارے میں استفسار کیا اور انھوں نے جو کچھ بتایا اس کی روشنی میں فیصلے کیے۔ اگر خاتون کی روایت معتبر نہ ہوتی تو اس کی بنیاد پر شرعی فیصلے کیسے کیے جاتے؟ اسی طرح جب کبھی کسی روایت کو شرعی احکام کی بنیاد بنانے کے لیے قبول نہ کیا جاتا تو اس کو بنیاد نہ بنایا جاتا۔ اس ضمن میں بھی خاتون ہونے کا کوئی لحاظ نہ کیا جاتا۔ امام شوکانیؒ (م1255) رقم طراز ہیں:

''کسی عالم کے بارے میں نہیں ملتا کہ انھوں نے کسی خاتون کی روایت کو محض اسی بنیاد پر ردّ کر دیا کہ وہ خاتون سے مروی ہے۔ ایسی متعدد سنتیں ہیں جو امّت مسلمہ میں رائج ہیں اور ان کی بنیاد ایک صحابیہ کی روایت ہے۔ جس شخص کو سنت کا معمولی علم ہو وہ بھی اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے۔'' [16]

اس کی ایک مثال حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت ہے۔ خطیب بغدادی راوی ہیں کہ عمر بن خطابؓ حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت پر عامل نہ تھے، ہر چند کہ فاطمہ مسلمان تھیں اور صراط مستقیم پر گامزن تھیں لیکن وہ ان کی بیان کردہ روایت کو قبول نہ کرتے تھے، اس لیے کہ وہ ان کی رائے میں قرآن سے متصادم تھی۔ حضرت عمرؓ کا قول تھا کہ ہم اللہ کی کتاب اور سنت رسول اللہ ﷺ کو ایک خاتون کے الفاظ کی بنیاد پر ترک نہیں کریں گے، بالخصوص جب کہ ہمیں یہ علم نہیں کہ اسے وہ معاملہ پوری طرح یاد ہے کہ نہیں۔'' [17]

حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ سے مروی حدیث کی بنیاد پر فتویٰ دینے سے بجا طور پر اس لیے انکار کیا کہ ان کی روایت نص قرآنی سے متصادم تھی، ہر چند کہ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کی یہ خواہش رہی ہوگی کہ فاطمہ اس روایت کو بیان نہ کریں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے حضرت فاطمہؓ کو اس سے باز نہیں رکھا۔ اس واقعہ سے اس دور کے معاشرہ میں عورتوں کی قوت اور اختیار کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ تصور راسخ تھا کہ مرد یا عورت کسی کو بھی تحصیل علم سے نہ روکا جائے۔ ہر شخص علم دین کی تحصیل اور تفہیم میں آزاد تھا۔ خواہ اس کی رائے خلیفہ حضرت عمرؓ کے موقف کے

برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ غرض یہ کہ خلیفہ عمرؓ کے ردّ اور نص قرآنی سے متصادم ہونے کے باوجود حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت کتب حدیث میں درج ہوتی رہی اور اس پر جرح اور تنقید ہوتی رہی۔[18] علم حدیث کے معاملے میں ایسا احترام تھا کہ صحیح احادیث کو علماء کسی نہ کسی طور پر قرآن مجید سے تطبیق دینے کی سعی کرتے تھے۔

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے مروی حدیث

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے مروی حدیث کا لب لباب یہ ہے کہ مطلقہ عورتوں کو اپنے سابق شوہر سے عدّت کے دوران رہائش اور نان نفقہ کا حق نہیں ہے۔ عدت کے خاتمہ سے قبل مطلقہ عورت دوسری شادی بھی نہیں کرسکتی۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت ہے کہ ان کے شوہر حضرت ابوعمر بن حفصؓ نے انہیں طلاق بائن دی اور اس وقت وہ گھر سے باہر تھے۔ پھر انھوں نے اپنے آدمی کے ذریعہ کچھ جَو حضرت فاطمہؓ کے نان نفقہ کے لیے بھیجا۔ فاطمہؓ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ابوعمرو نے کہا: بخدا تمہارا کوئی حق مجھ پر نہیں ہے۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اور پورا واقعہ گوش گزار کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمہارا نان نفقہ ابوعمرو پر فرض نہیں ہے۔“

حضرت عمر بن خطابؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عائشہؓ اور دیگر فقہاء صحابہ کا موقف تھا کہ مطلقہ عورت کو رہائش اور نان نفقہ پانے کا حق ہوتا ہے، قطع نظر اس کے کہ طلاق وقتی ہو یا بائن اور مطلقہ خاتون حاملہ ہو یا نہیں۔ یہ موقف متاخرین فقہاء کا بھی ہے، مثلاً ابراہیم نخعیؒ، سفیان ثوریؒ، ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ اور اہل کوفہ۔ ان فقہاء کا موقف اس آیت قرآنی پر مبنی ہے: ”اے نبی ﷺ! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے حساب سے طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور اللہ سے، جو تمہارا پروردگار ہے، ڈرتے رہو۔ ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں، الا آنکہ وہ کسی کھلی ہوئی بدکاری کی مرتکب ہوں۔“

”اور ان کو رکھو جس طرح اپنی حیثیت کے مطابق تم رہتے ہو اور کو ضیق میں ڈالنے کے لیے ضرر نہ پہنچاؤ۔ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو تا آنکہ وہ حمل سے فارغ ہو جائیں۔ پس اگر وہ

حدیث کے راوی	کس مجموعہ حدیث میں یہ درج ہے؟	فقہی آراء	کن فقہاء سے یہ رائے منسوب ہے؟	وہ اہم کتب جن میں اس اختلاف رائے کا ذکر ہے۔
عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف، عروہ بن زبیر، عامر شعبی، عبدالرحمن بن عاصم بن ثابت، محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان، ابو بکر بن ابی الجہم بن صخیر العدوی، عبدالحمید بن عبد اللہ بن ابی عمرو بن الحفص، تمیم فاطمہ کے موالی اور اُبَی۔	-البخاری، صحیح، طلاق، باب قصہ فاطمہ بنت قیس۔ -مسلم، صحیح، طلاق، باب المطلقة ثلاثاً لا نفقة لها۔ -ابو داؤد، سنن، طلاق، باب فی نفقات المبتوتة۔ -الترمذی، جامع، نکاح، باب ماجاء فی ان لا یخطب الرجل علی...... -النسائی، سنن، طلاق، باب الرخصة فی خروج المبتوتة من بیتها فی عدتها، باب نفقة البائنة۔ -ابن ماجہ، سنن، طلاق، باب المطلقة ثلاثاً هل لها سكنة و نفقة۔ -الدارمی، سنن، طلاق، فی المطلقة ثلاثاً علیها لا سكنة و لا نفقة لم لا۔ -احمد ابن حنبل، مسند، مسند النساء۔ -ابن ابی شیبہ، مصنف، طلاق، باب من قال اذا طلقها ثلاثاً لیس لها نفقة، باب من رخص للمطلقة عن العدة فی غیر بیتها۔ -سعید بن منصور، سنن، باب ماجاء فی المناکحة -ابو جعفر الطحاوی، شرح معنی الآثار، طلاق، باب المطلقة طلاقاً بائناً ماذا لها علی زوجها فی عدتها۔ -ابن حبان، طلاق، باب العدة۔ -الحاکم، المستدرک، جلد 2، ص 61-62 الدار قطنی، سنن، طلاق	(۱)، مطلقہ عورت کو رہائش اور نان نفقہ کا حق نہیں ہے۔	(۱) یہ ان فقہا کی رائے ہے: عبد اللہ بن عباس، حسن بصری (م 110)، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح (م 114)، عامر شعبی، اسحاق بن راہویہ، احمد بن حنبل (م 241)۔	مالک، موطا، طلاق، باب ما جاء فی نفقات المطلقة۔ الشافعی، الام، ابواب متفرقة فی النکاح و الطلاق وغیرہما۔ ابن القاسم (م 191)، المدونة، طلاق السنة، نفقات المطلقة و سکنها۔ ابن حزم، المحلی، طلاق السرخسی، المبسوط، نکاح، باب النفقة فی الطلاق و الفرقة والزوجية۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، جلد 4، ص 448۔ المرغینانی، الهدایة، طلاق۔ ابن رشد، بدایة المجتهد، باب العدة۔ النووی، المجموع شرح المهذب، جلد 18، ص 164۔ ابن قدامہ، المغنی، طلاق۔ ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، فتاویٰ فی نفقات المعتدة و کسوتها؛ زاد المعاد، جلد 5، ص 42-522۔
		(۲)، مطلقہ خاتون کو رہائش کا حق ہے، نان نفقہ کا نہیں۔	(۲) یہ ان فقہا کی رائے ہے: عبداللہ بن عمر، عروہ بن زبیر، مالک بن انس (م 179)، لیث بن سعد (م 175) اور شافعی (م 204)۔	
		(۳)، مطلقہ خاتون کو رہائش اور نان نفقہ دونوں کا حق حاصل ہے۔	(۳) یہ ان فقہا کی رائے ہے: عمر بن الخطاب، عبداللہ بن مسعود، عائشہ بنت ابی بکر الصدیق، اسامہ بن زید، اسود بن یزید، سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی، ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد بن حسن الشیبانی۔	

نقشہ اول: اختلاف کا حق

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے مروی حدیث کے بارے میں اختلافی فقہی آراء، ان کی رو سے عدت کے زمانے میں شوہر پر مطلقہ عورت کے لیے رہائش اور نان نفقہ فراہم کرنا ضروری نہیں ہے۔

تمہارے بچے کو دودھ پلائیں تو ان کو ان کا معاوضہ دو اور آپس میں دستور کے مطابق ایک قرارداد کرلو۔ اور اگر تم کوئی زحمت محسوس کرو تو اس کے لیے کوئی اور دودھ پلائے گی''۔ (طلاق 65:1,6)

اس کی مزید تائید اور تصدیق فریعہ بنت مالک سے مروی مذکورہ بالا حدیث سے ہوتی ہے جس کے مطابق مطلقہ عورت کو عدت کی مدت اپنے سابق شوہر کے گھر میں بسر کرنا چاہیے۔

بعض صحابہ نے حضرت فاطمہؓ کی اس روایت پر سخت تنقید کی، اس میں حضرت عائشہؓ بھی شامل ہیں۔[19]

حضرت عائشہؓ نے یہ توجیہ کی کہ حضرت فاطمہؓ کے معاملے میں حکم نبوی اس بنا پر تھا کہ ان کو اپنے سابقہ شوہر کے گھر میں اپنے سسرال والوں سے خطرہ تھا۔[20] حضرت سعید بن مسیبؒ رقم طراز ہیں: ''فاطمہ کو اپنے مکان سے اس لیے منتقل کیا گیا کیونکہ ان کا اپنے سسرال والوں سے لڑائی جھگڑا رہتا تھا۔[21]

ان سب نکات کے باوجود بھی حضرت فاطمہ بنت قیسؓ اپنی روایت کے بیان پر مصر رہیں، جس کا کچھ اثر متاخر فقہ پر بھی نظر آتا ہے۔ بعض فقہاء نے حضرت فاطمہؓ کی اس روایت کو قرآن مجید سے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ ان کے مطابق متعلقہ آیت قرآنی وقتی اور مشروط مطلقہ کے لیے ہے، جب کہ حضرت فاطمہؓ سے مروی حدیث کا تعلق اس خاتون سے ہے جس کو طلاق بائن دی گئی ہو۔ یہ رائے حسن بصری، عطا بن ابی رباح، عامر الشعبی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کی ہے۔[22]

بعض فقہاء کا خیال ہے کہ قرآن مجید کی رو سے مطلقہ عورت کو رہائش کا حق حاصل ہے، لیکن حضرت فاطمہؓ سے مروی حدیث کی روشنی میں اس کا نان نفقہ سابق شوہر پر فرض نہیں۔ یہ موقف مالک بن انس، لیث بن سعد اور شافعی رحمہم اللہ کا ہے۔

حضرت فاطمہؓ سے مروی حدیث سے دیگر فقہاء نے مختلف نتائج مستنبط کیے ہیں۔ ان

فقہی آراء کی تلخیص نقشہ اول صفحہ 68 میں درج ہے:

ایک اور مثال: حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث

دوسری مثال کا تعلق رضاعت سے متعلق احکام سے ہے۔ رضاعی ماں کا نکاح اس بچہ سے حرام ہے جس کو اس نے اپنا دودھ پلایا ہو۔ یہ نکاح اسی طرح حرام ہے جس طرح حقیقی ماں سے نکاح حرام ہوتا ہے۔ البتہ رضاعی ماں اور رضاعی بچے کے مابین تعلق کس طرح قائم ہوا؟ اس سلسلے میں احکام میں فرق ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ابو حذیفہ کے غلام سالم ابوحذیفہ کے ہم راہ ان کے گھر میں رہا کرتے تھے۔ ابو حذیفہ کی بیوی، جو سہیل کی بیٹی تھیں، رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اور کہا: سالم بالغ ہوگئے ہیں اور وہ ہمارے گھر میں آتے جاتے ہیں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرے شوہر کو یہ پسند نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: اپنا دودھ سالم کو پلادو، پھر تم اس کے لیے حرام ہو جاؤ گی۔ اور ابو حذیفہ کو بھی اطمینان ہو جائے گا۔ سہیل کی بیٹی کی روایت ہے کہ انھوں نے ایسا کیا اور پھر ان کے شوہر کو سالم کے گھر میں موجودگی پر کوئی اعتراض نہ ہوا۔ [23]

اس حدیث کی بنیاد پر حضرت عائشہؓ کا موقف یہ تھا کہ اگر کوئی عورت کسی کو اپنا دودھ پلادے تو وہ اس کی رضاعی ماں بن جاتی ہے۔ اور اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو رضاعی ماں کا ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی اس روایت کی بعض صحابہ بشمول ازواج مطہرات نے مخالفت کی۔ متاخر علماء بھی اس کے قائل نہیں ہیں۔ مثلاً ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ اور دیگر فقہاء۔ ان کی یہ رائے اس آیت قرآنی پر مبنی ہے: ''اور مائیں اپنے بچوں کو، ان لوگوں کے لیے، پورے دو سال دودھ پلائیں، جو پوری مدت دودھ پلوانا چاہتے ہوں۔ اور بچے والے کے ذمہ بچوں کی ماؤں کا، دستور کے مطابق، کھانا اور کپڑا ہے۔ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ نہ کسی ماں کو اس کے بچے کے سبب نقصان پہنچایا جائے اور نہ کسی باپ کو اس کے بچے کے سبب سے۔ اور اسی طرح کی ذمہ داری وارث پر بھی ہے۔ پھر اگر دونوں باہمی رضامندی اور صلاح سے دودھ چھڑادینا چاہیں تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر تم اپنے بچوں کو کسی اور

سے دودھ پلوانا چاہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ تم ان کو، دستور کے مطابق، وہ ادا کرو جو تم نے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے" (البقرہ 2:233)۔

حضرت عائشہؓ کی اس روایت پر مخالفین نے دیگر متعدد احادیث کا بھی حوالہ دیا ہے۔ مثال کے طور پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: رضاعت کا تعلق بھوک سے ہے۔[24] یعنی رضاعت وہ عمل ہے جس کا اطلاق شیر خوار بچہ پر ہوتا ہے، جو ٹھوس غذا استعمال نہیں کرتا۔ لیکن جب بچہ اس عمر کو پہنچ جائے جب دودھ اس کی بھوک رفع کرنے کے لیے کافی نہ ہو تو اس عمر کے بعد کوئی رضاعی تعلق قائم نہیں ہوتا اور اس کے متعلقہ احکام بھی منطبق نہیں ہوتے۔[25] حضرت ابن مسعودؓ نے بھی اسی کے ہم معنی روایت بیان کی ہے۔[26] حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت بیان کی ہے: "رضاعت کا تعلق اس سے ہے جو آنتوں میں داخل ہوتا ہے۔"[27] حضرت فاطمہ بنت منذر نے حضرت امّ سلمہؓ کی سند پر بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صرف وہ رضاعت شادی کو حرام قرار دیتی ہے جو آنت کا جز بن جائے اور دودھ چھڑانے کی عمر سے قبل ہو۔[28] اس حدیث کا اقتباس دیتے ہوئے ترمذی رقم طراز ہیں: "ان علماء صحابہ کی اکثریت اور دیگر علماء کا یہ موقف ہے کہ رضاعت اس صورت میں مانع ہے جب وہ پیدائش کے دو سال کے اندر ہو۔ دو سال کے بعد کی رضاعت سے کوئی شئے حرام نہیں قرار پاتی۔"

ابو عبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ راوی ہیں کہ ان کی والدہ زینب بنت ابی سلمہؓ نے ان کو مطلع کیا کہ ان کی والدہ امّ المومنین امّ سلمہؓ کہا کرتی تھیں کہ تمام ازواج مطہرات نے رضاعت کی اس شکل کو منع کیا ہے جس کو حضرت عائشہؓ جائز قرار دیتی تھیں اور عائشہؓ کہتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وہ اجازت صرف ابو حذیفہؓ کی بیوی کے لیے مخصوص تھی، کسی اور شخص کے لیے اس نوع کی رضاعت نہیں ہے۔[29]

اس مخالفت کے باوجود حضرت عائشہؓ مذکورہ حدیث بیان کرتی رہیں اور فقہاء نے اس کا ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ ابن ابی مُلیکہ راوی ہیں کہ حاتم بن محمد بن ابی بکر نے

حضرت عائشہؓ سے مروی یہ حدیث ان سے بیان کی کہ وہ اضافہ کرتے ہیں کہ میں نے تقریباً ایک سال اس حدیث کو کسی سے بیان نہیں کیا اور میں اس کی روایت کرنے سے خائف رہتا، پھر میری ملاقات حاتم سے ہوئی اور میں نے ان سے کہا کہ تم نے مجھے ایک حدیث سنائی تھی، جس کی مجھے کسی دوسرے کے سامنے بیان کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ حاتم نے دریافت کیا: وہ کون سی حدیث ہے؟ میں نے جب ان کو مطلع کیا تو انھوں نے کہا: تم میری سند پر اس کو روایت کر سکتے ہو کہ حضرت عائشہؓ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی تھی۔[30]

مذکورہ بالا واقعہ سے تین اہم نکات برآمد ہوتے ہیں:

(۱) صحابہ کے دور میں دین کی تفہیم اور تنفیذ کا جذبہ ہر شئے پر غالب تھا۔ اس دور میں نظریاتی اختلافات نہ تھے، کوئی مسلکی یا سیاسی تفرقہ بازی نہ تھی۔ سب کی اصل وفاداری قرآن وسنت سے تھی، کسی اور سے نہ تھی۔ لہٰذا بغیر تفرقہ کے وہ آپس میں اختلاف کرتے۔ مخصوص معاملات میں ایک دوسرے سے اتفاق نہ کرتے، لیکن اس اختلاف رائے کے باوجود ان کے باہمی تعلقات، اتحاد اور اتفاق پر کوئی اثر نہ پڑتا۔

(۲) جہاں تک احادیث کی تفہیم اور تنفیذ کا تعلق تھا تو اس میں تمام تر اہمیت راوی کے علم وفضل کی ہوتی۔ اس میں راوی کے مرد یا عورت ہونے کو مطلق ملحوظ نہ رکھا جاتا تھا۔ اگر کسی معاملہ میں عمومی طور پر اجماع منعقد ہو جاتا تو یہ کسی پدری جذبہ یا عصبیت کی بنیاد پر نہیں ہوتا۔ تاریخی شہادت اس کی بالکل تائید نہیں کرتی کہ عالم وفاضل صحابہ، تابعین فقہاء، ائمہ کرام قرآن مجید وسنت کی تشریح اور تعبیر میں شعوری یا غیر شعوری طور پر کسی سیاسی، سماجی یا صنفی مفاد سے وابستہ تھے۔

(۳) جس بنیاد پر فیصلہ لیے جاتے اور ہدایات دی جاتیں وہ عوامی طور پر سب کے پیش نظر ہوتا۔ ہر ایک سے یہ توقع کی جاتی کہ وہ روایات کو برسر عام پیش کرے گا۔ کچھ صحابہ یقیناً دوسروں پر اوّلیت رکھتے تھے، کچھ کو قوت واختیار حاصل تھا، وہ بھی اس بنا پر کہ وہ نسبی یا سسرالی رشتے کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ سے قریب تر تھے، لیکن اس کے باوجود وہ ان روایات

کے بیان یا ان کی تشریحات کو روکنے پر قادر نہ تھے جن سے وہ اختلاف کرتے تھے۔قوت واختیار کوئی پُر اسرار یا کرشمائی شئے نہ تھی۔اس کا براہ راست تعلق صفاتِ عالیہ سے تھا، علم وفضل کی گیرائی اور گہرائی، فہم وذکاوت، ایمان کی پختگی اور ایمان کی سالمیت سے تھا۔

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ امر بالکل عیاں ہے کہ مسلمان علماء نے تمام مواد کو محفوظ رکھا اور یہ صراحت بھی کی کہ کس نے کس سے کیا ترسیل کی؟ کون کس تشریح کا قائل تھا؟ اور کون اس کا مخالف؟ اور اس کی مخالفت کے اسباب کیا تھے؟ اگلے ابواب میں ہم امت کی ایسی خواتین کا تذکرہ کریں گے جو ان علمی سرگرمیوں میں پیش پیش تھیں۔

حواشی:

1۔ شیخ سعید رمضان البوطی نیویارک اسٹاک ایکسچینج کے اپنے دورے کی بابت لکھتے ہیں: ''میں نے وہاں مجمع دیکھا اور سوچ رہا تھا کہ یہاں اتنا شور وغل کیوں ہے؟ مجھے یہ بھی تجسس تھا کہ مردوں کی اس سرگرمی میں کوئی خاتون کیوں شامل نہ تھی۔ وہاں مجھے ایک بھی خاتون نظر نہیں آئی۔'' (**المرأة بين طغيان النظام الغربي و لطائف التشريع الربّاني**، ص 149)۔

2۔ ابن قیّم الجوزیہ (م 751)، **الطرق الحكميّة**، ص 152۔

3۔ ایضاً ص 55-145؛ البوطی، **المرأة**، ص 53-147۔

4۔ ابوالولید الباجی (م 474)، **أحكام الفصول في أحكام الاصول**، جلد 1، ص 364۔

5۔ القرافی، **الفروق**، جلد 1، ص 76-74۔

6۔ ''امّ المومنین'' یہ لقب نبی اکرمؐ کی ازواج مطہرات کے لیے مخصوص تھا۔

7۔ ملاّ عبدالعلی الانصاری (م 1225)، **فواتح الرحموت** (اس کی تشریح محبّ

اللہ بن عبدالشکور (م1119) نے مسلم الثبوت میں امام الغزالی کے المستصفیٰ کے حاشیے کے ساتھ کی ہے)، جلد 1، ص 144۔

8۔ خطیب البغدادی، الکفایة، ص 94۔ (محمد بن عبیدہ المالکی نے یہاں تحریر کیا ہے کہ یہ رائے قاضی ابوبکر محمد بن الطیّب کی ہے)

9۔ البخاری، صحیح، تفسیر، باب وانذر عشیرتک الاقربین۔

10۔ ابن الصلاح، المقدمة، 15، ص 27-26۔ اسی طرح کے دلائل دیگر ماہرین حدیث کی تصانیف میں بھی ملتے ہیں۔ مثلاً نووی (م676)، التقریب مع اس کی شرح التدریب، جلد 1، ص 301-300۔

ابن رشیق المالکی (م632) نے واحد راوی کی روایت کے قابل قبول ہونے پر بحث کی ہے۔ ایسے قابل قبول راویوں میں تین صحابیات کے نام بھی ملتے ہیں (تفصیل کے لیے دیکھیے لباب المحصول فی علم الاصول، جلد 1، ص 356)۔ ان کے بقول صحابہ اور تابعین واحد راوی کی روایت کو معتبر سمجھتے تھے، مثلاً ان راویوں کی روایات کو جیسے حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، امّ سلمہؓ، ابوہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوبکر، حضرت عثمان اور دیگر متعدد راوی۔''

خطیب البغدادی نے قابل قبول راوی کی صفات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان کے بقول صدر اول کے علماء نے خواتین کی بیان کردہ روایات کو قبول کیا ہے۔ (الکفایة، ص 17-16 اور 77-52)

11۔ الحاکم، معرفة علوم الحدیث، ص 69۔ اس کا سلسلۂ روایت یہ ہے: فقیہ ابوبکر احمد بن سلمان، جعفر بن ابی عثمان الطیالسی سے اور وہ یحیی بن معین سے۔

12۔ خطیب البغدادی، الکفایة، ص 174۔ البتہ اپنے اساتذہ کے تتبع میں احمد بن سعید الدارمی (م253) نے ان تینوں میں سے پہلے سلسلۂ روایت کو ترجیح دی ہے (دیکھیے

خطیب البغدادی، الجامع لأخلاق الراوی و آداب السامع)۔

13۔ الحاکم، معرفة علوم الحدیث، ص68۔

14۔ خطیب البغدادی، الکفایة، ص24-23۔

15۔ ابوداؤد(م275)، سنن، طلاق، باب فی المتوفی عنها تنتقل۔

16۔ الشوکانی، نیل الاوطار، جلد8، ص22۔

17۔ خطیب البغدادی، الکفایة، ص83۔؛ اور دیکھیں الترمذی، جامع، طلاق، باب ما جاء فی المطلّقة ثلاثاً لا سکنی لها و لا نفقة۔ مشہور کوفی فقیہ مغیرہ کا قول ہے: ''میں نے حضرت فاطمہؓ کی حدیث کا ذکر ابراہیم نخعی سے کیا تو انھوں نے کہا اس بارے میں حضرت عمرؓ کا قول یہ تھا: ''ہم کتاب اللہ اور اپنے رسول کی سنت کو ایک خاتون کی روایت کی بنا پر ترک نہیں کریں گے۔ معلوم نہیں اس خاتون کو یہ روایت صحیح یاد ہے یا اس کا کوئی متعلقہ جزو اس کے ذہن سے محو ہو گیا۔''

18۔ حضرت فاطمہؓ کی احادیث کو جن محدثین نے اپنی کتابوں میں شامل کیا ہے وہ یہ ہیں: مالک، مؤطا، طلاق، باب ما جاء فی نفقة المطلقة؛ مسلم، صحیح، طلاق، باب المطلّقه ثلاثاً لا نفقه لها ،؛ ابوداؤد، سنن، طلاق، باب فی نفقة المبتوته ،؛ الترمذی جامع ، نکاح، باب ما جاء فی أن لا یخاطب الرجل علی خطبة أخیه، باب الرخصة فی خروج المبتوتة من بیتها فی عدّتها ، باب نفقة البائنة : ابن ماجہ، سنن، طلاق، باب المطلّقة ثلاثاً هل لها سکنی و نفقة ، ابن حنبل، مسند، مسند النساء، ؛ ابن ابی شیبہ، مصنّف، طلاق، باب من قال اذا طلّقها ثلاثاً لیس لها نفقة، سعید بن منصور، سنن، باب ما جاء فی المناکحة، الطحاوی، شرح معانی الآثار ، جلد3، ص73-64، اور دیگر مختلف سلسلۂ روایت کے ساتھ۔

19۔ قاسم حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں: فاطمہؓ کو کیا ہوا؟ کیا اس حدیث کو بیان کرنے میں وہ اللہ سے نہیں ڈرتی ہیں؟ البخاری، صحیح، طلاق، باب ، من أنکر ذلک علی فاطمة ؛ مسلم، صحیح، طلاق، باب المطلّقه ثلاثاً لا نفقه لها ،؛ دیکھیں

الطحاوی، شرح معانی الآثار، جلد3، ص68۔

20۔ ابوداؤد، سنن، طلاق، باب من أنکر ذلک علی فاطمۃ۔

21۔ ایضاً؛ البیہقی، سنن، نفقات، باب المبتوتۃ لا نفقۃ لھا۔

22۔ الترمذی، جامع، طلاق، باب ما جاء فی المطلّقہ ثلاثاً لا سکنی لھا ولا نفقۃ۔ ھشیم اسماعیل بن ابی خالد سے بیان کرتے ہیں (عون المعبود نے سنن ابوداؤد کی حدیث پر تنقید کی ہے) کہ شعبی نے حضرت عمرؓ کے اس قول کے بارے میں کہ فاطمہؓ کو یاد رہا یا ان کے ذہن سے محو ہوگیا، وہ معاملے کی تفہیم میں معاون ہے۔ ایک قریشی خاتون، جو اپنی ذہانت اور عقل مندی کے لیے معروف ہو، اس کے ذہن سے وہ بات کیسے محو ہوسکتی ہے جو کہ خود اس کے مفاد میں ہو''؟

23۔ مسلم، صحیح، رضاع، باب رضاعۃ الکبیر۔

24۔ البخاری، صحیح، نکاح، باب من قال : لا رضاعہ بعد حولین ؛ مسلم، صحیح، رضاع، باب انّما الرضاعۃ من المجاعۃ۔

25۔ البغوی (م494)، شرح السنّۃ، جلد5، ص65۔

26۔ ابوداؤد، سنن، نکاح، باب فی رضاعۃ الکبیر۔

27۔ ابن ماجہ، سنن، نکاح، باب لا رضاعۃ بعد فصال۔

28۔ الترمذی، جامع، رضاع، باب ما ذکر أنّ الرضاعۃ لا تحرّم الّا فی الصغر دون الحولین۔

29۔ مسلم، صحیح، رضاع، باب رضاعۃ الکبیر۔

30۔ ایضاً۔

باب دوم

خواتین بہ حیثیت طالبات حدیث

گزشتہ سطور سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ شریعت نے خواتین کے علم حاصل کرنے اور اسلام پر عمل پیرا ہونے پر کوئی قدغن نہیں لگائی ہے۔ اس کے برعکس اسلام کے بموجب یہ خواتین کا فرض ہے کہ وہ زیورِ علم سے آراستہ ہوں۔ مردوں کی طرح خواتین پر بھی طلبِ علم کا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ شریعت اپنے حلال وحرام کے قوانین کے ذریعہ افراد کی صرف تعلیم وتربیت کرسکتی ہے، شرعی احکام کی موجودگی سے مطلوبہ نتائج کا برآمد ہونا یقینی نہیں ہے۔ ان کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ معاشرہ میں ایسا ماحول ہو جس میں شرعی احکام پر کاربند ہونا آسان اور خوش گوار ہو۔ اس باب کے آغاز میں اس نکتے کو نمایاں کیا گیا ہے کہ ابتداء ہی سے اسلام نے خواتین کی ہمت افزائی کی کہ وہ علم دین حاصل کریں اور ابتدائی دور میں اس پر عمل بھی ہوا۔ خلفاء، دیگر حکمراں، علماء اور صاحب اقتدار خواتین وحضرات اس پر کاربند رہے۔ خواتین کے طلب علم سے شغف کے نتیجہ میں علم کا فروغ ہوا۔ ان کے تحصیل علم کی راہ ہموار ہوئی۔ وہ اپنی فطری حیا اور جھجک پر قابو پانے میں کام یاب ہوئیں۔ اس باب کے دوسرے حصہ میں ہم ان وسائل اور طریقوں کا ذکر کریں گے جو علم دین کی تحصیل میں خواتین نے اختیار کیے، بالخصوص کس طرح خواتین نے تحفیظ حدیث اور کتابتِ حدیث کا فریضہ انجام دیا۔

خواتین کو تعلیم یافتہ بنانے کا رجحان

درس وتدریس: ایک فریضہ

حضور اکرمؐ کی بعثت کا بنیادی مقصد محض شرعی احکام کی ترسیل اور حکمرانی نہ تھا، بلکہ آپؐ اصلاً معلّم دین تھے۔ احکام اور حکمرانی ان کے معلّم دین کے کردار کی ادائیگی میں ممد ومعاون

ثابت ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ''اُسی نے اٹھایا ہے امیوں میں ایک رسول، انہی میں سے جوان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور بے شک یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔'' (سورہ الجمعۃ 62:2)

حضور اکرمؐ اور ازواج مطہرات کو اسلامی طرز زندگی اختیار کرنے میں بڑی قربانی اور ایثار سے کام لینا پڑا۔ قرآن مجید میں لطیف پیرایہ میں ازواج مطہرات کی پریشانی برداشت کرنے میں فطری تکالیف کا ذکر ہے: ''اے نبیؐ! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینتوں کی طالب ہو تو آؤ، میں تمہیں دے دلا کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کی طالب ہو تو اطمینان رکھو کہ اللہ نے تم میں سے خوبی کے ساتھ نباہ کرنے والیوں کے لیے ایک اجر عظیم تیار کر رکھا ہے'' (الاحزاب 33:29-28)۔

ازواج مطہرات جن مصائب سے دوچار ہوئیں اس کے عوض وہ کچھ سہولتوں کی خواہش مند تھیں۔ اس پس منظر میں ازواج مطہرات کو یہ انتخاب کا حق دیا گیا کہ وہ آپؐ کے ساتھ دشواریوں سے پُر زندگی بسر کریں اور اس کے صلے میں آخرت کے ابدی انعامات سے سرفراز ہوں، یا پھر وہ متاع دنیا لے کر رسول اکرم ﷺ سے علیحدگی اختیار کرلیں۔ حضرت جابرؓ کی روایت کے مطابق آپؐ نے یہ پیش کش سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے سامنے رکھی اور ان کو یہ مشورہ دیا کہ وہ جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہ کریں، بلکہ اپنے والدین سے بھی صلاح و مشورہ کرلیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ''یا رسول اللہ! کیا میں آپؐ کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی؟ میری ترجیح تمام تر اللہ، اس کا رسولؐ اور آخرت ہے۔ آپؐ دیگر ازواج مطہرات کو میرے اس فیصلہ کے بارے میں کچھ نہ بتائیں۔'' آپؐ نے فرمایا: ان میں سے کوئی بھی اگر مجھ سے اس بارے میں دریافت کرے گا تو میں اس کو ضرور مطلع کروں گا۔ اللہ نے مجھے دوسروں کو دشواری اور تنگی میں مبتلا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا ہے، بلکہ مجھے معلّم کے طور پر مبعوث کیا ہے اور میرا فرض ہے کہ میں لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنے والا بنوں۔'' [1]

ہمیں علم نہیں کہ اس قول کے پیش نظر حضرت عائشہؓ کے ذہن میں کیا تھا؟ لیکن ہمیں رسول اکرم ﷺ کے طرزِ عمل کے بارے میں یقینی طور پر علم ہے کہ آپؐ نے حضرت عائشہؓ کی بات ماننے سے انکار کر دیا کیوں کہ بطور معلّمِ انسانیت یہ آپؐ کا فرض تھا کہ لوگوں کی رہنمائی کریں کہ کون سا راستہ ان کے حق میں بہتر ہے؟

بچوں کی تعلیم وتربیت

تعلیم کا اوّلین مرحلہ بچوں کی تعلیم و تربیت ہے۔ مؤثر تعلیم فراہم کرنے کی لازمی شرط یہ ہے کہ بچوں سے محبت کی جائے، ان کا اکرام کیا جائے۔ بچوں میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں۔ صدیوں پر محیط رویّوں اور ذہنی سانچوں کو تبدیل کرنے میں خاصی کوشش اور محنت صرف ہوئی۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اللہ کی نظر میں تمہارے لیے تین چیزیں ناپسندیدہ ہیں: ماں کی نافرمانی، لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا اور صرف لینے کا عادی ہونا اور کچھ دینے سے احتراز کرنا'' [2]۔ ایک ممتاز صحابی اور خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ کے صاحب زادے عبداللہ بن عمرؓ نے ایک شخص کو اس تمنا کا اظہار کرتے ہوئے سنا کہ اس کی بیٹیاں مرجائیں، کیوں کہ وہ ان کو ایک معاشی بوجھ سمجھتا تھا۔ حضرت ابن عمرؓ کو اس پر غصہ آیا اور کہا: ''کیا تم ان کو رزق دیتے ہو؟'' [3] حضرت عقبہ بن عامرؓ (م اندازاً 60) روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''لڑکیوں سے احتراز نہ کرو۔ یہ تمہارے قلبی سکون کا بیش قیمت خزانہ ہیں۔'' [4] حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کی اپنی بیٹیوں کے باعث کوئی آزمائش ہوئی، یہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے نجات کا باعث ہوگا۔'' [5] حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص دو لڑکیوں کی ان کی بلوغت تک پرورش کرتا ہے، وہ اور میں ایک دوسرے سے اتنے قریب ہوں گے۔ یہ ارشاد فرماتے ہوئے آپؐ نے اپنی دو انگلیوں کو ایک دوسرے سے ملایا، جس سے قربت کا اندازہ ہو۔'' [6] حضرت ابوسعید خدریؓ (م 63ھ) راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بہنیں، یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں، اور وہ ان کے حق میں صاحب خیر ہے اور ان کے بارے میں خوفِ خدا رکھتا ہے، اس کے لیے جنت یقینی ہے۔'' [7] رسول اکرم ﷺ کی یہ

تعلیمات ملت اسلامیہ کے ذہن نشین رہیں: ایک عظیم محدث اور فقیہ کے صاحب زادے صالح بن احمد کہتے ہیں: ''جب کبھی میرے والد احمد بن حنبل کے یہاں بیٹی کی پیدائش ہوتی تو وہ کہتے کہ انبیاء کرام بیٹیوں کے والد تھے اور وہ یہ اضافہ بھی کرتے کہ احادیث میں متعین طور پر بیٹیوں کے بارے میں ثواب مذکور ہے۔'' [8]

سنت میں بالالتزام اس کا ذکر ہے کہ بیٹے اور بیٹیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ البزار (م 292ھ) سے حضرت انس بن مالکؓ کی یہ روایت منقول ہے کہ آں حضرتؐ کی صحبت میں ایک شخص موجود تھا۔ اس کا بیٹا آیا تو اس نے اسے بوسہ دیا اور اس کو اپنی گود میں بٹھالیا، پھر اس کی بیٹی آئی تو اس نے اس کو اپنے سامنے بٹھایا۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کو تنبیہ کی کہ تم نے دونوں کے ساتھ یکساں سلوک کیوں نہ کیا؟'' [9]

رسول اکرم ﷺ نے اس نکتہ پر بہت زور دیا کہ بچپن ہی سے بچوں کے دل میں دین کی محبت جاگزیں کی جائے۔ اس کا عملی مظاہرہ آپؐ نے اس طور پر کیا کہ آپؐ بچوں کو اپنے سے مانوس کرتے، ان کے ساتھ کھیلتے اور دینی معاملات میں ان کے ساتھ گفتگو کرتے۔ اپنے نواسوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے ان کی بے پایاں محبت اور شفقت کا تذکرہ احادیث میں ملتا ہے، حتیٰ کہ جب آپؐ نماز پڑھتے تو بھی ان دونوں بچوں کو اپنے نزدیک رکھتے۔ یہ احادیث معروف ہیں، اس لیے اس ضمن میں یہ مناسب ہوگا کہ ہم ان احادیث کا تذکرہ کریں جن میں لڑکیوں سے فرط تعلق اور محبت وشفقت کی تعلیم ملتی ہے۔

حضرت خالد بن سعید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، جنھوں نے امّ خالد بنت خالدؓ بن سعید سے نقل کیا ہے کہ امّ خالد، جو کچھ عرصہ حبش میں مقیم رہی تھیں، کہتی ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی۔ میں زرد لباس پہنے ہوئے تھی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی آپؐ نے فرمایا: ''سنہ سنہ''، جس کے معنیٰ حبشی زبان میں 'بہت خوب' کے ہیں۔ وہ مزید کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے شانے پر مہر نبوت سے کھیلنے لگی۔ میرے والد نے مجھے اس حرکت پر ٹوکا، لیکن رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اسے کرنے دو۔ پھر آپؐ نے میرے لباس کی سلامتی کے لیے دعا کی اور واقعی یہ لباس میرے پاس بہت عرصہ تک رہا۔'' [10]

ابو قتادہؓ (م 54) راوی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دَر کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ اپنی نواسی امامہ بنت ابی العاص بن الربیع یعنی اپنی صاحب زادی زینب کی بیٹی کے ہمراہ برآمد ہوئے۔ امامہ اس وقت بچّی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز اس حال میں ادا کی کہ امامہ آپ کے شانے پر تھی۔ جب بھی آپ رکوع اور سجدہ ادا کرتے تو اُسے زمین پر بٹھا دیتے۔ اٹھتے تو پھر اسے اپنے شانے پر بٹھا لیتے۔ آپ کا یہ عمل نماز کے اختتام تک جاری رہا۔'' [11]

حضور اکرم ﷺ نے عورتوں کو اس سے منع نہ کیا کہ وہ اپنے بچوں اور شیر خوار نومولود کو مسجد لائیں۔ اس کے برعکس ان خواتین کی موجودگی معمول تھی اور آپ بچوں اور ان کی ماؤں کی ضروریات کے خیال سے نماز مختصر کر دیا کرتے تھے۔ ثابت البنانی حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نماز کے دوران جب رسول اللہ ﷺ کسی بچے کی چیخ و پکار سنتے جو اپنی ماں کے ہمراہ ہوتا تو آپؐ مختصر سورہ کی تلاوت کرتے۔ قتادہ (م 118) نے حضرت انسؓ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''میں طویل نماز کے ارادہ سے آغاز کرتا ہوں، مگر جب مجھے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو اس کی ماں کی خاطر نماز مختصر کر دیتا ہوں، تا کہ وہ اس کی نگہداشت کر سکے۔'' [12]

بچوں کو سنّت کی تعلیم

اوائلِ عمر سے والدین بچوں کی تربیت اس طور پر کرتے تھے کہ وہ سنت پر کاربند ہو جائیں۔ خالد بن ذکوان (تابعی) حضرت ربیع بنت معوّذ (م اندازاً 70) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے یومِ عاشورہ کی صبح اپنا ایک ایلچی انصار کے محلّہ میں اس پیغام کے ساتھ روانہ کیا کہ جس شخص نے روزہ نہ رکھا ہو وہ نہ رکھے اور جس نے روزہ رکھ لیا ہو وہ اسے مکمل کرے۔ وہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد سے ہم یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور اپنے بچوں کو بھی اس دن روزہ رکھواتے تھے۔ جب بچے کھانے کا مطالبہ کرتے تو ان کو بہلانے کے لیے کھلونے دے دیتے، تا کہ وہ افطار کے وقت تک اسی میں مشغول رہیں۔'' یومِ عاشورہ کا روزہ فرض نہیں تھا، لیکن ان اوّلین مسلمانوں کا یہ وطیرہ تھا کہ وہ اپنے بچوں کی ہمت افزائی کرتے کہ وہ اس دن

بھی روزہ رکھیں اور سرفراز ہوں۔ جہاں تک رمضان کے فرض روزوں کا تعلق ہے، بچے اسے پابندی سے رکھتے۔ ایک شخص سے، جو رمضان میں روزہ سے نہیں تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: تمہارے حال پر افسوس ہے کہ ہمارے بچے تک روزہ رکھے ہوئے ہیں۔" [13]

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "باپ کے لیے بہتر ہے کہ وہ اپنے بچے کو بہترین اخلاق و عادات سے آراستہ کرے بہ نسبت اس کے کہ اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات کرے۔" [14]

بچوں کو نظم و ضبط کا عادی بنانا ان کے حق میں بہتر ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ بچہ راہ حق پر چلنے اور عمل صالح کرنے پر قادر ہو۔ اگر والدین یہ سبق سکھانے کے لیے سخت الفاظ یا مار پیٹ کریں گے تو اس سے بچہ کو تکلیف پہنچے گی اور اس میں غم وغصہ کے جذبات پیدا ہوں گے۔ مشہور فقیہ کاسانی (م 587) رقم طراز ہیں کہ تعلیم آداب اور اخلاق کے دوران بچے کو ڈانٹا ڈپٹا جائے، مگر اس کو سزا نہ دی جائے۔ یہ ادب اور اخلاق کا تقاضا ہے کہ ڈانٹنے کی اجازت دی گئی ہے۔ کیا لوگ رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان پر غور نہیں کرتے: "جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں (اور نماز نہ پڑھیں) تو ان کی پٹائی کرو۔" [15]

خواتین اور لڑکیوں کو مجالسِ علم میں شرکت کی ترغیب

رسول اکرم ﷺ نے لڑکیوں اور خواتین کو حکم دیا کہ وہ ایسی مجالس میں شریک ہوں جہاں علم دین کی تعلیم دی جاتی ہو۔ ان میں حائضہ خواتین بھی شامل ہیں۔ آپؐ نے اس ضمن میں ایک عورت کے اس عذر کو قبول نہیں کیا کہ اس کے پاس پہننے کے لیے جلباب نہ تھا۔ حضرت امّ عطیہ انصاریہؓ روایت کرتی ہیں: "رسول اکرم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے مواقع پر ہم بچیوں، خواتین بشمول حائضہ خواتین کو عید گاہ لائیں۔ حائضہ خواتین کو نماز کی رخصت تھی، لیکن وہ اس کار خیر اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہوتیں۔ میں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! اگر کسی کے پاس جلباب نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپؐ نے فرمایا: اس کی بہن اسے عاریۃً دے دے"۔ [16] رسول اکرم ﷺ کے عم زاد حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے

ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا ازواجِ مطہرات اور صاحب زادیوں کے لیے یہ حکم تھا کہ وہ عیدین پر جمع ہوں۔ ان خواتین کو رسول اکرم ﷺ سے براہ راست تعلیم و تربیت کے وافر مواقع حاصل تھے۔ اس کے باوصف آپ ؐ نے ان کو یہ حکم دیا، تاکہ آپ ؐ کی سنت کا نفاذ آپ ؐ کے اہل خانہ پر بھی ہو، یہی رسول اکرم ؐ کا طریق تعلیم تھا۔

خواتین کے استفسارات کا جواب دینا ایک فریضہ ہے

جو معلّم رسول اکرم ﷺ کی روشن مثال پر عمل پیرا ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ استفسارات کو بغور سنے اور سائل کا جواب تشفی بخش انداز میں دے۔ حضرت انس بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں کہ ذہنی طور پر معذور ایک عورت رسول اکرم ﷺ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کرنے کی خواہاں تھی اور وہ اس کو تنہائی میں پیش کرنا چاہتی تھی۔ حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا: ''امّ فلاں وفلاں! مجھے اس سڑک کا پتہ بتاؤ جو تمہارے لیے مناسب ہے، تاکہ میں وہاں پہنچ کر تمہاری بات کا جواب دوں۔'' [17]۔ آپ ؐ نے اس کے مسئلہ کو ایک ایسے عوامی مقام پر حل کیا جہاں تنہائی بھی تھی۔ [18] اس حدیث پر نووی ؒ (م 676) کا یہ تبصرہ لائق مطالعہ ہے: ''اس حدیث سے رسول اکرم ﷺ کے انکسار اور فروتنی کا علم ہوتا ہے۔ آپ کو ذہنی طور پر معذور ایک خاتون سے گفتگو کرنے، اس کے سوال کا جواب دینے اور اس کا مسئلہ حل کرنے میں کوئی عار نہ تھا، بلکہ آپ نے اس کی تنہائی کی شرط بھی پوری کی۔ آپ ؐ نے یہ شرط اس طور پر پوری کی کہ نامحرم خاتون سے مکمل خلوت میں بھی گفتگو نہ کی، بلکہ ایک شاہ راہِ عام پر اس طرح گفتگو کی کہ راہ گیر آپ کو اور اس خاتون کو دیکھ سکتے تھے، لیکن ان کی گفتگو سننے پر قادر نہ تھے۔ وہ عورت ایسے معاملہ کے بارے میں گفتگو کرنے کی خواہاں تھی جس کو وہ عام نہیں کرنا چاہتی تھی۔'' [19]

مرد حضرات اور خواتین دونوں بالعموم مسجد نبوی میں اور دیگر مقامات پر رسول اللہ ﷺ کی تربیتی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث کے راوی مرد بھی ہیں اور خواتین بھی۔ دونوں نے یکساں احادیث کی روایت کی ہے۔ البتہ بعض مجالس میں جہاں مرد موجود

ہوتے، خواتین کو اپنے مخصوص مسائل دریافت کرنے میں حیا آتی۔ ان معاملات پر گفتگو کے لیے وہ رسول اللہ ﷺ کے مکان پر حاضر ہوتیں۔ ان کے استفسارات کے جواب کے لیے آپؐ سے درخواست کی گئی کہ ہفتہ میں ایک دن خواتین کے لیے مخصوص کر دیں۔ حضرت ابو سعید الخدریؓ روایت کرتے ہیں: ''خواتین نے رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ ہفتہ میں ایک دن ان کے لیے متعین کیا جائے۔ آپؐ نے وعدہ فرمایا۔ اس دن آپؐ خواتین سے ملاقات کرتے، ان کو تبلیغ کرتے اور ان کی تعلیم و تربیت بھی کرتے۔'' [20]

بعض اوقات رسول اکرم ﷺ کسی حکم یا مسئلہ کی توضیح کے لیے مثال بیان کرتے، تاکہ سامعین اس حکم کے پس پشت حکمت کو بہتر طور پر سمجھ جائیں۔ مثال کے طور پر حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک خاتون رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: ''میری والدہ نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ حج کریں گی، لیکن اس سے قبل ان کا انتقال ہو گیا۔ کیا ان کے بدلے مجھے حج کرنا چاہیے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ فرض کرو، تمہاری والدہ کے ذمّے کوئی قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا نہ کرتیں؟ اسی طرح اللہ کا قرض ادا کر دو۔ اللہ کے لیے واجب الادا قرض کی ادائیگی کی سب سے پہلے فکر کرنی چاہیے۔'' [21]

بعض مسائل کے بارے میں لوگ کھل کر بات کرنے سے کتراتے تھے، رسول اکرم ﷺ ایسا بلیغ پیرایہ اختیار کرتے کہ ہوش مند سامعین آپؐ کا مفہوم بخوبی سمجھ لیتے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ حضرت اسماء بنت شکلؓ نے حیض کے خاتمہ پر پاکی کے غسل کے بارے میں دریافت کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے جواب دیا: خاتون کو چاہیے کہ وہ پانی اور بیر کی پتیاں استعمال کرے اور اپنے آپ کو خوب پاک صاف کرے اور اپنے سر پر پانی ڈالے اور سر کو زور زور سے ملے، تاکہ پانی بالوں کی جڑ تک پہنچ جائے، پھر اپنے بدن پر پانی ڈالے اور مشک سے معطّر کپڑے کے ٹکڑے سے اپنے آپ کو پاک صاف کرے۔ حضرت اسماءؓ نے دریافت کیا: کیسے پاک صاف کرے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ [22] تم اس کپڑے کے ٹکڑے سے صفائی کرو۔ پھر حضرت عائشہؓ نے حضرت اسماءؓ سے دبی زبان میں بتایا کہ خون کے دھبّے دور کرو۔'' [23]

نبوت کے خاتمہ کے بعد علماء نے قرآن وحکمت کی تعلیم کا فریضہ انجام دیا، کیوں کہ علم کے بغیر اطاعتِ خداوندی ممکن نہیں۔ ان علماء نے حکمرانوں پر زور دیا کہ خواتین کی تعلیم کے لیے کچھ دن متعین کر دیے جائیں۔ان کے اس اصرار کے پس پشت ابن جریج کی یہ روایت تھی جو عطا سے منقول ہے: ”حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی۔ ابتدا نماز سے کی، خطبہ بعد میں دیا۔ خطبہ کے اختتام پر آپؐ خواتین کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت آپ حضرت بلالؓ کے ہاتھ کا سہارا لیے ہوئے تھے۔ آپؐ نے خواتین کو دین کی کچھ باتیں بتائیں اور تذکیر کی۔ ابن جریج نے عطا سے دریافت کیا: کیا آپ کے خیال میں یہ امام کا فریضہ ہے کہ وہ خواتین کو تبلیغ وتذکیر کرے۔ عطا نے جواب دیا: یقیناً یہ امام پر لازم ہے۔ وہ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے۔“ [24] ان کی مراد یہ تھی کہ خواتین میں تبلیغ وتذکیر رسول اللہ ﷺ تک محدود نہیں۔

متقی مسلمانوں میں سنت پر کاربند رہنے کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ اسی محرک کے تحت وہ خواتین کی تعلیم کے لیے بھی کوشاں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواتین نے مردوں کی مانند علم حدیث کی روایت اور تفسیر کا فریضہ انجام دیا۔ متعدد خواتین نے دیگر خواتین کو صراط مستقیم پر چلنے کی تلقین کی۔ ان کو کارہائے خیر پر مائل کیا اور برائی اور گناہ سے ان کو بچائے رکھا۔ اطاعت خداوندی کا بہترین مظہر حصول علم ہے۔ معروف عالمہ امّ الدرداءؓ کا قول ہے: ”میں نے عبادت کے تمام طریقے اپنائے، لیکن علماء کی صحبت اور ان سے حصولِ علم سے زیادہ تشفی بخش طریقۂ عبادت میری نظر میں کوئی اور نہیں۔“ [25]

ابن الحاج (م 737ھ) نے اس نکتے کو واضح کیا ہے کہ والدین اور سرپرست اپنے زیرنگرانی بچوں کی تعلیم وتربیت کا فرض کیسے انجام دیں؟ وہ رقم طراز ہیں: ”عالم کو اس کام کے لیے وقت نکالنا چاہیے کہ وہ لوگوں یعنی چھوٹوں، بڑوں، مردوں، عورتوں، سب کو احکام دین سکھائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (انھوں نے سورہ الاحزاب کی آیت 35 کی تلاوت کی) ”اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں، ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں، فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں، راست باز

مرد اور راست باز عورتیں، ثابت قدمی دکھانے والے مرد اور ثابت قدمی دکھانے والی عورتیں، فروتنی اختیار کرنے والے مرد اور فروتنی اختیار کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد رکھنے والے مرد اور اللہ کو کثرت سے یاد رکھنے والی عورتیں، ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔'' [الاحزاب 35-33]

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''خواتین مردوں کا تکملہ ہیں''۔ اخلاق و آداب کے لحاظ سے شوہر اور بیوی، مرد و عورت اور غلام و کنیز سب برابر ہیں۔ اصحابِ سلف اس راہ پر سختی سے گامزن رہے۔ آپ دیکھیں گے کہ خیر کے زیادہ تر معاملات میں ان کے بچّے اور ان کے کنیز و غلام سب برابر کے شریک تھے اور مذکورہ بالا آیت کے مصداق تھے [26]۔

تذکروں اور دیگر مآخذ میں ایسی متعدد خواتین کی مثالیں ملتی ہیں جن کے والد نے ان کو علم حدیث اور دیگر موضوعات سے بہرہ ور کیا۔ صحابۂ کرام اور تابعین عظام اس معاملے میں بہت فعّال تھے۔ تابعین میں حضرت سعید بن المسیّب کی یہ روشن مثال ہے کہ آپؒ نے اپنی تمام احادیث کی سماعت اپنی بیٹی کو کرائی۔ امام مالک بن انسؒ نے مکمل موطا کا درس اپنی بیٹی کو دیا۔ بعد کے دور میں امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور متاخرین علماء نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ چند مثالیں ذیل میں پیش ہیں:

قاضی ابو بکر احمد بن کامل بن خلف بن شجرۃ البغدادی (م 350ھ)، جو مشہور مؤرخ اور مفسر قرآن محمد بن جریر الطبری کے شاگرد تھے، ان کی نگرانی میں ان کی صاحب زادی محدثہ امت السلام امّ الفتح (م 390) نے محمد بن اسماعیل البصلانی اور محمد بن الحسین بن حمید بن الربیع (م اندازاً اوائل چوتھی صدی) سے احادیث کی سماعت کی۔ عتیقی (م 441ھ) نے مذکورہ بالا امر کی توثیق کی ہے۔ وہ رقم طراز ہیں کہ امت السلام کی اپنے والد سے احادیث کی سماعت ان کے والد کی تحریروں سے ثابت ہے۔'' [27]۔

شیخ الاسلام ابو العباس احمد بن عبداللہ المغربی الفارسی (م 560)، جو ابن الحطیئہ کے نام سے معروف ہیں، انھوں نے اپنی بیٹی کو قرأت سبعہ، **صحیح بخاری**، **صحیح مسلم** اور احادیث کی دیگر کتب کی تعلیم دی۔ ان کی صاحبزادی نے متعدد احادیث کو تحریر کیا اور اپنے والد کی نگرانی میں ان کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ البتہ اس کا بھی تذکرہ ملتا ہے کہ ابن الحطیئہ نے کبھی اپنی بیٹی کی شکل نہ دیکھی۔ جب ایک راوی شجاع سے اس بارے میں استفسار کیا گیا تو انھوں نے وضاحت پیش کی کہ مطالعہ کا سلسلہ ان کی بیٹی کے بچپن ہی سے شروع ہوا اور وہ مغرب تک تعلیم و تدریس میں مشغول رہتے۔ اس وقت تک ان کی بیٹی سو جاتی۔ یہ سلسلہ دراز رہا اور وہ سنِ بلوغ تک پہنچی اور شادی کے بعد اپنے گھر رخصت ہوئی۔ امام ذہبی نے اس واقعہ پر سخت نکیر کی ہے۔ لکھا ہے: ''اس طرح کا واقعہ تعریف و توصیف کے لائق نہیں بلکہ یہ سنّت کی خلاف ورزی ہے کیوں کہ سید الانبیاء رسول اکرم ﷺ اپنی نواسی امامہ کو نماز تک کی حالت میں اپنے کاندھے پر بٹھائے رکھتے۔'' [28]

دوسری مثال کا تذکرہ ابن سحنون (م 256) کی **کتاب المعلّمین** کے پیش لفظ میں ملتا ہے۔ زاہد اور عابد قاضی عیسیٰ بن مسکین اپنی بیٹیوں، نواسیوں اور پوتیوں کو درس دیا کرتے تھے۔ قاضی عیاض (م 544) روایت کرتے ہیں: ''بعد نماز عصر قاضی عیسیٰ اپنی اور اپنے بھائی کی بیٹیوں کو جمع کرتے اور انھیں قرآن اور دیگر علوم سے آراستہ کرتے۔ اس سے قبل یہی معمول فاتح صقلیہ اسد بن الفرات کا رہا، جو اپنی بیٹی اسماء کو درس دیا کرتے تھے۔ اسماء نے اپنے علم و فن کے باعث شہرت حاصل کی''۔ [29]

بعض علماء نے یہ اہتمام بھی کیا کہ اپنی بیٹیوں کی شادی علماء دین سے کی، تاکہ علم حدیث اور دیگر علوم سے ان کا شغف برقرار رہے۔ مثال کے طور پر شیخ القرّاء ابو داؤد سلیمان بن ابی القاسم الاندلسی (م 496) نے پہلے اپنی بیٹی کو تعلیم سے آراستہ کیا، پھر ان کی معیّت میں وہ دیگر اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے احادیث کی براہ راست سماعت کی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد ان کی شادی ان کے والد نے اپنے ایک صاحب علم شاگرد سے کردی۔ ابن الأبار (م 658ھ) رقم طراز ہیں: ''شیخ القرّاء کی صاحبزادی نے اپنے والد سے متعدد احادیث روایت کیں۔

انھوں نے اپنے والد کے اساتذہ سے بھی تحصیلِ علم کیا۔ ان کے والد نے ان کی شادی اپنے شاگرد احمد بن محمد سے کی۔ احمد ایک انتہائی متقی لیکن نادار شخص تھے۔ شیخ القرّاء ان کی صفات سے متاثر تھے، اسی بنا پر انھوں نے احمد سے دریافت کیا کہ کیا وہ ان کی بیٹی سے شادی پر رضامند ہیں۔ نوجوان احمد پر شرم وحیا کا غلبہ ہوا اور انھوں نے عذر پیش کیا، جس کے باعث وہ شادی کرنے سے قاصر تھے، لیکن شیخ نے ان کی شادی اپنی بیٹی سے کردی، بیٹی کو جہیز دیا اور احمد کے گھر رخصت کیا۔'' [30]

تحفة الفقهاء اور دیگر تصانیف کے مصنف امام علاء الدین سمرقندی (م 539) کی بیٹی اپنے حسن وجمال کے لیے مشہور تھی۔ شہزادے اور باثروت اشخاص ان سے شادی کے خواہاں تھے، لیکن شیخ نے ان رشتوں کو نامنظور کیا، کیوں کہ ان کی بیٹی عالم دین تھی اور اس کو **تحفة الفقهاء** ازبر تھی۔ شیخ کی خدمت میں ایک طالب علم مقیم تھا، جس نے کچھ عرصہ میں فقہ کے اصول اور ان کی تطبیق پر عبور حاصل کرلیا تھا۔ اس کے بعد اس نے **بدائع الصنائع** تحریر کی، جو کہ شیخ کی تصنیف **تحفة الفقهاء** کی شرح ہے۔ شیخ اس شرح سے اتنا متاثر ہوئے کہ اپنی بیٹی کی شادی انھوں نے اس طالب علم سے کردی اور اس کی تصنیف کو بطور مہر قبول کیا۔ اس طالب علم نے بطور ممتاز فقیہ شہرت حاصل کی اور وہ الکاسانی کے نام سے موسوم ہیں۔ [31]۔

مآخذ سے اس امر کا بھی علم ہوتا ہے کہ علماء اپنی بیویوں کی تعلیم کے بارے میں بہت فعّال تھے۔ ابن الحاج تحریر کرتے ہیں: ''ہمارے دور میں سیدی ابو محمد نام کے عالم گزرے ہیں۔ ان کی اہلیہ نے ان کی معیّت میں قرآن مجید کا نہ صرف مطالعہ کیا، بلکہ اسے حفظ بھی کیا۔ اسی طرح اپنے شوہر کی رہ نمائی میں انھوں نے شیخ ابو محمد بن ابو زید قیروانی (م 386) کے **رسالہ** اور امام مالک کی **مؤطا** کے نصف جزو کا مطالعہ کیا [32]۔

ایک اور مثال حافظ ابن حجرؒ کی اہلیہ انس بنت عبد الکریم ابن احمد الکریمی اللخمی کی ہے۔ ابن حجرؒ نے اپنی اہلیہ میں یہ صلاحیت پیدا کی کہ وہ ان کے شیخ عظیم محدث حافظ عراقی (م 806) کے **مسلسل بالأوّلیات** اور شرف الدین بن الکویک (م 821) کے **مسلسل بالاوّلیة** کی

سماعت کریں۔ ابن حجرؒ نے اپنی اہلیہ کے لیے شام سے ذی قعدہ 798 میں، منی سے صفر 800 میں اور پھر ربیع الآخر 800 اور اس کے بعد بھی اجازے حاصل کیے۔[33]

خواتین کی اپنی کاوشیں

سطور بالا میں ان علماء کا ذکر کیا گیا ہے جو خواتین کی تعلیم و تدریس میں منہمک رہے، اسی طرح سنّت پر عمل پیرا رہے، لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ محض اپنے سرپرستوں یا شوہروں کی ایما ہی پر خواتین نے علم حاصل کیا۔ اس کے برعکس بڑی تعداد میں ایسی خواتین بھی تھیں جنہوں نے اپنے ذاتی شوق سے اور کسی کی تحریک کے بغیر خود علم دین حاصل کیا۔ ثابت حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو دعوت دی کہ وہ ان کے ساتھ امّ ایمن کے یہاں چلیں، کیوں کہ حضور اکرمؐ امّ ایمن کے یہاں تشریف لے جاتے تھے۔ دونوں کی ان سے ملاقات ہوئی تو وہ حالتِ گریہ میں تھیں۔ ان دونوں نے انہیں تذکیر کی کہ رسول اکرم ﷺ کے لیے اللہ کی رفاقت کہیں بہتر ہے۔ امّ ایمن نے جواب دیا: میں اس لیے نہیں رو رہی ہوں کہ رسول اکرم ﷺ اللہ کی رفاقت میں ہیں، بلکہ میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ نزولِ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ یہ دونوں حضرات بھی رو پڑے۔"[34]

رسول اکرم ﷺ کے دور میں خواتین کوئی ایسا موقع ضائع نہ کرتیں جس سے ان کے علمِ دین میں اضافہ ہو۔ امام احمد بن حنبلؒ نے عبداللہ بن رفیعی سے یہ روایت کی ہے: "حضرت امّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن جب وہ کنگھی کر رہی تھیں، انھوں نے رسول اکرم ﷺ کو منبر سے یہ خطاب کرتے ہوئے سنا: "لوگو!" حضرت امّ سلمہؓ نے اپنی مشاطہ سے کہا کہ وہ ان کے بال جلد باندھ دے۔ مشاطہ نے کہا: میں آپ پر قربان، حضور اکرم ﷺ صرف یہ کہہ رہے ہیں: لوگو! امّ سلمہؓ نے اسے جواب دیا: تُف ہے تجھ پر، کیا ہم لوگوں میں شامل نہیں ہیں؟ پھر انھوں نے جلدی جلدی اپنے بال باندھے اور کمرے کے اُس حصہ میں جا کھڑی ہوئیں جہاں سے انھوں نے حضور اکرم کو یہ خطاب کرتے ہوئے سنا: "اے لوگو! قیامت کے دن جب میں حوض پر کھڑا ہوں گا تو تم گروہ در گروہ حاضر ہو گے۔ پھر تم میں سے بعض کو دوسری سمت لے جایا جائے گا۔

میں تمہیں آواز دوں گا کہ آؤ، میری جانب آؤ۔ تب میری پشت پر موجود منادی کہے گا: ''آپؐ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے۔ یہ آپ کے بعد بدل گئے تھے۔ تب میں کہوں گا: دور رہو، دور رہو۔'' [35]

گزشتہ باب میں ہم نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ حضرت ضحاک بن قیسؓ کی ہم شیرہ تھیں اور مہاجرین کے اولین دستے میں شامل تھیں۔ پہلے جہاد میں آپ کے شوہر نے جامِ شہادت نوش کیا۔ عدّت کے خاتمہ پر اذان کی آواز سنتے ہی وہ مسجد گئیں اور وہاں نماز ادا کی۔ وہ روایت کرتی ہیں: ''میں خواتین کی صف میں تھی کہ رسول اکرم ﷺ نے نماز مکمل کی، پھر منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپؐ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ آپؐ نے فرمایا: ہر شخص اپنی جگہ بیٹھا رہے۔ پھر آپؐ نے دریافت فرمایا: کیا تمہیں علم ہے کہ میں نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے؟ مجمع نے جواب دیا، اللہ اور اس کے رسولؐ کو اس کا بہتر علم ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے تمہاری کسی خواہش کی تکمیل کے لیے تمہیں جمع نہیں کیا ہے، نہ کوئی ایسی بات بتانے کے لیے جو تمہیں خوف زدہ کردے، بلکہ تمہیں جمع کرنے کا سبب یہ ہے کہ تمیم الداری، جو اب تک عیسائی تھے، میرے پاس آئے، مجھ سے بیعت کی اور اسلام قبول کیا۔ انھوں نے مجھے ایک واقعہ بتایا، جس سے اس دجّال کی تصدیق ہوتی ہے جس کے بارے میں میں تمہیں متنبہ کرتا رہتا ہوں۔'' اس کے بعد حضرت فاطمہؓ نے حضرت تمیم الداریؓ سے منقول مکمل واقعہ سنایا۔ [36] تحصیل علم سے حضرت فاطمہؓ کے انہماک کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ شوہر کی وفات کے سانحہ کے باوصف وہ اوّلین موقع پر مسجد گئیں، بالخصوص جب انہیں یہ علم ہوا کہ نماز کے بعد حضور اکرمؐ خطاب فرمائیں گے۔ آپ نے اس موقع کی مفصل حدیث کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھا۔ یہی حدیث صحیح مسلم اور دیگر مجموعوں کی زینت ہے۔ دیگر راویوں نے بھی ان سے مروی اس حدیث کی تمام تفصیلات کی تصدیق کی ہے۔

خواتین کے سوالات کی نوعیت

اس جانب اشارہ کیا جا چکا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں خواتین مردوں کے

شانہ بہ شانہ مجالس میں شریک ہوتیں اور ان کی درخواست پر آپؐ نے ان کے سوالات کے جواب کے لیے ایک دن متعین فرمایا تھا۔ رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام کی ہمت افزائی کرتے کہ وہ اپنے معاملات، فرائض اور احکام دین سے متعلق آپؐ سے استفسار کریں۔ حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہالت کا علاج استفسار کرنا ہے۔'' [37] آپؐ کا مقصود یہ تھا کہ جہالت اور ناواقفیت کا علاج اس کے علاوہ کچھ اور نہیں کہ حقیقت دریافت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا ہے: ''اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہل ذکر سے دریافت کرو۔'' [سورہ النحل 43:16]

کتب احادیث میں خواتین کے پیش کردہ متعدد سوالات کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کی چند مثالیں ہم پہلے پیش کر چکے ہیں، مزید مثالوں سے ان کے استفسارات کی نوعیت کا بخوبی علم ہوگا۔

عبداللہ بن القبطیہ حضرت امّ سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بیت اللہ کی جانب حملہ آور فوج زمین میں دھنس جائے گی۔ امّ سلمہؓ نے دریافت کیا: اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کو فوج میں شامل ہونے پر مجبور کیا گیا ہو؟ آپؐ نے فرمایا: وہ بھی ان کے ہمراہ دھنس جائے گا۔ پھر اخروی زندگی میں ان کی نیتوں کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔'' [38]

حضرت سعید بن المسیّبؒ، خولہ بنت حکیمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے یہ مسئلہ دریافت کیا: کیا عورتیں بھی خواب میں وہ دیکھتی ہیں جو مرد دیکھتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کا مثبت جواب دیا اور وضاحت کی کہ اس عورت اور مرد پر غسل فرض ہے جو ایسا خواب دیکھے جس میں انزال ہو۔ [39]۔

حضرت فاطمہ بن ابی حبیشؓ نے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ ماہ واری کے علاوہ اگر خون جاری رہے تو کیا اس صورت میں نماز ساقط رہے گی؟ رسول اکرم ﷺ نے باقاعدہ حیض اور بے قاعدہ حیض کے مابین فرق واضح کرتے ہوئے فرمایا: حیض کی مدّت ہر عورت کی مختلف ہوتی ہے۔ اس دوران نماز ساقط رہتی ہے، البتہ وہ خون جو کسی رگ سے بے قاعدہ طور پر خارج ہو اس کو

دھو دینا کافی ہے، اس سے نماز ساقط نہیں ہوتی۔ [40]

حضرت مجاہدؒ (م اندازاً 100) نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کے نکاح کے بارے میں حضرت اسماء بنت عمیس کی یہ روایت نقل کی ہے کہ مہمانوں کے لیے دودھ کا صرف ایک پیالہ تھا۔ جب حضرت عائشہؓ نے یہ پیالہ بعض مہمانوں کو پیش کیا تو انھوں نے یہ کہتے ہوئے انکار کردیا کہ انہیں خواہش نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بھوک کے بارے میں جھوٹ مت بولو۔ حضرت اسماء نے دریافت کیا: ''اے اللہ کے رسول! اگر کسی شئے کی مجھے خواہش ہو اور میں یہ کہہ دوں کہ مجھے اس کی خواہش نہیں ہے تو کیا اس کا شمار جھوٹ میں ہوگا؟'' آپؐ نے فرمایا: ہاں، ''اس کا شمار جھوٹ کے طور پر ہوگا اور اگر جھوٹ معمولی ہو تو اس کا شمار معمولی جھوٹ کے طور پر ہوگا''۔ [41]۔

حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ اپنی والدہ امّ سلمہؓ سے روایت کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: یا رسول اللہ! اگر میں اپنے شوہر ابو سلمہؓ کے بچوں پر کچھ خرچ کروں تو کیا مجھے اس کا ثواب ملے گا؟ میں انہیں ان کے حال پر نہیں چھوڑ سکتی۔ وہ میرے بھی بچے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے جواب دیا: ''ہاں، اگر تم ان پر کچھ خرچ کروگی تو تمہیں اس کا ثواب ملے گا۔'' [42]

تحصیلِ تعلیم میں تکلف اور حیا

مندرجہ بالا مثالوں سے واضح ہے کہ تحصیلِ علم میں خواتین تکلّف اور حیا سے کام نہ لیتی تھیں، بلکہ علم دین میں نبوغ و استحکام کے لیے وہ ہر طرح کے سوالات کرتی تھیں، تا کہ ان کا توشۂ آخرت جمع ہو۔ مجاہدؒ کا قول ہے: ''جس نے حیا کی اور استکبار کیا وہ کبھی علم حاصل نہیں کرسکتا۔'' [43] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی یہ تشریح کی ہے: ''حیا ایمان کا جزو ہے، البتہ جائز حیا وہ ہے جس کا تعلق بزرگوں اور علماء کی عزّت اور احترام سے ہے۔ حیا کی یہ قسم پسندیدہ ہے، البتہ وہ حیا جو کسی حکم میں رکاوٹ بنے وہ مذموم ہے اور وہ حیا کی جائز قسم نہیں، بلکہ بزدلی کی ایک شکل ہے۔ مجاہد کی مراد یہی ہے کہ ایسی ناجائز حیا کا حامل شخص علم نہیں حاصل کرسکتا۔'' [44]

غرض یہ کہ صحابیات نے ایسی روشن مثال قائم کی جس سے مستقبل میں خواتین کو تحصیلِ علم میں تقویت ملی۔ انہیں ایسے سوالات دریافت کرنے میں کوئی باک نہیں تھا جن کے بارے میں بالعموم خواتین مردوں کی موجودگی میں استفسار نہیں کرتیں۔ حضرت امّ سلمہؓ راوی ہیں کہ حضرت امّ سلیمؓ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔ کیا اس عورت پر غسل واجب ہے جسے خواب میں احتلام ہوا ہو۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں، جب وہ مادّہ منویہ پائے۔ امّ سلمہؓ نے اپنا چہرہ چھپایا اور دریافت کیا: یا رسول اللہ! کیا عورتوں کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں، ورنہ ایک عورت کا بچہ اس سے مشابہ کیسے ہوتا ہے؟'' [45] حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر فرمایا: انصار خواتین کتنی اچھی ہیں، دین کی تفہیم اور حصول دین میں حیا ان کے آڑے نہیں آتی۔'' [46]

صحابہ سے خواتین کا کسبِ علم

تابعین کے دور کی خواتین صحابہ کرام سے استفسارات کیا کرتی تھیں۔ وہ صحابہ اور صحابیات دونوں سے علم دین حاصل کرتی تھیں۔ اس کی نمائندہ مثال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن جابر الاحمسی اپنی پھوپھی حضرت زینب بنت المہاجرؒ سے روایت کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے: ''میں حج کے لیے گئی۔ میرے ہمراہ ایک اور خاتون تھی۔ میں نے اپنا خیمہ نصب کیا اور عہد کیا کہ میں کسی سے بات نہ کروں گی۔ اسی دوران میں ایک شخص آیا اور اس نے خیمہ کے دروازے کے پاس کھڑے ہو کر سلام کیا۔ میری سہیلی نے جواب دیا۔ لیکن اس نے دریافت کیا کہ تمہاری سہیلی کے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ اس نے جواب کیوں نہیں دیا۔ اس نے کہا: اس نے نہ بولنے کی قسم کھائی ہے، اس لیے وہ خاموش ہے۔ اس شخص نے کہا: اسے بات کرنی چاہیے، کیوں کہ اس انداز کی قسم جاہلیت کی یادگار ہے۔ میں نے دریافت کیا: تم کون ہو؟''، اللہ کی رحمت ہو تم پر۔ اس نے جواب دیا: میں مہاجر ہوں۔ میں نے پھر دریافت کیا: مہاجروں کے کس گروہ سے ہو؟ اس نے جواب دیا: میں قریش سے ہوں۔ میں نے مزید وضاحت چاہی۔ اس نے کہا: تم سوال کرنے کی بڑی شائق ہو، میں ابوبکر ہوں۔ میں نے کہا: یا خلیفۃ رسول اللہ،

ابھی ہم جاہلیت سے تازہ تازہ تائب ہوئے ہیں اور ہم لوگ اب بھی اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتے ہیں۔ اللہ نے آپ کو ہمارے پاس بھیجا، تاکہ ہمیں امن وسکون اور تحفظ حاصل ہو۔ یہ سلسلہ کب تک رہے گا؟ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا: جب تک تمہارے ائمہ راہ راست پر رہیں گے۔ میں نے دریافت کیا: یہ ائمہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: کیا تمہارے درمیان شرفاء اور قائدین نہیں ہیں، جن کی اطاعت کی جاتی ہے؟ جب میں نے اس کی توثیق کی تو انھوں نے کہا: یہی ائمہ ہیں۔[47]۔

تحفیظ حدیث اور خواتین

مستند حدیث سے مراد ایسی روایت ہوتی ہے جس کے راوی نے اسے سننے سے اسے بیان کرنے تک اُس کی حفاظت کی ہو۔ تحفیظ حدیث کے لیے باہوش اور مستعد سماعت لازم ہے، تاکہ الفاظ بجنسہٖ یاد رہیں۔ روایت کے معنی واضح رہیں، الفاظ کی ترتیب قائم رہے، روایت کے متن پر سختی اور شعور کے ساتھ قائم رہا جائے اور اسے بیان کرنے تک اس کی حفاظت کی جائے۔ غرض یہ کہ تحفیظ کے دو طریقے ہیں: حفظ اور کتابت۔

حفظ

صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد ائمہ اور ماہرین حدیث کے یہاں حدیث کے حفظ کا رواج عام تھا۔ حافظہ میں محفوظ علم شخصیت کا جزو بن جاتا ہے اور مادری زبان کی طرح اَزبر رہتا ہے۔ حضرت عفان بن مسلم (م 219) کہتے ہیں: ''میں نے عبید اللہ بن الحسن سے جریری کی کتاب پیش کرنے کے لیے کہا۔ انھوں نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ میں ہلال بن الحق سے رجوع کروں کہ ان کے پاس یہ کتاب ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ میری دانست میں سب سے زیادہ حاضر علم وہ ہے جو میرے سینے میں محفوظ ہو اور زبان سے ادا ہو۔'' عبدالرزاق کا قول ہے: ''وہ علم جو اس کے حامل کے ہمراہ غسل خانہ میں موجود نہ ہوتا ہو اس کو علم شمار نہ کریں۔'' اصمعی (م 217) کہتے ہیں: ''وہ علم جو غسل خانہ میں میرے ذہن میں حاضر نہیں ہو وہ علم نہیں ہے۔''[48]

راویوں کے قوتِ حافظہ کے متعلق مذکورہ بالا بیانات، ممکن ہے، ہمیں مبالغہ انگیز محسوس ہوں۔علی بن خشرم روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے اسحاق ابن راہویہ (م 238) سے شعبی کی روایت پر گفتگو کرتے ہوئے کہا: ''جو کچھ بھی میں نے سفید صفحے پر سیاہی سے لکھا وہ میرے دل پر نقش ہے اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے میرے سامنے کوئی حدیث بیان کی ہو اور میں نے اس کو دہرانے کے لیے کہا ہو۔'' اسحاق نے مجھ سے کہا: یا علی بن خشرم! کیا تم کو اس پر تعجب ہے، یا ابو حسن۔ میں نے کہا: ہاں۔ اس پر اسحاق نے کہا: اب میں تمھیں کچھ اپنے بارے میں بتاؤں گا۔ میں نے تحریر کے ذریعہ روایات کو کبھی حفظ نہیں کیا اور اب یہ کیفیت ہے، گویا میرے دل کی کتاب پر ستّر ہزار احادیث نقش ہیں، جو میری نظروں کے سامنے ہیں۔'' [49]۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ستر ہزار احادیث اسحاق بن راہویہ کو حفظ تھیں اور وہ ان کی روایت ایسے کرتے تھے گویا کسی کتاب سے دیکھ کر پڑھ رہے ہوں۔

مردوں کی طرح خواتین نے بھی رسول اکرم ﷺ کی احادیث کو حفظ کرنے کا اہتمام کیا۔ ازواج مطہرات اور دیگر خواتین، جنھوں نے رسول اکرم ﷺ سے سماعت کی تھی انہیں یہ احادیث زبانی یاد تھیں۔ بعض خواتین نے، بالخصوص حضرت عائشہؓ نے کثرت سے احادیث روایت کی ہیں۔ خواتین سے مروی یہ روایات مختصر متن پر مشتمل نہیں، بلکہ بعض روایات خاصی مفصّل ہیں۔ ہم نے اس سے قبل تذکرہ کیا ہے کہ کس طرح حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے صرف ایک دفعہ کی سماعت کے بعد تمیم الداری سے متعلق ایک مفصل روایت نقل کی۔ طبرانی نے **الأحادیث الطوال** مرتب کی، اس میں متعدد احادیث کی راوی خواتین ہیں۔

حضرت سعید بن المسیبؒ ممتاز تابعی کے طور پر معروف ہیں۔ وہ علم حدیث کے خصوصی ماہر تھے۔ ان کی بیٹی نے ان سے مروی تمام روایات حفظ کیں۔ ابو بکر بن ابی داؤد (م 316) روایت کرتے ہیں کہ عبدالمالک بن مروان اموی خلیفہ (عہد حکومت 86-65) نے حضرت سعید کی بیٹی کا رشتہ اپنے بیٹے ولید کے لیے مانگا۔ انھوں نے اس تجویز کو منظور نہیں کیا اور اپنی بیٹی کا نکاح ایک نادار طالب علم سے کرنے کو ترجیح دی۔ ان کی بیٹی کے شوہر کا قول ہے: ''اس کا

شمار انتہائی خوب صورت خواتین میں تھا۔ وہ حفّاظ قرآن میں ممتاز مقام کی حامل تھی۔ وہ سنّت سے کماحقہٗ واقف تھی اور اپنے شوہر کے حقوق سے بخوبی آگاہ تھی''۔ ابو نُعیم (م 430) کی روایت ہے کہ ایک صبح حضرت سعید کے داماد نے اپنا لبادہ باہر جانے لیے نکالا۔ بیوی نے دریافت کیا کہ کہاں کا قصد ہے؟ انھوں نے جواب دیا: میں حضرت سعیدؒ کی مجلس کے لیے عازم ہوں، تاکہ تحصیلِ علم کروں۔ انھوں نے کہا: یہیں بیٹھیے، میں آپ کو اپنے باپ کے پاس محفوظ علم سے مالامال کردوں گی۔'' [50]

اسی طرح امام مالکؒ کی بیٹی نے بھی مؤطا میں درج تمام احادیث حفظ کرلی تھیں۔ مؤطا حدیث اور فقہ کی ایک جامع تصنیف ہے۔ زبیر (م 256) کا قول ہے کہ امام مالک کی بیٹی، جسے مؤطا حفظ تھی، دروازے کے پیچھے موجود رہتی۔ جب کوئی قاری غلطی کرتا تو وہ اصلاح کردیتی۔ امام مالک کے بیٹے محمد کو علم و فضل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بعض اوقات وہ منتشر لباس میں سامنے سے گزرتا تو امام مالک اپنے شاگردوں سے کہتے: ''آداب کی توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ میرا بیٹا ہے اور ایک میری بیٹی ہے''۔ [51] عابدۃ المدنیۃ ایک مدنی خاتون ایسی گزری ہیں جنہوں نے امام مالک سے خاصی روایات بیان کی ہیں۔ وہ تحصیلِ حدیث کے لیے مشہور تھیں۔ ابن الابّاران کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ انھوں نے بہت سی احادیث کی روایت کی ہے۔'' [52]

حافظہ کے یہ غیر معمولی واقعات، ممکن ہے، ہمیں مبالغہ آمیز محسوس ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایات معتبر اور مستند ہیں۔

کتابت حدیث

ابتداء میں رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا تھا کہ قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور لوازمہ ضبط تحریر میں نہ لایا جائے، تاکہ اس کے قرآن مجید سے خلط ملط ہوجانے کا خطرہ نہ رہے۔ البتہ آخری دور میں آپ نے اپنے ارشادات کی کتابت کی اجازت دے دی تھی۔ حضرت عمر بن الخطابؓ اور دیگر صحابہ کا بیان ہے کہ آپؐ نے فرمایا تھا: ''کتابت کے ذریعہ علم کو محفوظ کرو''۔ [53]

اسلام کے ابتدائی دور میں عرب میں تحریر کا رواج شاذ و نادر تھا، البتہ تحریر کی اہمیت کے سب قائل تھے۔ صحابہ نے اس فن کا اکتساب کیا اور قرآن مجید اور احادیث کو ضبطِ تحریر میں لائے۔ اس علمی کاوش میں خواتین بھی شریک رہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت شفا بنت عبداللہؓ کو ہدایت کی کہ وہ امّ المومنین حضرت حفصہؓ کو فنِ تحریر سکھائیں۔ [54]۔ ابن عبدالبر (م 463) کا قول ہے کہ حضرت شفا بنت عبداللہؓ ایک پاک باز اور ذہین خاتون تھیں۔ رسول اکرم ﷺ ان کے ہاں آمد و رفت رکھتے تھے۔'' [55] حضرت عائشہؓ حضرت امّ سلمہؓ اور دیگر صحابیات بھی فنِ تحریر میں ممتاز تھیں۔ مآخذ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت امّ سلمہؓ کے خطوط محفوظ ہیں۔ قلقشندی (م 821ھ) نے خواتین کے ایک گروہ کا ذکر کیا ہے جو فنِ تحریر میں طاق تھا۔ ان کے اس فن پر سلف نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ [56]

دوسری صدی ہجری کے بعد سے خواتین میں فنِ تحریر کا رجحان تیزی سے بڑھا۔ تذکروں میں یہ صراحت ہے کہ تحریر اور خطاطی کی مشق انہیں بچپن سے کرائی جاتی تھی حتیٰ کہ باندیاں اور کنیزیں بھی اس فن سے بہرہ ور تھیں۔ کپڑوں، پرچموں، علَموں، قباؤں، آستینوں، پگڑیوں، ٹوپیوں، تکیہ غلاف، رومال، پردوں، چادروں، بستروں، صوفوں، گدّوں، تاج، دروازوں اور کھڑکیوں کی چوکھٹوں اور متعدد دیگر اشیاء پر خطّاطی کے نقش ثبت کیے جاتے تھے۔ [57]

بعد کے دور میں، جب حدیث کے جامع اور مبسوط مجموعے عام ہوئے تو ان کو زبانی یاد رکھنا ممکن نہ رہا اور ان کو ضبطِ تحریر میں لانا ناگزیر ہوگیا۔ متعدد ایسی خواتین کا تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے بہ قلم خود احادیث کی کتابت کی۔ بعض ممتاز کاتب محدّثات کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

حضرت فاطمہ بنت الحسن بن علی المؤدب العطار (م 480) کی کنیت امّ الفضل اور بنت الاقرع تھی۔ انھوں نے کتابت میں مشہور خطّاط ابن البوّاب (م 413) کا طریقہ اختیار کیا اور اس فن کو ترویج دی۔ لوگ ان کی خطّاطی کی مثال دیا کرتے تھے۔ [58] ابن الجوزی کا بیان ہے: ''امّ الفضل کی خطّاطی نہایت حسین تھی۔ وہ ابن البوّاب کے طریقہ پر عمل پیرا رہیں۔ ان

کے متعدد شاگرد تھے۔ بازنطینیوں سے معاہدے کی کتابت کے لیے ان کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اسی فن کے لیے انھوں نے عمید الملک ابونصر الکندی (م 456) کے یہاں سفر کیا۔ [59] ابن کثیر رقم طراز ہیں: ''وہ ابن البوّاب کے طرز پر خطّاطی کرتی تھیں۔'' [60] سمعانی کا قول ہے: ''میں نے محمد بن عبدالباقی الانصاری کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''میں نے فاطمہ بنت الاقرع سے یہ سنا کہ میں نے عمید الملک کے لیے ایک صفحے کی کتابت کی اور اس کے لیے انھوں نے مجھے ایک ہزار دینار عطا کیے۔'' [61] الغرض فاطمہ بنت الاقرع اپنے دور کی اہم شخصیت تھیں۔ ان کے فن کی بڑی قدر و منزلت تھی اور اسی مقصد کے لیے وہ سفر بھی کرتی تھیں۔

فخر النساء، امّ محمد شہدہ، ممتاز محدث ابونصر احمد بن الفرج الدینوری (م 574ھ) کی بیٹی تھیں۔ ان کے بارے میں سمعانی کا قول ہے: ''وہ سلف کی یادگار تھیں اور اپنے حسین اور واضح طرز کتابت کے لیے معروف تھیں۔ انھوں نے بنت الاقرع کی پیروی کی۔ ان کے عہد میں بغداد میں فن خطاطی میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ بالعموم وہ خلیفۃ المکتفی (عہد حکومت 530-555) کے لیے خطاطی کرتی تھیں۔ [62] ابن الجوزی نے ان کی خطاطی کی تعریف وتوصیف کی ہے، ان کے عمدہ کردار اور داد و دہش کو بھی خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ انھوں نے طویل عمر پائی۔'' [63] صفدی نے علم حدیث پر ان کے عبور، ان کے تقویٰ، ان کی خشیت الٰہی اور ان کی فیض رسانی کا تذکرہ کرتے ہوئے انھیں سرتاج خواتین سے منسوب کیا ہے۔ وہ ایک باکمال خطاط اور عراق میں اعلیٰ اسناد کی حامل محدّثہ تھیں۔'' [64] ان سے منسوب طرزِ خطاطی بہت مقبول ہوا اور نسل در نسل اس کا رواج باقی رہا۔ [65]۔

آخری دور کی ایک اور نمایاں مثال فوزیہ بنت محمد بن حسن بن یحییٰ بن علی ہیں جو العفیف بن منصور کے خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔ وزیر الھادی بن ابراہیم رقم طراز ہیں: ''وہ ایک عالمہ تھیں۔ ان کا طرز خطاطی منفرد تھا۔ قرآن کے مصاحف اور دیگر تصانیف میں ان کا طرز خطاطی ہمارے اور دیگر افراد کے ہاں محفوظ ہے۔ وہ اپنے مرد اعزا و اقارب کو عربی کی تعلیم دیتی تھیں۔ ان کی قبر صنعاء میں ابن وہب کی مسجد کے نزدیک المشہد الاحمر میں واقع ہے۔'' [66]

حواشی کی تالیف

تحریر سے خواتین کے شغف کے آئینہ داران کے وہ فاضلانہ حواشی ہیں جو ان کی زیر مطالعہ کتب میں درج ہیں۔ ممتاز ادیب الجاحظ (م 255) روایت کرتے ہیں: ''ایوب بن جعفر کے حاجب اور رضاعی بھائی جعفر بن سعید نے مجھے بتایا کہ جب جعفر بن یحییٰ کی توقیعات کا ذکر عمرو بن مسعدہ سے کیا گیا تو انھوں نے کہا: ''میں نے امّ جعفر کی توقیعات کے نسخے میں امّ جعفر کے حواشی دیکھے ہیں، جو جامعیت اور معنویت کے لحاظ سے نہایت عمدہ ہیں۔'' [67]

موازنہ اور تصحیح

تحریر کے ضمن میں اصحاب حدیث کا معیار سخت اور اعلیٰ تھا۔ وہ صرف اسی صورت میں کسی کتاب کو مستند تسلیم کرتے جب اس کا مقابلہ اس کتاب میں درج شیخ کے اصل اقوال سے کیا جا چکا ہو۔ خطیب البغدادی رقم طراز ہیں: ''میں نے قاضی ابو الطیب طاہر بن عبداللہ الطبری سے دریافت کیا: اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس کے تحریری حواشی میں کسی متعین شیخ کا حوالہ ہو اور تذکرہ بھی ہو، لیکن وہ اس شیخ سے ذاتی طور پر واقف نہ ہو''۔ انھوں نے جواب دیا: ''اس شخص کے لیے ایسی تحریر کی روایت جائز نہیں۔ جس تحریر سے روایت کی جائے اس کا مقابلہ شیخ کے اصل اقوال سے کرنا لازم ہے'' ہشام بن عروہ (م 146) بیان کرتے ہیں: ''میرے والد مجھ سے دریافت کرتے: کیا میں نے اس کا اصل سے مقابلہ کرلیا ہے: میرا جواب نفی میں ہوتا تو وہ کہتے کہ تم نے کچھ نہیں لکھا۔'' ابو محمد افلح بن بسّام کہتے ہیں: میں قعنبی کے ہمراہ تھا اور میں نے ان کی حدیث تحریر کی۔ انھوں نے مجھ سے دریافت کیا: کیا تم نے اس کو تحریر کرلیا ہے۔ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس پر انھوں نے دریافت کیا: کیا تم نے اس کا موازنہ کرلیا ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو انھوں نے کہا: پھر تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔'' [68]

محدثات بھی اسی اصول پر سختی سے کاربند رہیں۔ عظیم محدثہ امّ الکرام کریمہ بنت احمد بن محمد بن حاتم المروزیہ (م 465) صحیح بخاری کی مشہور راوی ہیں۔ ان کا صحیح بخاری کا نسخہ بہت مقبول ہوا۔ انھوں نے اپنے نسخہ کا مقابلہ شیخ الکشمیہنی کی اصل سے کیا۔ بعد

میں امّ الکرام کریمہ مکّہ میں مقیم ہوئیں۔ وہاں آپ کی خدمت میں ہر جگہ سے افراد آتے اور مکمل صحیح بخاری کی سماعت کرتے۔ وہ اپنے اصل نسخہ سے مقابلہ کے بعد ہی کسی شخص کو روایت کی اجازت دیتی تھیں۔ ذہبی کہتے ہیں ''جب بھی وہ روایت کرتیں تو اس کا اصل سے مقابلہ کرتیں۔ وہ علم و فضل اور فہم کے ساتھ اعلیٰ کردار کی حامل تھیں اور وہ عابدہ و زاہدہ تھیں۔'' [69] صفدی کا قول ہے: ''آپ کا نسخہ انتہائی مستند تھا'' [70]۔ ابن العماد (م 1089) رقم طراز ہیں: ''وہ اپنے نسخے کے بارے میں نہایت محتاط تھیں اور ان کی نقول کا موازنہ کرتی تھیں۔'' [71] ابوالغنائم النرسی کا قول ہے: ''کریمہ میرے لیے صحیح بخاری کا اصل نسخہ لائیں۔ میں ان کے سامنے دوزانو بیٹھا اور سات صفحات نقل کیے، پھر انہیں سنائے۔ میں اپنے نسخے کا موازنہ اصل سے کرنے کا خواہاں تھا، لیکن انھوں نے کہا: میں اس کی اجازت اس وقت تک نہ دوں گی جب تک تم موازنہ میرے ساتھ نہ کرو۔ چنانچہ موازنہ اور تصحیح کا کام میں نے ان کے ساتھ انجام دیا'' [72]۔

حواشی

1۔ صحیح مسلم، طلاق، بیان انّ تخییر امرأتہٖ لا یکن طلاقاً اِلّا بعد النیة

2۔ الہیثمی (م 807)، مجمع الزوائد، جلد viii، ص 270۔

3۔ البخاری، الادب المفرد، جلد ا، ص 158

4۔ الہیثمی، مجمع الزوائد، جلد viii، ص 286

5۔ صحیح البخاری، الزکوٰۃ، باب اتّقوا النار، صحیح مسلم، البرّ، باب فضل الاحسان علی البنات۔

6۔ صحیح مسلم، البرّ، باب فضل الاحسان علی البنات۔

7۔ جامع الترمذی، البرّ، باب ما جاء فی النفقة علی البنات والاخوات۔

8۔ محمد نور بن عبدالحافظ سوید، منهاج التربیة النبویّة للطفل، 324

9۔ الہیثمی، مجمع الزوائد، جلد viii، ص ص 287-286

10۔ صحیح البخاری، الادب، باب من ترک صبیّۃ غیرہِ حتیٰ تلعب بھا أو قبّلھا أو مازحھا۔

11۔ ابن سعد (م 230)، الطبقات الکبریٰ، جلد 8، ص 39

12۔ صحیح مسلم، الصلوٰۃ، باب أمر الأئمۃ بتخفیف الصلوٰۃ فی تمام۔

13۔ صحیح البخاری، الصوم، باب صوم الصبیان۔

14۔ جامع الترمذی، البرّ والصلۃ، باب ما جاء فی أدب الولد۔

15۔ الکاسانی (م 587) بدائع الصنائع، جلد 7، ص 63

16۔ صحیح البخاری، حیض، باب شھود الحائض العیدین ودعوۃ المسلمین۔ بغاوی اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں: ''یہ ثابت ہے کہ ایک عورت، جو حالت حیض میں ہو، وہ ذکر الٰہی، اچھی اور علمی مجالس میں شریک ہونا ترک نہیں کرے گی (شرح السنہ، جلد 2، ص 611)۔

17۔ سنن ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلوٰۃ، باب ما جاء فی خروج النساء فی العیدین۔

18۔ صحیح مسلم، باب الفضل، قرب النبی علیہ السلام من الناس و تبرکھم بہ۔

19۔ النووی، شرح علی صحیح المسلم (مذکورہ بالا حدیث اور اس پر حاشیے پر تبصرہ)

20۔ صحیح البخاری، باب العلم، ھل یجعل للنساء یوماً علی حدۃ۔

21۔ صحیح البخاری، أبواب الاحصار و جزاء الصید، باب الحج

والنذور عن الميّت و الرجل يحجّ عن المرأة۔

22۔ یہ 'سبحان اللہ' عام استفسار کو نشان زد کرنے کے طور پر کام کرتا ہے، جب مسلمان کسی معاملہ کو استطاعت سے باہر ہونے کو تسلیم کریں۔

23۔ صحیح البخاری ،الحیض ،باب ذلک المرأة نفسها ؛صحیح مسلم، حیض، باب استحباب استعمال المغتسلة من الحیض فرصة من مسکٍ فی موضع الدم ؛سنن ابو داؤد ،الطہارۃ، باب الاغتسال من المحیض ؛ سنن النسائی ،باب ذکر العمل فی غسل المحیض ؛سنن ابن ماجه ،الطہارۃ، باب الحائض کیف تغتسل۔

24۔ صحیح البخاری، العیدین، باب المشی و الرکوب الی العید۔

25۔ ابوعبیدہ مشہور بن الحسن السلمان، عنایة النساء بالحدیث النبوی، ص13۔

26۔ ابن الحاج، المدخل، جلد2، ص215۔

27۔ خطیب البغدادی، تاریخ البغداد، جلد14، ص444۔

28۔ الذہبی ،سیر اعلام النبلاء، جلد20، ص348-347۔

29۔ ابوعبیدہ مشہور، عنایة النساء، ص13۔

30۔ ابن الابار، تکملة صلة الصلة، ص406۔

31۔ عبدالقادر بن ابی الوفاء القرشی (م775)، الجواهر المضیّة فی طبقات الحنفیّة، جلد2، ص ص79-278 اور 46-244

32۔ ابن الحاج، المدخل، جلد2، ص215۔ فی مشہور، عنایۃ النساء، ص122۔

33۔ السخاوی، الجواهر و الدُرفی ترجمة شیخ الاسلام ابن حجر ،جلد

3،ص 1208۔

34۔ صحیح مسلم،فضائل،باب فی فضائل امّ ایمنؓ۔

35۔ صحیح مسلم، باب اثبات حوض نبیّنا صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ۔

36۔ صحیح مسلم،فتن و اشراط الساعۃ، باب خروج الدجّال۔

37۔ ابوداؤد،الطھارۃ،باب فی مجروح یتیمّم۔

38۔ صحیح مسلم ،فتن و أشراط الساعۃ، باب الجیش الذی یومّ البیت۔

39۔ سنن النسائی، الطھارۃ، باب غسل المرأۃ تری فی منامھا ما یری الرجل۔

40۔ صحیح البخاری ،حیض،باب الاستحاضہ؛صحیح مسلم ،حیض،باب المستحاضہ؛سنن ابو داؤد،طھارۃ،باب من روی أن الحائضۃ اذا ادبرت لا تدع الصلوٰۃ؛جامع ترمذی،طھارۃ،باب الفرق بین دم الحیض و الاستحاضۃ؛سنن ابن ماجہ،طھارۃ وسننھا،باب ما جاء فی المستحاضۃ التی قد عدّت ایّام أقرائھا قبل أن یستمرّ بھا الدم ؛ابن ابی شیبہ، مصنف،طھارۃ،باب المستحضۃ کیف تصنع۔

41۔ مسند احمد بن حنبل،مسند النساء۔

42۔ ایضاً

43۔ صحیح البخاری،علم،باب الحیاء فی العلم۔

44۔ ابن حجر، فتح الباری، العلم، باب الحیاء فی العلم۔

45۔ صحیح البخاری، علم، الحیاء فی العلم (تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ یہ جملہ عرب میں عام طور پر محبت بھری تنقید کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس سے مشابہ دوسری زبانوں میں بھی تراکیب مستعمل ہیں)۔

46۔ ایضاً۔

47۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد۸، ص470۔

48۔ خطیب البغدادی، الجامع لأخلاق الراوی، جلد2، ص250۔
(غسل خانہ کا ذکر اس باعث ہے کہ وہاں کتابیں نہیں لے جائی جاسکتیں)۔

49۔ ایضاً

50۔ ابونعیم، حلیہ الاولیاء، جلد2، ص 167-168

51۔ القاضی عیاض، ترتیب المدارک، جلد 1، ص 109-110

52۔ مشہور، عنایة النساء، ص 75۔

53۔ ابن عبدالبرّ، جامع بیان العلم و فضلہ، ص91

54۔ مسند احمد بن حنبل، مسند النساء، جلد 6، ص 372۔

55۔ ابن عبدالبرّ، الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، جلد 2، ص 740

56۔ القلقشندی، عنایة النساء بالحدیث النبوی، ص114۔

57۔ الوشاء، الظرف و الظرفاء، ص 355,317

58۔ الذہبی، سیر أعلام النبلاء، جلد18، ص480

59۔ ابن الجوزی (م597) المنتظم فی تاریخ الملوک و الأم، جلد9، ص40

60۔ ابن کثیر، البدایة و النهایة، ص 480

61۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، جلد18، ص481

62۔ ذہبی، تاریخ الاسلام ، ص 147

63۔ ابن الجوزی، المشیخه، ص 209

64۔ صفدی، الوافی بالوفیات، جلد 16، ص 190

65۔ ابن الحجر، المجمع المؤسس، جلد3، ص 256-255

66۔ عبداللہ محمد الحبشی ، معجم النساء الیمانیات، ص 162

67۔ الجاحظ، البیان و التبیین، جلد 1، ص ص 107-106

68۔ خطیب البغدادی، الکفایة، ص237

69۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، جلد18، ص233

70۔ صفدی، الوافی بالوفیات، جلد 24، ص338

71۔ ابن العماد، شذرات الذهب، جلد 3، ص 314

72۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، جلد18، ص234

باب سوم

تحصیلِ علم حدیث کی اقسام

اس کے مواقع، اس کے لیے اسفار اور اس کے علاقے

اس باب میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ خواتین کو رسول اکرم ﷺ اور صحابہ سے تحصیل علم کے مواقع عوامی اور ذاتی طور پر کس طرح حاصل رہے؟ اس اجمال کی تفصیل اس باب کے آغاز میں ہے۔ اس کے بعد ان مثالوں کو پیش کیا گیا ہے جن کے بہ موجب تحصیل علم حدیث کے لیے انھوں نے اسفار کیے۔ اور بتایا گیا ہے کہ یہ مثالیں آئندہ صدیوں میں کس طرح مشعل راہ ثابت ہوئیں۔ ان شہروں کا بھی ذکر ہے جہاں خواتین نے علم حاصل کیا۔ آخر میں احادیث کا علم حاصل کرنے اور اسے فروغ دینے کے وسائل اور ذرائع کا ذکر کیا گیا ہے۔

عوامی مجالس

بسا اوقات خواتین ایک گروہ کی شکل میں مجالس میں شریک ہوتیں۔ شہر بن حوشب نے حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت کی ہے: ''ایسی ایک مجلس میں رسول اکرم ﷺ کی نظر ایک ایسی خاتون پر پڑی جو سونے کے دو کنگن پہنے ہوئی تھی۔ آپؐ نے اس سے فرمایا: کیا تم اسے پسند کرو گی کہ اللہ تمھیں آگ کے کنگن پہنائے؟ اسماءؓ کہتی ہیں کہ بخدا مجھے یاد نہیں کہ اس خاتون نے وہ کنگن خود اتارے، یا میں نے اتارے۔'' [1]

خواتین کے گروہ میں نوجوان لڑکیاں بھی شامل ہوتی تھیں۔ امّ علی بنت ابی الحکم امیہ بنت قیس ابی السلط الغفاریہ سے روایت کرتی ہیں کہ وہ قبیلہ غفار کے ایک وفد کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے ہاں حاضر ہوئیں۔ یہ دور غزوۂ خیبر کا تھا۔ خواتین میدان جنگ میں زخمیوں کی نگہداشت کے لیے جانے کی خواہش مند تھیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کی اجازت دیتے

ہوئے فرمایا: ''اللہ برکت دے''۔ امیۃ بنت قیسؓ نے اس واقعہ کی مزید تفصیل بیان کی ہے۔

حضرت امیۃ بنت قیسؓ بیان کرتی ہیں: ''پھر ہم آپؐ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس زمانے میں مَیں ایک نوجوان لڑکی تھی۔ آپؐ نے اپنے سامان کے پیچھے ایک اونٹنی پر مجھے بٹھایا۔ آپؐ صبح اٹھے اور اپنے اونٹ کو بٹھایا۔ میں نے دیکھا کہ بوروں پر میرے خون کے نشان تھے۔ یہ میرا پہلا حیض تھا۔ میں اونٹ پر آگے کی طرف بیٹھ گئی، تاکہ وہ دھبّے چھپ جائیں۔ میں بہت شرمندہ تھی۔ جب رسول اکرم ﷺ کی نظر خون کے دھبّوں پر پڑی تو آپؐ نے فرمایا: شاید یہ تمہارے حیض کا خون ہے۔ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ آپؐ نے فرمایا: تم اپنا خیال رکھو۔ ایک برتن میں پانی لو۔ اس میں تھوڑا سا نمک ڈالو۔ پھر بوروں کے دھبّوں کو صاف کر کے واپس آؤ۔ میں نے آپؐ کی ہدایت پر عمل کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں خیبر میں فتح عطا کی تو رسول اکرم ﷺ نے مالِ غنیمت سے یہ ہار جو اس وقت میرے گلے میں ہے، مجھے دیا اور اپنے ہاتھوں سے یہ ہار مجھے پہنایا۔ اللہ کی قسم! یہ ہار مجھ سے کبھی جدا نہ ہوگا۔''

ان کے انتقال تک یہ ہار ان کے گلے کی زینت بنا رہا۔ انھوں نے وصیت کی کہ اس ہار کو بھی ان کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے۔ جب کبھی وہ پاکی کا غسل کرتیں تو پانی میں نمک ڈالتیں۔ انھوں نے یہ وصیت بھی کی کہ دفن سے قبل ان کے غسلِ میّت میں نمکین پانی استعمال کیا جائے۔'' [2]

مذکورہ بالا حدیث سے واضح ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی جانب سے خواتین کو ہمراہ رہنے کی اجازت تھی، اندرون خانہ بھی اور بیرون خانہ بھی۔ مذکورہ بالا واقعہ میں ذکر ایک عسکری مہم کا ہے جب کہ آپ چاروں طرف مردوں پر مشتمل فوج کے محاصرے میں تھے۔ اس واقعہ میں ہار کے تذکرہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے ان کے متعلقین کو کیسی قلبی محبت تھی؟! یہی وجہ ہے کہ حضرت امیہ بنت قیسؓ نے اس ہار کو ساری زندگی حرزِ جاں بنائے رکھا۔ رسول اللہ ﷺ سے علم حاصل کرنے والی صحابیات آپؐ سے ازحد محبت کرتی تھیں۔ مذکورہ واقعہ سے آپؐ کی شفقت اور ضرورت مندوں کی حاجت براری کا بھی علم ہوتا ہے۔ آپؐ بڑی حکمت کے ساتھ

لوگوں کی حاجت پوری کرتے۔ استاذ کے احترام واکرام کی یہ روایت آپؒ ہی سے مسلم طلبہ اور طالبات میں منتقل ہوئی کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے طلبہ وطالبات کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔

شہر بن حوشب نے حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے یہ روایت نقل کی ہے: ”میں اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی عضباء کی لگام پکڑے ہوئے تھی۔ اسی اثنا میں سورۂ مائدہ کی چند آیات آپؐ پر نازل ہوئیں۔ نزول وحی کے بوجھ سے اونٹنی کی ٹانگیں تقریباً خم سی ہوگئی تھیں۔“ [3]

حضرت اسماء بنت یزیدؓ کی مندرجہ ذیل حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کی موجودگی میں بھی خواتین کو آپؐ سے استفسار کرنے میں کوئی تذبذب نہ ہوتا تھا۔ اسماءؓ کہتی ہیں: ”اے اللہ کے رسول! آپؐ پر میرے ماں باپ قربان، میں عورتوں کے نمائندہ کے طور پر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ اللہ نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے پیغمبر بنا کر مبعوث کیا ہے۔ ہم آپؐ پر اور اللہ پر ایمان لائے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ہم عورتیں اپنے گھروں میں محبوس ہیں اور بچوں کی پیدائش میں مشغول رہتی ہیں۔ آپؐ کے بعض احکام میں مردوں کو ہم پر ترجیح دی گئی ہے، مثلاً جمعہ اور باجماعت نماز، عیادت، جنازہ میں شرکت، یکے بعد دیگرے حج کی ادائیگی اور سب سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی سعادت۔ جب آپ مرد حضرات حج اور عمرہ کے لیے جاتے ہیں تو ہم آپ کے مال و جائیداد کی نگرانی کرتے ہیں۔ ہم آپ کے کپڑے بُنتے ہیں اور آپ کے بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔ کیا ان سب کے لیے ہمیں آپ کے ساتھ ثواب نہیں ملے گا“؟ رسول اکرم ﷺ نے اپنے چہرہ کا رُخ پوری طرح سے صحابہؓ کی جانب کیا اور دریافت فرمایا: کیا تم نے کسی خاتون کو اس سے بہتر طور پر دین کے بارے میں استفسار کرتے ہوئے کبھی سنا“؟ انھوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول یہ ہمارے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ کوئی خاتون اس انداز کی ہوگی“۔ پھر رسول اکرم ﷺ اسماءؓ کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: ”اے خاتون! اس بات کو خوب ذہن نشین کرلو اور جو خواتین یہاں موجود نہیں ہیں ان کو بھی یہ پیغام پہنچا دو کہ خواتین کا اپنے شوہروں کی غیر موجودگی میں نگرانی کرنا، ان کی تسلّی اور تشفی کا خیال رکھنا اور ان کی مرضی کے مطابق کام کرنا عین مساوی ہے ان دینی احکام کے جو مردوں پر عائد کیے گئے ہیں۔“ راوی کا بیان ہے کہ جب یہ خاتون واپس ہوئی تو

اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔[4]۔

حج اور حجۃ الوداع

حج ایک عوامی فریضہ ہے۔ یہ نماز سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس کا انعقاد سال میں ایک دفعہ ہوتا ہے اور مسلمانوں کی بڑی اکثریت اپنی زندگی میں صرف ایک ہی مرتبہ حج کی سعادت سے سرفراز ہوتی ہے۔ مسجد میں داخلے اور قیام سے متعلق خواتین کے لیے بعض پابندیاں عائد ہیں، مثلاً یہ کہ بالکل علیحدہ صفوں میں نماز ادا کریں اور اگر عملی طور پر ممکن ہو تو مسجد کی عمارت میں خواتین کے لیے مخصوص دروازہ استعمال کریں، البتہ ان آداب پر حج کے دوران عمل درآمد نہیں ہوتا۔

محلّہ کی مقامی مسجد کی جماعت کی بہ نسبت مکّہ اور مدینہ کے جمِ غفیر میں دورانِ حج عورتوں اور مردوں کے اس باہمی تعلق کا امکان نسبتاً بہت کم ہے جس سے مسجد جانے کے بنیادی فریضہ میں کوئی خلل پڑے۔ لہٰذا اس بات کا قوی امکان ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے دوران جن خواتین نے حج کا فریضہ انجام دیا انھوں نے اس موقع پر اتنی ہی احادیث سنی ہوں گی جتنی مردوں نے۔ مردوں اور خواتین سے مروی اس موقع کی روایات سے مندرجہ بالا تأثر کی تصدیق ہوتی ہے۔

حجۃ الوداع وہ آخری حج ہے جس کی قیادت رسول اکرم ﷺ نے فرمائی۔ مسلمانوں کے ایک کثیر مجمع کو آپؐ نے اس موقع پر آخری بار خطاب کیا۔ آپؐ کے اس خطبہ کے سامعین میں خواتین اور بچے بھی مردوں کے دوش بدوش موجود تھے۔ یہ خطبہ عقائد سے متعلق احادیث کا ایک اہم مأخذ ہے، بالخصوص مناسک حج سے متعلق۔ اس کی تائید درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی اہلیہ اسماء بنت عمیسؓ کے یہاں دورانِ حج ایک پیڑ کے سایے میں بچے کی ولادت ہوئی۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: ان کی اہلیہ غسل کرنے کے بعد احرام باندھ لیں[5]۔ مذکورہ بالا حدیث سے فقہاء نے یہ حکم مستنبط کیا ہے کہ ناپاکی کی حالت میں بھی احرام باندھا جاسکتا ہے اور اس کے لیے ناپاکی کی

حالت میں غسل سنت ہے، اس سے ناپاکی کی حالت ختم ہونا لازم نہیں۔ ایک اور حدیث میں حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپؐ احرام پوش تھے، لیکن آپ کی پیشانی پر عطر کے نشان تھے۔ [6] اس حدیث کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ اور دیگر فقہاء کی رائے ہے کہ حج اور عمرہ کی نیت سے قبل کوئی شخص عطر لگا سکتا ہے۔ اگر احرام باندھنے کے بعد بھی اس کے نشان باقی رہ جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت عائشہؓ سے منقول یہ روایت بھی ہے: ''ہم آں حضرتؐ کی معیّت میں احرام پوش تھے۔ جب سوار قریب سے گزرتے تو ہم اپنی اوڑھنی نیچے کر لیتے تھے، تاکہ چہرہ ڈھک جائے اور جب وہ گزر جاتے تو ہم اوڑھنی پھر اوپر کر لیتے تھے۔'' [7] فقہاء نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ازواج مطہرات کے علاوہ عام خواتین، حج کے دوران سر ڈھکیں گی، البتہ ان کا چہرہ نہ ڈھکنے پائے۔ یوسف بن ماھک نے اپنی والدہ سے یہ روایت حضرت عائشہؓ کی سند پر بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم آپ کے لیے منیٰ میں ایک مکان نہ بنا دیں''؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ منیٰ جلد پہنچنے والے حاجیوں کا وقوف ہے'' [8]۔ مراد یہ ہے کہ منیٰ میں کوئی اپنے قیام کی جگہ پہلے سے محفوظ نہیں کر سکتا۔ صفیہ بنت شیبہ اور تملیک سے مغیرہ ابن حاکم نے درج ذیل روایت بیان کی ہے۔ تملیک وہ صحابیہ تھیں جن کا مکان صفا اور مروہ کے سامنے واقع تھا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا، جب کہ میں صفا اور مروہ کے درمیان اپنے بالائی کمرہ میں تھی۔ آپؐ فرما رہے تھے: ''لوگو! اللہ نے تمہارے لیے سعی فرض کی ہے۔ سعی کرو۔'' [9]

عمومی سوالات کے جوابات حاصل کرنے کے لیے بھی حج کا اجتماع ایک مناسب موقع تھا۔ اس وقت یہ سوالات صرف مناسک حج سے متعلق نہ ہوتے تھے۔ درج ذیل مثالوں سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ ہجوم کے باوصف خواتین اسی طرح براہ راست اپنے سوالات رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس راوی ہیں کہ دورانِ حج فضل ابن عباسؓ رسول اکرم ﷺ کے

ہمراہ اونٹ پر سوار تھے۔ وہ بہت حسین وجمیل نوجوان تھے۔ خثعم کی ایک خاتون نے ٹکٹکی باندھ کر فضل کی جانب دیکھنا شروع کیا اور فضل بھی اس کی جانب متوجہ ہوئے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے فضل کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا، تاکہ نظربازی کا سلسلہ منقطع ہوجائے۔ اس عورت نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا: ''اے اللہ کے رسول! میرے والد ضعیف ہیں اور ان پر حج فرض ہے، لیکن وہ اونٹ پر سوار نہیں ہوسکتے۔ کیا میں ان کے بدلے میں حج کر سکتی ہوں؟'' آپؐ نے جواب دیا: ہاں۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے دوران پیش آیا۔ [10]

حضرت جابر بن عبداللہؓ راوی ہیں کہ دوران حج ایک خاتون اپنے بچے کے ہمراہ رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اور دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا اس بچہ کا بھی حج ہوجائے گا؟ آپؐ نے جواب دیا: ہاں، اور تمھیں اس کا ثواب ملے گا۔'' [11]

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ خواتین کو احکام دین سے واقفیت حاصل کرنے سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ مزید برآں وہ ان احکام کو یاد رکھنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کے لیے بھی کوشاں رہتی تھیں۔ اسی طرح روایات کے بیان میں ان کے ہاں اتفاق رائے اور یکسانیت قابل ذکر ہے۔ ان کی روایات میں جزوی اختلاف، ان کی صداقت پسندی اور غیر معمولی حافظہ کی صلاحیت پر دال ہے۔

حضرت شبیب بن غرقدہ حضرت جمرہ بنت قحافہ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں: ''حجۃ الوداع کے دوران میں امّ المومنین امّ سلمہؓ کے ہمراہ تھی۔ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''اے میرے امتیو! کیا میں نے پیغام تم تک پہنچا دیا؟ وہ کہتی ہیں کہ میرے چھوٹے بچے نے دریافت کیا کہ رسول اکرم ﷺ اپنی امّ (والدہ) کا حوالہ کیوں دے رہے ہیں؟ میں نے اسے سمجھایا کہ آپ کی مراد امت سے ہے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ''سنو! تم میں سے ہر شخص کا مال وجائیداد، عزت وآبرو اور زندگی اسی طرح محترم ہے جیسے آج کا دن، یہ شہر اور یہ ماہ۔'' [12]

حضرت ربیعہ بن عبدالرحمٰن بن حصین نے اپنی دادی حضرت سرّاء بنت نبہانؓ کے بارے میں درج ذیل روایت بیان کی ہے: ''قبولِ اسلام سے قبل ان کی دادی ایک معبد میں

پجارن تھیں۔ حجۃ الوداع کے دوران یوم النحر کے موقع پر انھوں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ استفسار کرتے ہوئے سنا: یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: اللہ اور اس کے رسول کو اس کا بہتر علم ہے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ ایام تشریق کا بہترین دن ہے (یعنی 10 ذی الحجہ)۔ پھر آپؐ نے دریافت کیا: یہ کون سا شہر ہے؟ حاضرین نے جواب دیا: اللہ اور اس کے رسول کو اس کا بہتر علم ہے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ مشعر حرام ہے۔ پھر آپؐ نے دریافت فرمایا: ''سنو! جس طرح یہ دن اور یہ شہر محترم ہیں اسی طرح تم میں سے ہر ایک کا خون، مال اور عزت محترم ہے۔ سنو! مجھے علم نہیں کہ آج کے بعد میری تم سے ملاقات ہوگی یا نہیں، لہٰذا ہر شخص اس پیغام کو غیر موجود افراد تک پہنچا دے۔ سنو! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے؟ حاضرین نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر آپؐ نے مدینہ واپسی کی اور وہیں آپؐ کی وفات ہوئی''۔ [13]

نجی ملاقاتیں

مردوں کے بہ نسبت عورتوں کو یہ سہولت حاصل تھی کہ وہ آزادی اور آسانی سے امہات المومنین سے ملاقات کرتیں اور تحصیل علم سے سرفراز ہوتی تھیں۔ اس کی چند مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔ چند مزید مثالیں درج ذیل ہیں:

عبد الرحمٰن بن حمید نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنی والدہ حضرت امّ کلثوم بنت عقبہؓ سے اور انھوں نے حضرت بُسرہ بنت صفوانؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ تشریف لائے جب کہ میں حضرت عائشہؓ کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ آپؐ نے دریافت کیا: بُسرہ! امّ کلثوم کو نکاح کا پیغام کس نے دیا ہے؟ میں نے جواب دیا: فلاں اور فلاں اور عبد الرحمٰن بن عوف نے۔ آپؐ نے فرمایا: پھر اس کی شادی عبد الرحمٰن بن عوفؓ سے کیوں نہیں کی جاتی کہ ان کا شمار بہترین مسلمانوں اور زعماء میں ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا: امّ کلثوم کو یہ ناپسند ہے کہ وہ کسی ایسے شخص سے شادی کرے جس کی بیوی موجود ہو۔ ان کو یہ بھی گوارا نہیں کہ وہ عبد الرحمٰن بن عوفؓ سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دیں، کیوں کہ ان کی بیوی اور وہ خالہ زاد بہنیں ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی تجویز کا اعادہ کرتے ہوئے فرمایا: اگر

امّ کلثوم عبد الرحمٰن بن عوفؓ سے شادی کر لے تو وہ خوش وخرم رہے گی اور یہ نکاح اس کے لیے باعث مسرت ہوگا۔ واپس آ کر میں نے امّ کلثوم کو پورا واقعہ بتایا۔ انھوں نے عبد الرحمٰن اور اپنے اعزّا اور اقرباء کو طلب کیا، جن میں خالد بن سعید بن العاصؓ اور عثمان بن عفانؓ بھی شامل تھے۔ ان دونوں نے امّ کلثوم کا نکاح عبد الرحمٰن بن عوف سے کرا دیا۔'' [14]

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ زینب ایک کاریگر تھیں۔ جن اشیاء کی وہ صنعت گری کرتیں ان کی فروخت سے ان کی کچھ آمدنی ہو جاتی۔ درج ذیل حدیث انہی کی سند پر ہے، جس کے راوی حضرت عمرو بن الحارث ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ''رسول اکرم ﷺ نے ہم خواتین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: صدقہ اور خیرات دو، خواہ یہ تمہارے زیور میں سے ہو، ورنہ آخرت کے دن تم اس انبوہ میں کثرت سے ہوگی جو جہنم میں ڈالے جائیں گے''۔ وہ کہتی ہیں: ''میرے شوہر عبد اللہ ایک نادار شخص تھے۔ میں نے ان سے کہا: رسول اکرم ﷺ سے میرے بارے میں دریافت کر لیجیے کہ کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں صدقہ اور خیرات اپنے شوہر اور اپنے زیر کفالت یتیموں پر صرف کروں۔ وہ مزید کہتی ہیں کہ آں حضرت ﷺ کا رعب دلوں میں ایسا جاگزیں تھا کہ میرے شوہر کو رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ انھوں نے مجھ سے کہا: تم ہی جاؤ اور دریافت کرو۔ وہ کہتی ہیں کہ میں آپؐ کے در پر حاضر ہوئی۔ وہاں میں نے زینب نامی ایک انصاری خاتون کو موجود پایا۔ وہ بھی یہی استفسار کرنے حاضر ہوئی تھیں۔ وہ کہتی ہیں: پھر حضرت بلالؓ برآمد ہوئے اور ہم نے ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے ہمارے معاملے میں دریافت کریں کہ کیا ہمارا یہ صدقہ خیرات کافی ہے کہ ہم اپنے شوہروں اور اپنے زیر کفالت یتیموں پر خرچ کریں۔ حضرت بلالؓ اندر گئے اور رسول اکرم ﷺ سے فرمایا: زینب دروازے پر حاضر ہے۔ آپؐ نے دریافت کیا: کون زینب؟ حضرت بلالؓ نے جواب دیا: عبد اللہ کی اہلیہ زینب اور ایک اور انصاری خاتون یہ دریافت کرنے حاضر ہوئی ہیں کہ کیا وہ اپنا مال اپنے شوہروں اور زیر کفالت یتیموں پر خرچ کر سکتی ہیں؟ کیا اس سے ان کا صدقہ خیرات ادا ہو جائے گا؟ وہ کہتی ہیں کہ بلالؓ ہمارے پاس آئے اور کہا: رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں تمہارے لیے تو دوگنا ثواب ہے۔ ایک اس کا کہ تم نے صلہ رحمی کی اور دوسرا اس کا

کہ تم نے صدقہ کیا۔" [15]

مذکورہ بالا حدیث کا پس منظر خاصا اہم ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جن کا شمار اوائل اسلام کے اہم فقہاء میں ہوتا ہے، ان کو اس امر پر کوئی اعتراض نہیں تھا کہ ان کی اہلیہ رسول اکرم ﷺ سے ایسے معاملے میں استفسار کریں جو وہ خود بھی کر سکتے تھے۔ مزید برآں رسول اکرم ﷺ کا سائل کی شناخت کے بارے میں سوال اس کی دلیل ہے کہ اس کی شناخت سے اس کی ضرورت کا بخوبی علم ہو جاتا ہے اور اس کی استعداد اور حالات کے مطابق مناسب جواب دینے میں سہولت ہوتی ہے اور اس کو دیے جانے والے مشورہ کی تفہیم اور اس پر عمل درآمد کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ غرض یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کرامؓ کے ذاتی معاملات سے واقف ہونے میں کوئی عار نہ تھا۔ صحابہ کرامؓ سے آپ کا تعلق مجرد رسمی نہ تھا، بلکہ اس کے برعکس آپ کا ان سے تعلق گرم جوشی اور بے تکلفی سے عبارت تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ آپ پر بہت زیادہ اعتماد کرتے اور آپؐ سے بے پایاں محبت کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ نے سلمیٰؓ سے درج ذیل روایت بیان کی ہے، سلمیٰؓ رسول اکرم ﷺ کے صاحب زادے ابراہیم کی انا تھیں۔ سلمیٰ نے کہا: "یا رسول اللہ آپؐ تمام بشارتیں مردوں کو ہی دیتے ہیں۔ عورتوں کو آپ کوئی بشارت یا خوش خبری نہیں دیتے۔" رسول اکرم ﷺ نے دریافت کیا: کیا اور صحابیات نے تمھیں یہ سوال کرنے پر مامور کیا ہے"؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا اور بتایا کہ دیگر خواتین نے ان سے یہ سوال دریافت کرنے کے لیے کہا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے جواب دیا: کیا تمھیں اس سے تسلّی نہ ہوگی کہ جب تم اپنے شوہر سے حاملہ ہوتو وہ تم سے راضی ہو، اس حال میں تم کو بھی وہی اجر ملتا ہے جو اس شخص کو ملتا ہے جو دن میں روزہ رکھتا ہو اور رات میں عبادت کرتا ہو۔ اسی طرح جب تمھیں دردِ زہ ہوتا ہے تو زمین و آسمان میں جو موجود ہے انہیں یہ علم نہیں کہ اس خاتون کے لیے کیا اجر محفوظ ہے۔ جب تمھارے یہاں بچے کی ولادت ہوتی ہے تو دودھ کا ہر قطرہ جو بچہ تمھارے جسم سے حاصل کرتا ہے اس کے عوض تمھارے اعمال نامہ میں ایک نیکی درج کی جاتی ہے۔ اسی طرح جب وہ بچہ تمھیں رات میں نیند سے بیدار کرتا ہے تو تمھیں وہی اجر ملتا ہے جو راہ خدا میں ستّر غلاموں کی رہائی پر ملتا ہے۔ سلمیٰ!

کیا تمھیں علم ہے کہ اجر کثیر کن خواتین کے لیے ہے؟ یہ ان خواتین کے لیے ہے جو متقی، دین دار، اپنے شوہروں کی اطاعت گزار ہوں اور ناشکری کرنے والی نہ ہوں۔" [16]

یہ چیز معروف ہے کہ رسول اکرم ﷺ صحابہ کے گھر ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ آپ اپنی رشتے دار خواتین سے ملاقات کرتے اور اگر ضرورت ہوتی تو دیگر خواتین سے بھی ملتے۔ محمد بن سلیمان بن ابی حثمہ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت شفاءؓ کے مکان میں دائیں جانب نماز ادا کی۔ آپؐ نے بُسریٰ بنت صفوان کے مکان پر بھی نماز ادا کی۔ [17] ان مواقع پر ان گھروں کی خواتین نے آپؐ کے ارشادات اور احکام سے فیض اٹھایا، آپ سے استفسارات کیے اور تحصیل علم کی سعادت حاصل کی۔

عبد اللہ بن الحارث ہاشمی، حضرت امّ الفضلؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: رسول اکرم ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ اس اثنا میں ایک بدّو آیا اور اس نے کہا: "اے اللہ کے رسول! میری ایک بیوی تھی، پھر میں نے ایک اور نکاح کر لیا۔ میری پہلی بیوی کا دعویٰ ہے کہ اس نے میری دوسری بیوی کو ایک یا دو مرتبہ دودھ پلایا ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "صرف ایک یا دو مرتبہ دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔" [18]

یزید بن الحاد نے ہند بنت الحارث اور انھوں نے حضرت امّ الفضلؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: رسول اکرم ﷺ میرے شوہر عباسؓ کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ حضرت عباسؓ آپ کے چچا تھے۔ انھوں نے موت کی تمنا کا اظہار کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اے رسولؐ کے چچا! موت کی تمنا نہ کیجیے، کیوں کہ اگر آپ صالح ہیں تو آپ کے نیک اعمال میں اضافہ ہوتا جائے گا اور یہ آپ کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر آپ کے اعمال اچھے نہیں ہیں تو آپ کو مہلت مل جائے اور آپ کے لیے توبہ اور مغفرت کا موقع ہوگا۔ لہٰذا موت کی آرزو نہ کیجیے۔" [19]

رسول اکرم ﷺ ربیع بنت معوذ کے ہاں ان کے نکاح کے دن صبح تشریف لے گئے۔ وہ بیان کرتی ہیں: "رسول اللہ ﷺ میرے نکاح کے دن میرے ہاں تشریف لائے اور میرے

بستر کے اِس حصہ پر تشریف فرما ہوئے۔ دو لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اور غزوۂ بدر میں شہید ہونے والے آباء کے بارے میں نغمہ سرا تھیں۔ اپنے نغمہ میں انھوں نے کہا: ہمارے درمیان ایسا پیغمبر ہے جسے علم ہے کہ کل کیا ہوگا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اس جزو کو حذف کردو۔'' [20]

حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ امّ سلیم کے یہاں تشریف لے گئے اور ان کے مکان میں نفل نماز ادا کی، پھر فرمایا: اے امّ سلیم! جب تم فرض نماز ادا کرلو تو دس دفعہ سبحان اللہ، دس دفعہ الحمد للہ اور دس دفعہ اللہ اکبر کا ورد کیا کرو، پھر تمہیں جو حاجت ہو وہ اللہ کے سامنے پیش کیا کرو، تمہاری دعا قبول ہوگی۔ آپؐ نے تین دفعہ اثبات میں سر ہلایا۔ [21]

حضرت انس بن مالکؓ سے یہ روایت بھی منقول ہے: ''رسول اکرم ﷺ حضرت امّ سلیم کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جو کچھ انھوں نے پکایا ہوتا وہ آپؐ کی خدمت میں پیش کرتیں۔ وہ کہتی ہیں کہ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا، جس کی کنیت ابو عمیر تھی۔ ایک دن جب رسول اکرم ﷺ ہمارے یہاں تشریف لائے اور دریافت کیا: ابو عمیر اداس کیوں ہے؟ تو میں نے جواب دیا: اس کی پالتو چڑیا، جس سے وہ کھیلتا تھا مر گئی ہے۔ رسول اکرمؐ نے ابو عمیر کے سر کو سہلایا اور تشفی آمیز انداز میں یہ مقفع جملہ ادا کیا ''یا ابو عمیر ما فعل النغیر'' (اے ابو عمیر! اس چڑیا کو کیا ہوا؟ [22]

رسول اکرم ﷺ رشتہ داری کی بنا پر حضرت امّ حرام کا لحاظ کرتے تھے، ان کے گھر تشریف لے جاتے اور وہاں آرام کرتے تھے۔ وہ حضرت انس بن مالکؓ کی خالہ تھیں۔ انس بیان کرتے ہیں: ''امّ حرام بنت ملحانؓ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک دن ان کے ہاں آرام کیا۔ بیدار ہوئے تو آپؐ کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ میں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول آپ کی مسکراہٹ کا کیا سبب ہے؟ آپؐ نے جواب دیا: مجھے میری امت کے چند افراد اس حال میں دکھائے گئے کہ وہ تخت نشین بادشاہوں کی مانند سمندر پر سوار تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ دعا فرمائیں کہ میرا شمار ان افراد میں ہو۔ آپؐ نے دعا کی پھر فرمایا: تمہارا شمار ان میں ہوگا۔'' پھر حضرت امّ حرامؓ کا نکاح عبادۃ بن الصامتؓ سے ہوا اور اپنے شوہر کے ہمراہ انھوں نے ایک بحری مہم میں شرکت کی، البتہ راہ میں سواری سے گر جانے

کے باعث ان کا انتقال ہو گیا۔ [23]

رسول اکرم ﷺ اپنی عم زاد ہمشیرہ حضرت امّ ہانی بنت ابی طالبؓ کے مکان میں تھے جب معراج اور اسراء کا واقعہ پیش آیا۔ سیرت نگار ابن اسحاق نے یہ روایت نقل کی ہے کہ امّ ہانی نے کہا: ''یہ سفر اس دن پیش آیا جب رسول اللہ ﷺ میرے مکان میں تھے۔ آپؐ نے عشاء کی نماز ادا کی، پھر سو گئے اور ہم بھی۔ صبح صادق سے کچھ قبل آپؐ نے ہم سب کو بیدار کیا۔ آپؐ کی معیت میں ہم نے فجر کی نماز ادا کی۔ پھر آپؐ نے فرمایا: امّ ہانی! جیسا کہ تم واقف ہو، عشاء کی نماز میں نے تمہارے ساتھ ادا کی، پھر میں یروشلم گیا اور وہاں نماز ادا کی۔ پھر آپؐ نے اسراء اور معراج کا پورا واقعہ بیان کیا۔'' [24]

نبوت کے خاتمہ کے بعد ان صحابہ نے تعلیم و تدریس کا فریضہ انجام دیا جن کی رسول ﷺ نے تربیت کی تھی اور جو آپؐ کے اُسوہ اور اعلیٰ کردار اور آپؐ کے نقش قدم پر گامزن تھے۔ ان میں خواتین بھی شامل تھیں، البتہ یہاں ان خواتین کا تذکرہ پیش کیا جا رہا ہے جو طلبِ علم کی شائق تھیں۔ صحابہ کی صفات اور تعلیمات کے بارے میں ہمیں ان کی کاوشوں سے بہت کچھ علم ہوتا ہے۔ ابن عبدالبر نے اُنیسہ النخعیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اُنیسہ نے حضرت معاذؓ کے سفر یمن کے بارے میں مطلع کیا: ''معاذ نے مجھ سے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کے طور پر تم سے مخاطب ہوں۔ روزانہ پنج وقتہ نماز ادا کرو، ماہ رمضان میں روزے رکھو، بیت اللہ کا حج کرو۔ حج کا حکم ان کے لیے ہے جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں۔'' معاذ اس وقت صرف 18 سال کے نوجوان تھے۔'' [25] اسماعیل البزار روایت کرتے ہیں کہ امّ عفیف نے کہا: ''میں نے مزدوروں کے لبادوں کی طرح سرخ لبادے میں ملبوس حضرت علی بن ابی طالبؓ کو دیکھا۔ اس لبادے پر ایک سفید پیوند بھی لگا ہوا تھا۔'' [26]

ابو عبیدہ نے لؤلؤہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے عمار کا حال بیان کیا۔ عمار امّ الحکم بنت عمار کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کے بقول عمار طویل القامت، گندمی رنگت کے اور طویل الجثہ تھے۔ انھوں نے خضاب سے اپنے سفید بال رنگے نہیں تھے۔'' [27]

خواتین کی علماء کے گھروں میں آمد و رفت رہتی، تا کہ وہ احکام دین اور ہدایت حاصل کریں۔ امّ طلق روایت کرتی ہیں: ''میں حضرت ابوذرؓ کے ہاں گئی اور ان کو اس حال میں دیکھا کہ بال خاک آلود اور پراگندہ تھے اور ان کے ہاتھ میں اُون تھا اور دو سلائیاں، جن سے وہ کچھ بُن رہے تھے۔ میں نے ان کے گھر میں کوئی سامان نہیں دیکھا۔ میں نے انہیں کچھ آٹا دیا۔ انھوں نے کہا: تمہارا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔'' [28]

ابوالصباح نے امّ کثیر بنت مرقد سے روایت کی ہے: ''میں اور میری بہن حضرت انس بن مالکؓ کے ہاں حاضر ہوئے۔ میں نے کہا: میری بہن آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتی ہے، لیکن اسے حیا آتی ہے۔ حضرت انسؓ نے کہا: اسے دریافت کرنا چاہیے۔ کیوں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ طلبِ علم ایک فریضہ ہے۔ میری بہن نے ان سے کہا: میرا ایک بیٹا ہے، جو خاصا وقت کبوتر اڑانے میں صرف کرتا ہے۔ انھوں نے کہا: یہ منافقوں کا وطیرہ ہے۔'' [29]

بشر بن عمر نے امّ عبدان، ہشام بن حسن کی اہلیہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''ہم محمد بن سیرین کے ہاں بطور مہمان مقیم تھے۔ ہم رات میں نماز اور دعا کے دوران ان کی گریہ وزاری سنا کرتے تھے، جبکہ دن میں وہ اپنے مہمانوں کی خاطر داری میں ہنسا کرتے۔'' [30]

عاصم الاحول نے کریمہ بنت سیرین سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے عبید اللہ بن عمر سے دریافت کیا: ''میں نے اپنے اوپر ہر چہار شنبہ کا روزہ فرض کر لیا ہے اور اگلا چہار شنبہ یوم النحر ہے۔ انھوں نے جواب دیا: اللہ نے حکم دیا ہے کہ اپنے عہد کو پورا کرو اور رسول ﷺ نے یوم النحر کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت کی ہے۔'' [31] حضرت ابن عمرؓ کا مقصود یہ تھا کہ وہ کسی اور دن اس کے عوض میں روزہ رکھیں، کیوں کہ انھوں نے روزہ رکھنے کا عہد کیا تھا۔

عمر بن قیس نے اپنی والدہ سے روایت کی ہے، انھوں نے بیان کیا کہ ''وہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے مکان پر اس وقت گئیں جب وہ نماز ادا کر رہے تھے۔ چھت سے ایک سانپ ان کے بیٹے ہاشم پر گرا اور اس کے پیٹ پر جا بیٹھا۔ [32] تمام اہل خانہ چیخے: سانپ سانپ اور

اسے ہلاک کر دیا، لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر نماز کی ادائیگی میں مشغول رہے۔ انھوں نے اس جانب نظر تک نہ ڈالی اور نماز مکمل کرنے میں کوئی عجلت نہ کی۔ سانپ مرجانے کے بعد انھوں نے اپنی نماز ختم کی، پھر دریافت کیا: تم لوگوں کو کیا ہو گیا تھا؟ ہاشم کی والدہ نے کہا: آپ پر اللہ کی رحمت ہو اگر آپ کو ہماری فکر نہیں تو کیا اپنے بیٹے کا بھی کچھ خیال نہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا: تُف ہے تم پر۔ اگر میں اپنی توجہ اس جانب کرتا تو میری نماز کا کیا ہوتا؟''

حجاج بن حسان روایت کرتے ہیں کہ وہ اور ان کی بہن حضرت انس بن مالکؓ کے ہاں گئے۔ حجاج کو مخاطب کرتے ہوئے ان کی بہن مغیرہ نے کہا: اس وقت تم چھوٹے سے بچے تھے اور تمہارے بال کی دو لٹیں تھیں۔ حضرت انس بن مالکؓ نے اپنا ہاتھ تمہارے سر پر پھیرا، تمہیں دعا دی اور کہا یہ لٹیں کاٹ دو، کیوں کہ یہ یہودیوں کا مخصوص انداز ہے۔'' [33]

بسا اوقات رسول اکرم ﷺ کے اُسوہ پر عمل کرتے ہوئے علماء خواتین کے پاس جاتے۔ حزان ابن سعید نے امّ السعبہ سے روایت کی ہے: ''ابوالدرداء فتنے کے دور میں ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم سب جمع ہوئے۔ انھوں نے کہا: مرجاؤ، تا کہ اولاد در اولاد حکمرانی کے سلسلے سے تم محفوظ رہو، یعنی ملوکیت سے محفوظ رہو۔'' [34] اسماعیل بن عبید اللہ نے کریمہ بنت الخشخاس المزنیہ سے روایت کی کہ انھوں نے کہا: ''امّ الدرداء کے مکان میں میں نے ابو ہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ تین کام دورِ کفر کے ہیں: 'کسی کی موت پر واویلا کرنا، کپڑوں کو پھاڑنا اور لوگوں کو ان کے حسب و نسب کے معاملے میں طعنہ دینا۔'' [35]

اسفار

رسول اکرم ﷺ نے اس امر کی حوصلہ افزائی کی کہ تحصیل علم کے لیے سفر کیا جائے۔ آپؑ نے فرمایا: تحصیل علم کے لیے جو شخص سفر کرتا ہے اللہ اس کے لیے جنّت کی راہ ہموار کرے گا۔'' [36] علماء بالخصوص محدثین کے یہاں تحصیل علم کے لیے اسفار کی روایت بہت مستحکم رہی ہے۔ ابراہیم ابن ادہم (م 162) کہتے ہیں: اللہ اس امت کو آزمائش سے محفوظ رکھتا ہے، کیوں کہ اس کے افراد علم حدیث حاصل کرنے کے لیے سفر اختیار کرتے ہیں۔'' امام مالکؒ نے یحییٰ

بن سعید اور انھوں نے سعید بن المسیّب سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''ایک حدیث کی خاطر میں دن رات سفر کیا کرتا تھا۔'' نصر بن مرزوق نے عمرو بن سلامہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''میں نے اوزاعیؒ سے کہا: اے ابوعمرو (ابوعمرو امام اوزاعی کی کنیت تھی) میں گزشتہ چار دن سے ہمہ وقت آپ کی خدمت میں ہوں، پھر بھی میں نے آپ سے صرف تیس احادیث کی سماعت کی ہے۔'' انھوں نے جواب دیا: کیا چار دنوں میں تیس احادیث کی سماعت کو تم کم سمجھتے ہو؟ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے صرف ایک حدیث کی خاطر مصر کا طویل سفر کیا تھا۔ انھوں نے ایک اونٹ خریدا اور اس پر سوار ہو کر مصر پہنچے اور وہاں عقبہ بن عامرؓ سے صرف ایک حدیث کے بارے میں استفسار کیا، پھر مدینہ واپس لوٹے اور تم چار دن میں تیس احادیث سننے کو کم گردانتے ہو۔'' [37]۔

اس چیز کو ترجیح حاصل ہے کہ مطالعہ کی ابتدا پہلے اپنے محلّہ کے علماء سے کی جائے اور ان میں بھی ان علماء کا انتخاب کیا جائے جن کے ہاں عالی اسناد ہوں اور راوی کم ہوں۔ اس سے اصل مآخذ تک رسائی آسان ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد پھر طالب علم دیگر علاقوں کے علماء سے علم حدیث حاصل کرے۔ احمد بن حنبلؒ نے اعلیٰ اسناد کے حصول کے لیے سفر کا حکم دیا اور یہ مثال دی کہ علقمہ اور اسود کو حضرت عمرؓ کی حدیث دیگر افراد کے واسطہ سے پہنچی، لیکن وہ حضرت عمرؓ کے پاس خود سفر کر کے گئے اور ان سے براہ راست حدیث کی سماعت کی۔ اس کے بعد ہی ان کو تسلی ہوئی''۔ [38]۔

سفر حج

خواتین نے بھی تحصیل علم کے لیے دیگر علاقوں کا سفر کیا۔ ہم نے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ خواتین مردوں کے ہمراہ عسکری مہمات میں شریک ہوتی تھیں اور ان کی صعوبتوں کے باوصف وہ یہ سفر کرتی تھیں، تاکہ احادیث اور سنّت حاصل کریں۔ یہ امر بدیہی ہے کہ مسلمانوں کے ہاں سفر کی روایت ماضی میں بھی اور آج بھی مستحکم رہی ہے۔ وہ ہر سال حج و زیارت کے لیے مکہ اور مدینے کی جانب سفر کرتے رہے ہیں۔ حج ایک ایسا موقع ہے جس میں دنیائے اسلام

کے مختلف گوشوں کے نمائندہ علماء باہمی ملاقات اور علمی تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔ بعض اوقات طلبۂ حدیث نے سفرِ حج اس مقصد سے کیا کہ ان کی علماء سے ملاقات ہوجائے۔[39]

علماء سے ملاقاتوں اور علمی تبادلۂ خیال کے باعث سنّت کی ترویج ہوئی اور اسلامی طرز معاشرت کو استحکام حاصل ہوا۔ اس تہذیبی اتحاد و اتفاق کا عملی طور پر اس دور کی سیاست اور اقتدار سے کوئی تعلق نہ تھا اور یہ تہذیبی یک جہتی ایک حد تک اور مخصوص اور متعین علاقوں میں سیاسی اتحاد میں معاون ثابت ہوئی۔ اس ضمن میں خواتین کے مرکزی کردار کا اعتراف لازم ہے کہ بہ طور عالمات اور معلمات انھوں نے بچوں کی تربیت میں نہایت اہم ذمہ داری نبھائی۔ اسلام کے عقائد اور احکام سے آگہی بخشتے ہوئے انھوں نے سنّت کو مستحکم کرنے اور فروغ دینے کا اہم کارنامہ انجام دیا۔

ہم نے ان احادیث کا حوالہ دیا ہے جن میں حجۃ الوداع کے موقع پر خواتین کے تحصیل علم کا ذکر ملتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ اور تابعین سے ان کے تحصیل علم کی مثالیں درج ذیل ہیں:

امّ الکرام سے حکم بن جہل نے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''حج کے دوران مکّہ مکرمہ میں میری ایک خاتون سے ملاقات ہوئی ،جس کے بہت سے خدّام تھے، البتہ ان کا زیور صرف چاندی کا تھا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کے خدّام میں کسی کے پاس چاندی کے علاوہ کوئی اور زیور کیوں نہیں ہے؟ انھوں نے جواب دیا: میرے دادا ایک دن رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر تھے۔ میں بھی وہاں موجود تھی اور میں کان میں سونے کی دو بالیاں پہنے ہوئے تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، یہ سونا جہنم کی آگ ہے۔'' اس لیے ہمارے خاندان میں کوئی بھی شخص چاندی کے علاوہ کوئی دوسرا زیور نہیں استعمال کرتا''۔[40]

یونس بن ابی اسحاق نے اپنی والدہ عالیہ بنت ایفع بن شراحیل سے روایت کی ہے کہ ان کی والدہ نے امّ محبّہ کے ہمراہ حج ادا کیا۔ وہ دونوں حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر ہوئیں، انھیں نے سلام کیا، ان سے علمی استفسارات کیے اور ان سے احادیث کی سماعت کی۔''[41]

ابو حبّان نے اپنے والد اور انھوں نے مریم بنت طارق سے روایت کی ہے کہ انھوں نے انہیں یہ بتایا کہ حج کے دوران کیسے انصار خواتین کے ایک گروہ کے ہمراہ انھوں نے حضرت عائشہؓ سے ملاقات کی اور ان سے نشہ آور مشروبات، ان کے اجزاء اور ان کے ظروف کے بارے میں سوالات کیے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔ ابو حبّان کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے یہ حدیث مریم بنت طارق کی حیات میں سنائی۔ [42]

کثیر بن زیاد نے مسّہ الازدیہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''میں نے حج ادا کیا، پھر حضرت امّ سلمہؓ کے پاس حاضر ہوئی، میں نے کہا: اے امّ المومنین! سمرہ بن جندبؓ خواتین کے لیے یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ زمانۂ حیض کی قضا نماز ادا کریں''۔ انھوں نے جواب دیا کہ ''نہیں، اس مدت کی قضا نماز نہیں ہے۔ خواتین نفاس کے باعث چالیس دن تک نماز پڑھنے پر قادر نہ تھیں، رسول اکرم ﷺ نے انہیں کبھی یہ حکم نہ دیا کہ اس وقفے کی ساقط نمازیں ادا کریں۔'' [43]

اسماعیل بن ابی خالد نے اپنی والدہ اور اپنی ہم شیرہ سے روایت کی ہے کہ حج کے دوران منیٰ میں وہ حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر ہوئیں۔ اس موقع پر ایک خاتون نے دریافت کیا: کیا حالتِ احرام میں مجھے اپنا چہرہ ڈھانکنا چاہیے؟ حضرت عائشہؓ نے اپنے سینے کی اوڑھنی اٹھائی اور اپنے سر پر رکھ لی۔ [44]۔ اس طرح انھوں نے عملی طور پر وضاحت کی کہ صرف سر ڈھکا ہونا چاہیے، چہرہ ڈھانکنا ضروری نہیں۔

بعد کے ادوار میں بھی حج علمی تبادلۂ خیال اور علماء سے گفت وشنید کا ایک بہترین موقع ثابت ہوا۔ اس کی نمائندہ مثال مریم بنت الشیخ نور الدین ابوالحسن علی بن قاضی القضاۃ ہیں۔ وہ امّ ہانی (م 871) کے طور پر معروف ہیں۔ قاضی فخر الدین محمد بن محمد القیاتی کی پوتی اور علامہ سیف الدین الحنفی کی والدہ تھیں۔ ان کی پیدائش جمعہ، 15 شعبان 678 کو مصر میں ہوئی۔ ان کے نانا ان کو تعلیم دلانے کے بہت خواہاں تھے۔ وہ انہیں مکّہ مکرمہ لے گئے، جہاں انھوں نے علم حدیث کی تحصیل عفیف الدین النشاوری، ابوالعباس ابن عبدالمطیع، شہاب الدین ظاہرہ اور

محبّ الدین الطبری سے کی، پھر مصر میں ان کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ [45]

حصولِ علم کے لیے خواتین نے بھی اسفار کیے۔ شیخہ امّ الکرام کریمہ بنت احمد بن محمد بن حاتم المروزیہ (م463) علم حدیث میں اپنی مہارت کے لیے مشہور ہیں۔ اس حیثیت میں ان کا ہر مقام پر استقبال اور اکرام ہوا۔ تحصیلِ علم کی راہ میں انھوں نے سرخس، اصفہان، یروشلم اور پھر مکّہ مکرمہ کے سفر کیے۔ ذہبی راوی ہیں کہ ان کے والد کا تعلق کشمہان سے تھا۔ وہ امّ الکرام کریمہ کے ہمراہ یروشلم اور پھر مکّہ واپس آئے۔ انھوں نے **صحیح بخاری** کا درس ابوالہیثم الکشمہانی سے لیا۔ وہ ظاہر بن احمد سرخسی اور عبداللہ بن یوسف بن باموریہ الاصبہانی کی شاگردہ تھیں۔ [46]

اسی طرح ایک اور خاتون عالمہ، جنھوں نے تحصیل علم کی خاطر اسفار کیے اور علم دین حاصل کیا۔ وہ اعلیٰ اسناد کی حامل شیخہ امّ عبدالکریم فاطمہ بنت سعد الخیر بن محمد بن سہل الانصاری الاندلسی البلنسی (غالباً 625-600) ہیں۔ انھوں نے بغداد میں علم دین کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا اور بلادِ مشرق میں بھی علوم وفنون کو استحکام بخشا۔ یہ سلسلہ اس علاقہ میں منگولوں کی یلغار تک جاری رہا۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنے ان پیش رو علماء کی پیروی کی جو صلیبی جنگوں کے باعث فتنوں اور عسکری حالات کے دوران بھی فروغِ علم میں مشغول رہے۔ ان کی یہ علمی سرگرمیاں بلادِ مغرب اور بالخصوص بلاد شام اور مصر پر مرکوز تھیں۔ یہ امر بعید از امکان ہے کہ فاطمہ نے حرمین کا سفر نہ کیا ہو، کیوں کہ ان کے متعدد اسفار کا ذکر ملتا ہے، البتہ کسی مأخذ میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ انھوں نے حج ادا کیا۔ محض چار سے سات سال کی عمر سے وہ درس حدیث میں شریک ہوتی تھیں اور تحصیل علم میں انھوں نے بڑی مشقت اور جاں فشانی کا مظاہرہ کیا۔ ان کے کارنامے اس باب کا ایک روشن حصہ ہیں۔ جہاں تک ان مقامات کا تعلق ہے جہاں خواتین اور مرد حضرات نے علم حدیث کی تحصیل کی اور جس انداز سے اساتذہ نے احادیث کی ترسیل اپنے شاگردوں کو کی، اس باب میں جو دستاویزات مرتب ہوئیں ان تمام امور کی تفہیم وتشریح فاطمہ بنت سعد الخیر کی سوانح سے ہوتی ہے کہ ان کی زندگی تحصیل علم سے عبارت تھی۔ اس تذکرہ سے متعلق جدول اور نقشوں سے یہ نکات بھی آئینہ کی مانند واضح ہوجاتے ہیں کہ

تحصیل علم کے لیے خواتین نے بھی طویل مسافتیں طے کیں اور علماء کے مستقر تک اسفار کیے۔ گو کہ مآخذ سے علماء کے اسفار کی متعین نوعیت سامنے نہیں آتی لیکن گمان غالب ہے کہ وہ معروف تجارتی راستوں پر سفر کیا کرتے تھے۔ یہ نکتہ اس لیے بھی معتبر ہے کہ فاطمہ کے والد سعد الخیر تاجر بھی تھے اور محدث بھی۔

مقامات

مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے دروس بسا اوقات ان دکانوں میں منعقد ہوتے، جن کے مالک محدثین تھے، یا جن کو علم حدیث سے شغف تھا۔ ابتدائی زمانہ میں کوفہ، بصرہ، بغداد، واسط اور دمشق میں یہ روایت عام تھی۔ بعد کی صدیوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔[47]

دروسِ حدیث کے لیے باغات اور کھیتوں کا بھی استعمال ہوتا تھا۔ اس کا تذکرہ اگلے باب میں ہوگا۔ شہروں کے انتہائی سروں پر رباطیں واقع تھیں۔[48] یہاں لوگ تحصیلِ علم کے لیے اور اپنے علم دین میں اضافہ کے لیے جمع ہوتے۔ اس تعلیم میں درس حدیث لازمی جزو ہوتا ،جس میں کثرت سے افراد شریک ہوتے۔ بعد کے ادوار میں یہ روایت اور مستحکم ہوتی گئی۔ رباط قلینسی دمشق اس ضمن میں خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ یہاں درس حدیث کا اہتمام پابندی سے ہوتا اور مرد اور خواتین اس میں شریک ہوتے۔ شیخ احمد بن علی السلامی کی دمشق میں واقع رباط اس ضمن میں بہت مقبول و معروف تھی۔ شیخہ رابعہ بنت علی بن محفوظ بن صصری نے وہاں 572 میں حدیث أبی عمر و عثمان بن محمد السمرقندی کا درس حاصل کیا۔[49]۔ خدیجہ بنت ابی بکر بن سلمان الواعظ الحموی بیس طالبات کی ایک جماعت میں شامل تھیں اور دمشق کی رباط میں 610 میں [50]، انھوں نے عبدالجلیل بن ابی غالب بن المعالی بن السریجانی سے ابوعثمان طالوت بن عبّاد الصیر فی البصری (م 238) کی أحادیث طالوت کا درس لیا۔ آسیہ بنت محمد بن الدمشقیہ نے ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن بشران (م 430) کی تالیف أمالی ابن بشران کا درس ضیاء الدین عیسیٰ ابومحمد بن عبدالرزاق المغاری سے رباط القلینسی میں 703 میں حاصل کیا۔[51]

البتہ تمام ادوار میں یہ نکتہ مشترک ہے کہ خواتین کے درس حدیث کا مقام بالعموم ان کے اپنے یا رشتہ داروں کے مکان ہوتے، یا پھر دیگر افراد کے مکان یا مساجد یا مکاتب ہوتے۔

مکان

اگر کوئی اہل خانہ درس و تدریس کا فریضہ انجام دیتا تو خواتین کے علم حدیث کا ابتدائی مرکز ان کا اپنا گھر ہوتا۔ مرد و خواتین دونوں اساتذہ کے فرائض انجام دیتے۔ بعض اوقات طالبات اپنے اساتذہ کے مکان میں درس سے مستفید ہوتیں۔ یہ روایت آج تک جاری وساری ہے۔ متأخر ادوار کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔ ان کی توثیق مآخذ سے ہوتی ہے۔

اس امر کا دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ 685 میں دمشق میں شیخہ امّ محمد آمنہ بنت الامام الزاہد تقی الدین بن اسحاق بن ابراہیم بن علی احمد بن الفضل الواسطیۃ الدمشقیۃ (م 740) نے اپنے گھر پر اپنے والد سے **الفوائد الملتفظة و الفوائد الملتقطة** کا درس لیا۔ اس تالیف میں ابوالفتح عبداللہ بن الاحمد بن ابی الفتح الخرقی (م 579) کی ان احادیث کا انتخاب شامل ہے جن کے مرتب محمد بن المکی بن ابی الرجاء بن الفضل ہیں۔ [52] ملکہ بنت الجمال بن علی نے بن علی الدنیا (م 281) کی کتاب **الشکر للہ تعالیٰ** کا درس اپنے نانا ابوبکر بن زین الدین بن العباس احمد بن عبدالدائم المقدسی سے اپنے گھر میں حاصل کیا۔ [53] انہی کی نگرانی میں اور ان کے مکان پر ابوشیخ محمد بن الحسین البرجلانی (م 238) کی **کتاب الکرم و الجود وسخاء النفوس** کا درس لیا۔ [54]

دیگر حضرات کے مکانات پر دروس میں شامل خواتین میں اسماء بنت ابی بکر بن یونس الدمشقیۃ (م 691) کا ذکر ملتا ہے۔ انھوں نے جعفر بن علی بن ھبۃ اللہ الھمدانی سے **حدیث قس بن ساعدۃ الأیادی** میں مذکور ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابراہیم المعدل الرازی (م 525) کی روایات کا درس لیا اور یہ سلسلہ 635 تک ابن الہلال کے مکان میں جاری رہا۔ [55]

ایک اور مثال عدلیہ بنت ابی بکر بن عائذ کی ہے، جو ابوبکر بن محمد بن عمر العقربانی کی

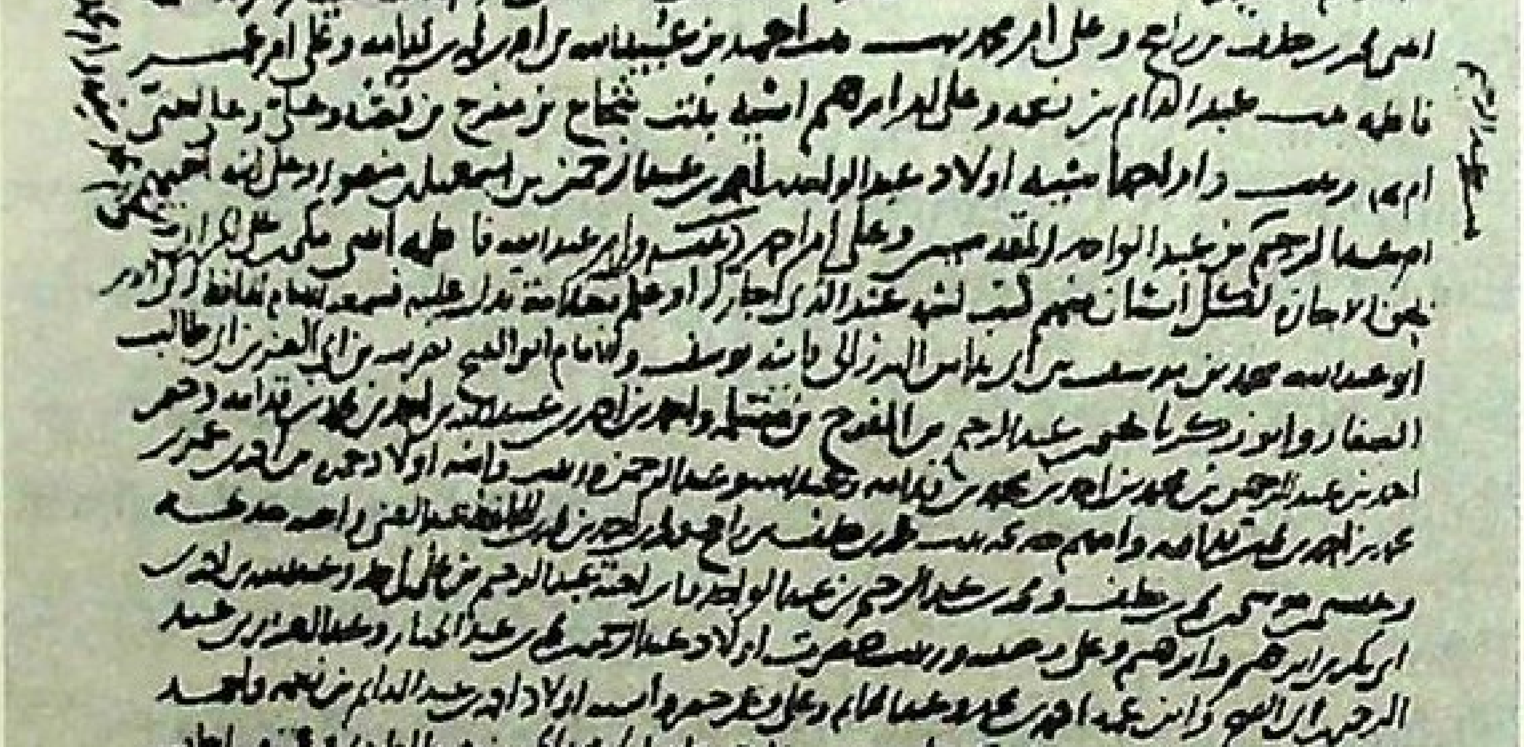
دادی تھیں۔ انھوں نے ابوالحسن محمد بن اسلم بن سالم الکندی الطّوسی (م 242) کی تالیف **الأربعین** کا درس بدرالدین بن محمد بن ابی الحزم سے اپنے ایک اہم جماعت طالب علم اسماعیل بن ابراہیم بن سالم الخباز کے مکان پر حاصل کیا۔[56] بعض اوقات استاذ اور شاگرد دونوں ہی خاتون ہوتے اور استاذ کے مکان میں درس وتدریس انجام پاتا۔ مثال کے طور پر خاتون بنت عبداللہ نے ابوطاہر محمد بن عبدالرحمٰن المخلص کی روایت کردہ روایات، جو **الفوائد المنتقاة الغرائب الحسان عن الشیوخ العوالی** کے جز ششم پر مشتمل ہیں، جس کے مرتب ابوالفتح ابن ابی الفوارس ہیں۔ ان کا درس معمر شیخہ امّ الفتیان ختمہ بنت الشیخ ابوالفتح المفرج بن علی ابن مسلمہ (م اندازاً 630) سے دمشق میں ان کے مکان پر 628 میں لیا۔[57]

اس کے علاوہ استاذ یا شاگرد کے مکان کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر بھی درس حدیث ہوا کرتا تھا۔ مثال کے طور پر آمنہ بنت احمد بن محمد بن احمد بن احمد بن عبداللہ بن الراجح نے شیخہ امّ محمد ہادیہ بنت علی بن عسکر البغدادی (م 712) اور سعد الدین یحیٰی بن محمد بن سعد بن عبداللہ المقدسی (م 721) سے شیخ شمس الدین عبدالرحمٰن بن تاج الدین عبدالرحمٰن بن عمر بن عوض المقدسی سے **أمالی أبی بکر محمد بن سلمان بن الحارث الباغندی الواسطی** کا درس لیا۔[58]

اپنے گھروں میں حدیث کے درس ومطالعہ کا اندازہ مندرجہ ذیل فہرست سے ہوتا ہے:
ان خواتین کے استاذ تقی الدین محمد بن طرخان بن ابی الحسن الدمشقی تھے، جو 627 میں شیخ موثق الدین کے دمشق میں واقع مکان میں تدریس کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ یہ جماعت الدیباجی اور دیگر محدثین کی احادیث کا درس لیتی تھی۔[59] اس حلقۂ درس میں زیادہ تر معلمات تھیں اور ان کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مکان مالک کے اہل خاندان سے تھیں۔ میں نے صرف معلمات کا ذکر کیا ہے۔ چوں کہ طالبات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس لیے ان کے نام حذف کردیے ہیں۔ البتہ ان طالبات کی تعداد کم ازکم چوبیس (24) تھی۔ اس دستاویز کی نقل بھی پیش ہے:

ام احمد آمنہ

ام عبداللہ خدیجہ بنت شیخ ابی عمر بن قدامہ



صورة نص الإجازة

امّ حمزہ سارہ بنت عبید اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ

امّ ابراہیم عزیزیہ بنت عبد الهادی بن یوسف بن محمد بن قدامہ

امّ ابراہیم آسیہ بنت شجہ

امّ محمد زینب بنت احمد بن عبید اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ

امّ عبد الرحیم بنت عبد الرحیم بن عبد الواحد المقدسی

امّ محمد صفیہ اور امّ محمد زینب بنت محمد بن ابراہیم بن سعد بن عبد اللہ المقدسی

امّ عبد الرحیم بنت عبد الرحیم بن عبد الواحد المقدسی

امّ سلیمان عائشہ

امّ احمد صفیہ اور امّ محمد فاطمہ بنت شیخ موفق الدین بن قدامہ

امّ احمد صفیہ بنت احمد بن عمر بن محمد بن احمد بن قدامہ

امّ عبد اللہ آسیہ

اور امّ محمد فاطمہ بنت محمد بن خلف بن رجیہ

امّ عمر فاطمہ بنت عبد الدائم بن نعمہ

امّ محمد زینب

اور امّ احمد آسیہ بنت عبد الواحد بن احمد بن عبد الرحیم بن اسماعیل بن منصور

امّ احمد زینب

اور امّ عبد اللہ فاطمہ بنت مکّی بن علی الحرّانی

امّ محمد صفیہ

اور امّ محمد زینب بنت محمد بن ابراہیم بن سعد بن عبد اللہ المقدسی۔

سماع میں شریک معلمات کے نام درج ذیل ہیں۔ اس حلقۂ درس میں شیخ موثق الدین کے مکان پر 627 میں الدیباجی اور دیگر محدثین کی احادیث کا درس دیا جاتا تھا۔

مساجد

ابتداء اسلام سے علم کی ترسیل اور ترویج میں باضابطہ اور بالواسطہ طور پر مساجد کا کلیدی

کردار رہا ہے۔ مساجد امت کی تعلیم گاہ اور تربیت گاہ رہی ہیں۔ [60]

اسلامی تاریخ میں اولین مدرسہ کا امتیاز مسجد نبوی کو حاصل ہے۔ مکّہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، دمشق، یروشلم اور مصر کی مساجد میں صحابہ درس دیا کرتے تھے۔ یہ روایت تابعین نے بھی برقرار رکھی۔ بعد کے دور میں امام ابو حنیفہؒ، ان کے شاگردوں اور دیگر علماء نے بھی یہی روش اختیار کی۔ بسا اوقات ایک ہی مسجد میں درس و تدریس کے متعدد حلقے قائم ہوتے تھے۔ ہر حلقہ اس مسجد کے کسی ستون کے اردگرد قائم ہو جاتا اور ممتاز اور واجب التعظیم اساتذہ کے حلقوں میں طالبانِ حدیث کثرت سے شریک ہوتے۔ [61]

مردوں کی مانند خواتین بھی مسجد جاتی تھیں۔ حضرت ہند بنت اسید بن حُضَیر الانصاریہ نے سورۂ ق آں حضرتؐ سے سن کر یاد کی تھی۔ آپؐ نے اس سورہ کی نماز میں تلاوت کی تھی۔ ابن جابر اور عثمان بن ابی العاتکہ کا قول ہے کہ ''وہ امّ الدرداء کے ہمراہ صرف دو کپڑوں میں مسجد آتی تھیں۔'' اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا سر ڈھکا ہوا نہ ہوتا تھا۔ وہ مردوں کی صف میں نماز ادا کرتی اور اساتذہ کے درسِ قرآن میں شریک ہوتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک دن حضرت ابوالدرداء نے انہیں خواتین کی صف میں شامل ہونے کی ہدایت کی۔'' [62]

جامع الحنابلہ موسوم بہ الجامع المظفری، جو قاسیون دمشق کے صالحہ محلّہ میں واقع ہے، اس مسجد میں خواتین پابندی سے درسِ حدیث میں شریک ہوتی تھیں۔ اس مسجد کی تعمیر کی ابتداء 598 میں ہوئی۔ ڈاکٹر محمد مطیع الحافظ نے 720 صفحات میں اس مسجد میں قائم درسِ حدیث کے حلقوں کا ذکر کیا ہے۔ [63] متعدد خواتین کا تذکرہ ملتا ہے کہ انھوں نے احادیث کے متعدد مجموعوں کی وہاں سماعت کی۔ درس و تدریس کا ایک اور مؤقر ادارہ عظیم مسجد اموی دمشق تھی۔ وہاں بھی خواتین مردوں کے شانہ بشانہ درس میں شامل ہوتی تھیں۔ مثال کے طور پر اسماء بنت احمد بن عالم بن محمود بن عمر الحرانی ان 20 طالبانِ حدیث کے گروہ میں شامل تھیں جنھوں نے 724 میں جامع اموی میں اسماعیل بن عمر بن ابی الفضل بن نصر الحموی ضیاء الدین سے ابوطاہر احمد بن محمد السّلفی الاصبہانی (م 576) کی تصنیف **المجالس الخمسة** کا درس لیا [64]۔

قطلو الرومیہ ان 43 طالبانِ حدیث کی ایک جماعت میں شامل تھیں جنھوں نے ابوالحارث سریج بن یونس بن ابراہیم بن شعبہ بلخی (م 235) کی تصنیف کتاب القضاء کے جزوسوم کا مطالعہ ان چار اساتذہ کی نگرانی میں کیا: (۱) جمال الدین یوسف بن الذکی عبدالرحمٰن بن یوسف بن المزی (۲) علم الدین القاسم بن محمد بن یوسف البرزالی (۳) شمس الدین محمد بن ابراہیم بن غنائم المہندس اور (۴) شمس الدین محمد بن احمد بن عبدالغنی الرقی۔ درس حدیث کا یہ سلسلہ جامع اموی میں 733 میں قائم تھا۔[65]

جامع بیت الابار شام ایک اور ایسی اہم مسجد تھی جہاں خواتین نے درس حدیث کی تحصیل کی۔ اس کی نمائندہ مثال رقیہ بنت داؤد بن عمر بن یوسف بن یحییٰ الشافعی ہیں، جو ان 22 طالبان حدیث کی جماعت میں شامل تھیں جنھوں نے فخر الدین محمد بن ابراہیم بن مسلم ابن سلمان الابرلی سے 631 میں ابوشیخ محمد بن الحسین البرجلانی (م 238) کی تصنیف کتاب **الکرم و الجود وسخاء النفوس** کا درس لیا۔[66]

مکاتب

مکاتب اور مدارس میں بھی خواتین درسِ حدیث میں شریک ہوتی تھیں۔ ان مکاتب کے مسجل سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دروس میں مرد وعورت دونوں شریک ہوتے تھے اور ان کے اساتذہ بھی مرد وخواتین دونوں ہوتے تھے۔ ذیل میں ان ممتاز مکاتب کا تذکرہ کیا جارہا ہے جہاں خواتین کثیر تعداد میں درس حدیث میں شریک ہوتی تھیں، مثلاً شیخ ابوعمر المقدسی کا صالحیہ دمشق میں 557 میں قائم مدرسہ العمریہ۔ اس مکتب میں حاضری کے اعداد وشمار ڈاکٹر محمد مطیع الحافظ کی تصنیف میں درج ہیں۔ اس ضمن میں اوّلین دستاویز 604 کی ہے۔ اس وقت حدیث کے استاد ابوحفص عمر بن طبرزد تھے، جو احادیث کے مختلف مجموعوں بشمول **أمالی القاضی أبی یعلیٰ الفراء** کی تدریس پر مامور تھے۔ ان کی جماعت میں 124 طالبانِ حدیث تھے، جن میں خدیجہ بنت شیخ العماد ابراہیم بن عبدالواحد المقدسیہ اور دیگر خواتین کا ذکر ملتا ہے۔[67]

دمشق کا مشہور مدرسۂ حدیث دار الحدیث النوریہ تھا۔ یہاں شیخہ امّ محمد آمنہ بنت الامام

الزاهد تقی الدین ابی اسحاق ابراہیم علی بن احمد بن الفضل الواسطیۃ نے ظاہر بن طاہر بن محمد الشحامی المعدّل (م533) کی کتاب **تحفة عيد الفطر** اور علی بن ابراہیم ابی داؤد بن العطار الدمشقی کی حدیث **أبی طاهر الزيادی** کا 724 میں درس لیا تھا۔[68]

مدرسہ المرشدیۃ بھی درس وتدریس کا ایک معروف مرکز تھا۔ یہاں اسماء بنت احمد بن عالم بن محمود بن عمر الحرانی (م357) کی **مجالس البطاقة** کا مطالعہ ان تین ممتاز اساتذہ حدیث کی نگرانی میں کیا:

(۱) سلطان اسد الدین ابو محمد عبد القادر بن عبد العزیز الایوبی۔

(۲) شہاب الدین ابو العباس احمد بن علی حسن بن داؤد الجزری الکردی

(۳) عماد الدین ابو بکر بن محمد بن الشیخ رضی الدین عبد الرحمٰن بن محمد بن عبد الجبار لمقدسی سے 733 میں درس لیا۔[69]

مدرسہ المسماریہ میں اسماء بنت ابی بکر بن حمزہ المرداوی 19 طالبان حدیث میں شامل تھیں۔جنھوں نے اپنی معلّمہ زینب بنت مکّی الحرانی (م688) کی نگرانی میں **حدیث بکر بن احمد الشیرازی** کا درس لیا۔[70]

چھٹی صدی میں دمشق میں درس وتدریس بالخصوص درس حدیث کا اہم ترین مرکز دار الحدیث الاشرفیۃ تھا، جہاں بعد کے دور میں ابو الحجاج المزی (م742) جیسے نام ور اساتذہ تھے۔خواتین وہاں کثرت سے درس میں شریک ہوتی تھیں۔مثال کے طور پر اسماء بنت الامام تقی الدین ابی عبد اللہ محمد بن سلیمان الجابران 28 طالبان حدیث کی جماعت میں شامل تھیں جنھوں نے اس دار الحدیث کے صدر مدرس حافظ ابو الحجاج جمال الدین یوسف بن عبد الرحمٰن المزی سے 741 میں حسن بن سفیان بن عامر الشیبانی (م303) کی **الأربعين** کا درس لیا۔[91]

دمشق میں درس حدیث کا ایک دوسرا قابل ذکر مرکز دار الحدیث الضیائیۃ تھا۔ یہاں شیخہ اسماء بنت محمد بن الکمال عبد الرحمٰن المقدسیۃ 34 طالبان حدیث میں شامل تھیں جنھوں نے 660

میں اس دور کے مشہور ترین استاذِ حدیث فخر الدین علی بن احمد البخاری کی نگرانی میں أمالی النقاش کا مطالعہ کیا تھا۔[72]

تحصیل علم حدیث کے طریقے

محدثین نے تحصیل حدیث کے آٹھ طریقوں کی صراحت کی ہے۔ ہر طریقے کے اپنے اصول اور ضوابط ہیں، جن کے مطابق احادیث کی ترسیل کی جاتی تھی۔ مردوں کی طرح خواتین بھی ان طریقوں پر عمل پیرا رہیں۔

ا۔ سماع

اعلیٰ تر روایت یہ ہے کہ حدیث اور سلسلہ راویان کی براہ راست سماعت کی جائے اور یہ سلسلہ راویان رسول کو محیط ہو۔ استاذ ایسی احادیث کو بیان کرے۔ سماع سے مراد ہے حافظہ کی بنیاد پر ادا کردہ استاذ کے الفاظ یا استاذ کی بیاض میں درج روایت۔ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں کہ علماء کی اکثریت اس نوع کی روایت کی برتری کی قائل ہے۔ جو شخص اس طور پر سماعت کرے وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ میں نے فلاں شخص سے یہ یہ سنا، یا وہ یہ جملہ استعمال کرسکتا ہے کہ مجھ سے روایت کی گئی۔'' [73] یا یہ مطلع کیا گیا یا یہ کہ مجھے اطلاع فراہم کی گئی۔ خطیب بغدادیؒ ان طریقوں میں طریقہ اولیٰ اس روایت کو قرار دیتے ہیں جو ان الفاظ پر مشتمل ہو کہ ''میں نے یہ سنا۔'' [74]

جب احادیث کے مستند مجموعے مرتب کردیے گئے تو اساتذہ سے طلبہ نے ان کتبِ حدیث کی سماعت کی اور سند کا سلسلہ ان کتب کے مصنفین اور ان کے توسط سے رسول اکرم ﷺ تک دراز ہوتا۔ یہی طریقہ ہمارے دور میں بھی رائج ہے۔ خواہ یہ کتب حجم کے لحاظ سے ہلکی ہوں یا ضخیم۔ اصل کتب میں ان کتابوں یا ان کے مسودوں میں حوالوں کا سلسلہ درج ہوتا ہے۔ ان حوالوں میں تصنیف کے ناقل کا بھی ذکر ہوتا اور اس کتاب کے مصنف کا بھی۔ ان کتب میں بسا اوقات ضمیمے ہوتے، جن میں مجلس میں شریک حضرات کی فہرست بھی ہوتی اور سماع کا موقع

ومحل بھی درج ہوتا۔ انہی دستاویزات کی روشنی میں یہ علم ہوتا ہے کہ ان مواقع پر عام طور پر خواتین اور بچے شریک ہوتے تھے۔

علماء کے درمیان یہ مسئلہ اختلافی رہا ہے کہ کس عمر کے بچے کی سماعت کو تسلیم کیا جائے اور اسے حدیث بیان کرنے کا اہل قرار دیا جائے؟ خطیب بغدادی نے اس اختلاف کا ذکر تفصیل سے کیا ہے، اس کے بعد یہ نتیجہ برآمد کیا ہے: ''علماء کی اکثریت اس کی قائل ہے کہ حدیث کی سماعت پانچ سال سے کم عمر بچے کے لیے بھی جائز ہے اور ہماری دانست میں یہ صائب رائے ہے''[75]۔

ابن الصلاحؒ کا قول ہے کہ علم حدیث کے متاخرین علماء کے یہاں یہ رواج ہے کہ وہ ایک پانچ سال یا اس سے زیادہ عمر کے بچے کے لیے تحریر کرتے ہیں کہ اس نے سماعت کی اور پانچ سال سے کم عمر کے بچے کے لیے یہ صراحت کرتے ہیں کہ وہ موجود تھا، یا اسے مجلس میں لایا گیا۔ اس معاملہ میں مناسب نکتہ یہ ہے کہ ہر بچے کے انفرادی حالات کا علیحدہ طور پر مطالعہ کیا جائے۔ اگر وہ تفہیم کی شرطوں کو پورا کرتا ہے تو اس کی سماعت کو ہم تسلیم کریں گے۔'' ابن الصلاح نے ایک شخص کی مثال دی ہے جس نے انتہائی کم عمری میں ایک حدیث کی سماعت کی اور جب اس سے اس باب میں جرح کی گئی تو اس کا بیان اصل حدیث سے متعارض نہیں پایا گیا۔[76]۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ نے بہت کم عمری میں علم حاصل کیا۔ چھوٹی بچی ہونے کے باوصف ان کی تحصیلِ علم غیر معمولی تھی۔ بعد کی صدیوں میں بھی چھوٹی بچیوں کی احادیث کی سماعت اور مجالسِ حدیث میں شرکت کثرت سے ثابت ہے۔[77]۔

۲۔ عرض

عرض کے لغوی معنیٰ پیش کرنا یا استاذ کی خدمت میں متن عرض کرنا ہے۔ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں: ''خواہ تم بہ آواز بلند پڑھو یا کوئی اور پڑھے اور تم اسے سنو یا تم اس کی عرض سنو یا تم کسی کتاب سے پڑھتے ہوئے اسے سنو یا اپنے حافظہ کی بنیاد پر سناؤ یا شیخ کو زبانی طور پر وہ

ازبر ہو جو اس کے سامنے پڑھا جا رہا ہو، یا اس کے پاس اصل کتاب ہو یا جماعت میں کسی معتبر شخص کے پاس اصل کتاب ہو، ان تمام صورتوں پر عرض کا اطلاق ہوتا ہے۔‘‘ [78]

خطیب کا قول ہے کہ فقہاء اور محدثین کی یہ رائے ہے، جس کی تصدیق آثار سے بھی ہوتی ہے کہ استاذ کی موجودگی میں مطالعہ اس سے سماعت کے مترادف ہے۔ [79] امام مالک ابن انسؒ اور امام سفیان ثوری کی بھی یہی رائے تھی کہ استاد سے مطالعہ اس سے سماعت کے ہم پلّہ ہے۔ [80]

عرض کا عمومی اور بہترین انداز یہ ہے کہ درج ذیل الفاظ استعمال کیے جائیں: میں نے فلاں اور فلاں کے سامنے مطالعہ کیا، یا اس کی قرأت فلاں اور فلاں کی موجودگی میں ہوئی اور میں نے بھی اس کی سماعت کی، فلاں اور فلاں نے اس کی توثیق کی۔ مناسب وضاحت کے ساتھ عرض کے لیے وہی تراکیب استعمال کی جاسکتی ہیں جو سماعت کے لیے مخصوص ہیں، مثلاً ’’اس نے ہم سے روایت اس طور پر کی کہ ہم نے اس کے سامنے قرأت کی‘‘ یا یہ کہ ’’اس کے سامنے ہماری قرأت کے ذریعہ اس نے ہمیں مطلع کیا۔‘‘ [81] بعد کے ادوار میں اس ترکیب کا استعمال عام ہوا کہ سماعت کے لیے ’’اس نے ہم سے روایت کی‘‘ اور عرض کے لیے اس نے ہمیں مطلع کیا۔‘‘ ابن الصلاحؒ نے محمد بن الحسن التمیمی الجوہری سے یہ نقل کیا ہے کہ مذکورہ بالا رائے بے شمار محدثین کی ہے۔ جب وہ یہ جملہ استعمال کرتے ’’اس نے ہمیں مطلع کیا‘‘ تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی کہ ہم نے اس کے سامنے قرأت کی۔ [82]

۳۔ اجازہ

اجازہ سے مراد استاد کی جانب سے کسی شخص کو یہ باضابطہ اجازت ہے کہ وہ اس کی تمام روایات یا تصنیفات کی روایت کرسکتا ہے۔ اجازہ کی مختلف اقسام ہیں:

الف۔ استاذ کسی شخص کو کسی متعین امر کا اجازہ ان الفاظ کے ساتھ دے: ’’میں نے تمہیں فلاں اور فلاں کتاب کی روایت یا میری فہرست میں درج روایات بیان کرنے کی اجازت دی۔‘‘ یہ اجازہ کی اعلیٰ ترین قسم ہے اور متاخرین علماء اس کی توثیق کرتے ہیں۔ [83]

ب۔ استاذ کسی شخص کو کسی غیر متعین امر کے بارے میں اجازت دے، مثلاً یہ کہے ''میں نے اپنی تمام روایات کی تمہیں اجازت دی۔'' محدثین اور فقہاء کی اکثریت اس اجازہ کو بھی تسلیم کرتی ہے۔[84]

ج۔ استاذ کسی متعین شخص یا متعین امر کے بغیر ان الفاظ میں اجازت دے: ''میں نے سب مسلمانوں کو یا ہر اس شخص کو جس نے زندگی میں مجھ سے سماعت کی ہو، اس کو اجازت دی۔'' یہ اجازۂ عام متنازعہ ہے اور تحدیدِ شرط کے بغیر اس کو عام طور سے تسلیم نہیں کیا جاتا۔[85]

خطیب بغدادی کی عمومی اجازہ کے بارے میں یہ رائے ہے: ''حدیث کے اجازہ کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض علماء اس کے قائل ہیں، جب کہ بعض اس کو تسلیم نہیں کرتے، البتہ اس کی تائید کرنے والے علماء بے شمار ہیں۔ مزید برآں جو علماء اجازہ کے قائل ہیں ان کے درمیان بھی اس باب میں اختلاف ہے کہ اس ذریعہ سے موصول احادیث پر عمل لازمی ہے یا نہیں۔ ظاہریہ اور بعض متاخر علماء اس کے قائل نہیں کہ ان احادیث کے مندرجات پر عمل آوری لازمی ہے، کیوں کہ ان کی سند منقطع ہے، یا یہ روایات مجہول اشخاص سے منسوب ہیں۔ البتہ علماء کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ ان احادیث پر عمل لازم ہے''[86]۔

۴۔ المناولہ

مناولہ سے مراد یہ ہے کہ استاذ اپنی اصل کتاب طالب علم کو عطا کرے، یا شاگرد اصل کتاب استاذ کے سامنے پیش کرے اور استاذ یہ الفاظ استعمال کرے: ''یہ میری حدیث یا کتاب ہے، لہٰذا اس سے روایت کرو۔'' شرط یہ ہے کہ استاذ اپنا اختیار شاگرد کو اس طور پر منتقل کر دے کہ شاگرد اب اس کا مالک ہو جائے، یا وہ متن کو اسے اس غرض سے عطا کر دے کہ شاگرد اس کو نقل کرے اور اس کا موازنہ کرے۔ متقدمین اور متاخرین کی اکثریت اس طریقۂ کار سے متفق نہیں، کیوں کہ مناولہ کے ذریعہ موصول احادیث کے لیے اگر یہ الفاظ استعمال کیے جائیں: ''اس نے ہم سے روایت کی یا اس نے ہمیں مطلع کیا'' تو ان تراکیب کی توضیح اور تشریح مناسب طور پر شامل ہونی چاہیے۔ ابن الصلاحؒ کی رائے ہے کہ علماء کی اکثریت اس امر کی

قائل ہے کہ صحیح اور قابل ترجیح رائے یہ ہے، جس کی تصدیق اور توثیق متقی اور مستند حضرات نے بھی کی ہے کہ وہ غیر مشروط طور پر ان الفاظ کے استعمال کو صحیح نہیں قرار دیتے کہ ''اس نے ہم سے روایت کی، یا اس نے ہم کو مطلع کیا''۔ اس کے بجائے راوی کو تفصیل سے آگاہ کرنا چاہیے اور یہ صراحت کرنی چاہیے کہ فلاں اور فلاں نے مجھ کو مناولہ یا اجازہ کے ذریعہ مطلع کیا، یا اس کے ہم معنیٰ الفاظ استعمال کرے۔'' [87]

۵۔ مکاتبہ

مکاتبہ ایک اصطلاح ہے، جس کے معنیٰ وہ خط و کتابت ہے جس کے ذریعہ استاذ اپنی حدیث یا تحریری نسخہ اپنے شاگرد کو منتقل کرے اور بالتصریح اس کو اس حدیث کی روایت کرنے کی اجازت دے۔ اس صورت میں اس کی نوعیت اجازہ کی سی ہو جاتی ہے۔'' [88] ابن الصلاحؒ کی رائے میں ممتاز محدثین، مثلاً ابن سعد اور منصور مکاتبہ کے قائل ہیں اور اس کے لیے ان الفاظ کا استعمال جائز قرار دیتے ہیں کہ ''اس نے ہم سے روایت کی، یا اس نے ہم کو مطلع کیا''۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ واضح کیا جائے کہ ''فلاں اور فلاں نے یہ تحریری طور پر مطلع کیا۔'' محتاط محدثین اس طرز کو بہتر قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر یہ کہا جائے تو بہتر ہے: ''اس نے ہمیں تحریری طور پر مطلع کیا'' [89]۔ خط و کتابت کی بنیاد پر مکاتبہ کا استعمال ایک محدثہ امّ عبداللہ بنت ابی الہاشم کے یہاں ملتا ہے۔ انھوں نے صحابی النعمان ابن البشیر (م65) سے تحریری طور پر دریافت کیا کہ حضرت زید بن خارجہؓ نے اپنے آخری لمحات میں کیا الفاظ ادا کیے تھے؟ بالفاظ دیگر انھوں نے حضرت نعمان ابن بشیر سے روایت کی سماعت کے بارے میں استفسار کیا اور نعمان نے اپنے جواب میں انہیں مفصل طور پر اس کے سلسلے میں مطلع کیا۔ [90]

۶۔ الاعلام

الاعلام کی اصطلاح اس صورت میں مستعمل ہے جب کہ استاذ نے اپنے شاگردوں کو کسی حدیث یا کتاب یا اپنی سماعت یا روایت کے مآخذ سے مطلع کرے لیکن بالتصریح انہیں اس کی مزید روایت کرنے کی اجازت نہ دے [91]۔ اس نکتے کے بارے میں علماء کے اختلاف

رائے کے ضمن میں ابن الصلاح رقمطراز ہیں ''مرجح رائے یہ ہے، جس کی تائید متعدد محدثین نے کی ہے کہ اس طریقہ کار کے ذریعہ موصول احادیث کی روایت جائز نہیں'' [92]۔

۷۔ وصیّہ

وصیت سے مراد وفات کے وقت کسی شیخ کی وصیت ہے، یا تحریری طور پر کسی متعین شخص کو اس کی یہ اجازت ہے کہ وہ اس کے اصل کی روایت کرے۔ بعض علماء وصیت کی بنیاد پر روایات بیان کرنے کے قائل ہیں، البتہ ان کی اکثریت شیخ کی اجازت کے بغیر روایات بیان کرنے کو جائز نہیں قرار دیتی۔ [93]

۸۔ وجادہ

وجادہ سے مراد کسی حدیث کو اس معنیٰ میں اخذ کرنا ہے کہ کوئی شخص کسی حدیث یا کتاب کو اس کے مصنف کے خط کی مدد سے شناخت کرے اور یہ صراحت کرے کہ ''میں نے اسے فلاں اور فلاں کے خط میں تحریر پایا۔'' اس صورت میں راوی کے لیے جائز نہیں کہ وہ یہ کہے کہ فلاں اور فلاں نے مجھے مطلع کیا، الاّ یہ کہ اس کے پاس متعین اجازہ ہو۔'' [94]

تابعین کے دور میں وجادہ کی ایک مثال یہ ہے کہ ہمام بن یحییٰ نے روایت کی کہ سلیمان الیشکری کی والدہ نے ان کی تصنیف پیش کی اور اس کی قرأت ثابت، قتادہ، ابو بشر، حسن اور مطرف کی موجودگی میں کی گئی۔ اس کے بعد ثابت کے سوا ان تمام اشخاص نے پوری روایت کی ترسیل کی۔ ثابت نے اس میں سے صرف ایک حدیث کی روایت کی۔ [95]

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابراہیم الشافعی رقم طراز ہیں کہ سمانہ بنت حمدان نے مجھ سے یہ روایت کی: ''میں نے اپنے دادا ابوفتاح بن حسان کی تصنیف میں یہ تحریر دیکھی''۔ عمرو بن شمر نے ہم سے ابوجعفر محمد بن علی سے اور انھوں نے علی بن حسین سے اور انھوں نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب منبر پر جلوہ افروز ہوتے تو یہ فرماتے......'' [96]۔

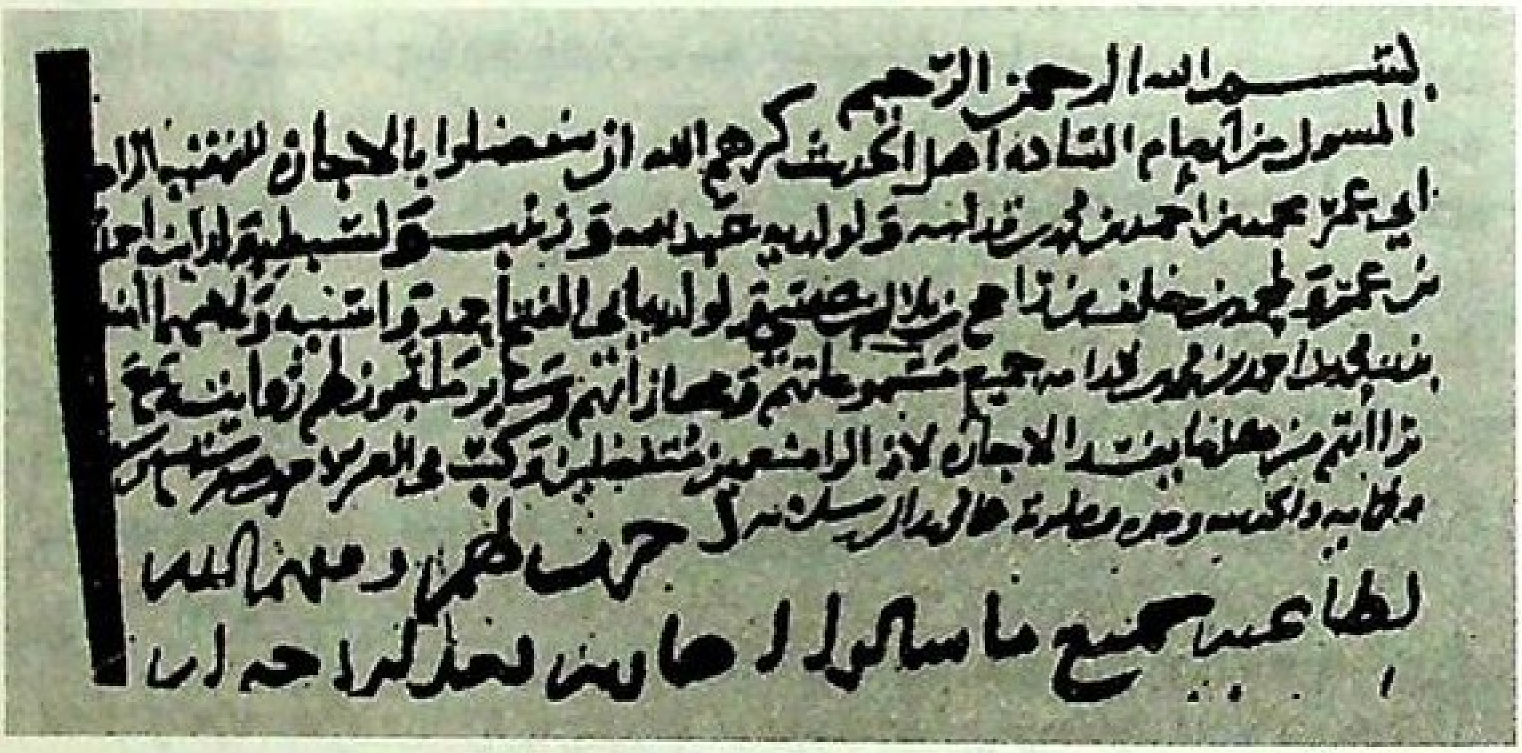
سماع اور اجازہ کی تسجیل

دستاویزی شکل میں محدثین کے یہاں سماع اور اجازہ کو محفوظ رکھنے کی قدیم اور عام روایت ہے۔ یہ دستاویزات ایک اہم مأخذ ہیں۔ سماعت کا ذکر بالعموم تصنیف کے ضمیمہ یا اس کے حواشی میں درج ہوتا ہے اور وہ مجلس کے انعقاد کی تاریخ اور مقام کو محیط ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جس شخص یا جن اشخاص نے اس کارروائی کو محفوظ کیا ہوتا ہے ان کے نام اور متعلقہ تفصیلات درج ہوتی ہیں۔ اساتذہ کا حال درج ہوتا ہے اور مجلس میں شریک حضرات کے اسماء مع ان کے القاب، کنیت اور شجرۂ نسب درج ہوتے ہیں۔ مزید برآں یہ وضاحت بھی ہوتی ہے کہ کس نے کتنی مجلسوں میں شرکت کی اور کس مجلس میں غیر حاضر رہا؟ یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ کن اشخاص سے کون سے نکات ساقط ہو گئے، جب کہ وہ نیند کی حالت میں تھے، یا باہم گفتگو میں مشغول تھے۔ ان تفصیلات سے ہمارے سامنے سماع کی واضح تصویر آتی ہے۔ ان تفصیلات کا انداز مختلف ہے۔ سماع کے بعض تذکرے بہت رسمی اور باضابطہ ہیں اور مرصّع انداز میں تحریر کیے گئے ہیں۔ اس کے برخلاف سماع کے بعض تذکرے حواشی کے انداز میں ہیں اور جہاں موقع ملا، ان کو درج کرلیا گیا ہے۔ کم جگہ میں درج ہونے کے باعث ان کا مطالعہ بھی دشوار ہے۔ اجازہ حاصل کرنے کے لیے درخواست کے طور پر باضابطہ خط یا استدعا پیش کی جاتی۔ شیخہ امّ محمد آمنہ بنت ابراہیم الواسطیہ سے متعلق دو سماعتوں کا جزوی ترجمہ ذیل میں درج ہے۔ ایک میں ان کا ذکر بطور حاضرِ مجلس اور دوسرے میں بطور سامع ہے۔ ان کی ولادت 644 میں ہوئی تھی۔ [97]

''عبدالخالق بن ظاہر بن طاہر الشحامی (م 549) کی الأربعین کی مجلس میں وہ تین سال کی عمر میں شریک ہوئیں۔ اس کے مرتب علی شہرستانی اور شیخ بدرالدین ابوحفص عمر ابن محمد ابن سعد ابن احمد الکرمانی النیشاپوری ہیں، جنھوں نے الأربعین کی سماعت ابوبکر القاسم بن سعد الصفار سے قاسیون میں شنبہ 25 صفر 666 میں جامع مظفری میں کی۔ انھوں نے قرأت نجم الدین موسیٰ بن ابراہیم بن یحییٰ الشرقاوی سے کی اور انھوں نے شیخہ امّ محمد آمنہ کو اجازت دی۔'' [98]

''انھوں نے جزء حنبل بن اسحاق کی سماعت اپنے والد ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن احمد بن فضل الواسطی سے کی۔ انھوں نے اس کی سماعت الشیخ ابو عبداللہ محمد بن ابو البرکات بن سعدات الہریمی سے کی اور انھوں نے اس کی سماعت ابو الحسن بن شاذان البغدادی البزّاز سے کی جنھوں نے اس کی سماعت ابو علی حنبل بن اسحاق الشیبانی سے کی۔ یہ مجلس شیخ کے مکان میں قاسیون دمشق میں یک شنبہ 17 جمادی الاولی 673ھ میں منعقد ہوئی۔[99]

ان دونوں روایتوں کے مذکورہ بالا ترجمہ میں اس درس میں شریک دیگر اشخاص کے نام



بسم الله الرحمن الرحيم

حذف کردیے گئے ہیں۔ ایک استدعا اور اجازہ کی دستاویز کا ترجمہ ذیل میں درج ہے:[100]

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ محدثین کی تعداد میں اضافہ کرے۔ محدثین سے یہ استدعا ہے کہ فقیہ ابو عمر محمد بن احمد بن محمد بن قدامہ کو اجازہ عطا کیا جائے کہ وہ اپنے بیٹے عبداللہ، اپنی بیٹی زینب، اپنے پوتے احمد بن عمر اور محمد بن خلف بن راجح بن بلال بن عیسیٰ اور ان کے بیٹے ابوالفتح احمد، آسیہ کی بیٹی اور ان کی والدہ آمنہ بنت محمد بن محمد بن قدامہ کو یہ اجازت مرحمت کی جائے کہ وہ اجازہ اور سماعت کے ذریعہ موصول شدہ تمام احادیث اور مزید جن روایات کی ان کو اجازت دی جائے، ان کی روایت کریں۔ وہ ہر اس فعل کے لیے ذمہ دار ہوں گے جو اس اجازہ کو منسوخ کردے۔ آپ حضرات امت کی خدمت کرتے رہیں۔'' یہ استدعا صفر 579 کے آخری عشرے میں تحریر کی گئی۔ تمام حمد وثنا صرف اللہ کے لیے ہے، اس کی رحمت اور سلامتی

حضرت محمد ﷺ پر نازل ہو۔"

"میں نے ان اشخاص کو اجازہ عطا کیا۔ اللہ انہیں اپنی اطاعت پر قائم رکھے، بالخصوص اس باب میں جس میں انھوں نے اجازہ کی درخواست کی ہے۔ یہ دعا ہے کہ وہ ہر اس فعل سے محفوظ رہیں جو اس اجازہ کو ضعیف کرے۔ اللہ ہمیں اور ان کو یہ ہدایت دے کہ ہم رضائے الٰہی کا حصول کریں۔ تحریر از محمد بن حمزہ محمد بن ابی الصقر تاریخ 24 صفر 579 بہ مقام دمشق۔ یہ اجازہ اللہ کی حمد وثنا کے ساتھ ہے۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ کی رحمت اور سلامتی ہمارے مولا حضرت محمد ﷺ اور آپ کے اہل خاندان اور آپ کے اصحاب پر نازل ہو۔

اسی طرح میں نے ان کو اجازہ دیا ہے۔ اللہ ان کی تعداد میں اضافہ کرے اور رضائے الٰہی کے حصول کی ہدایت دے اور دنیا اور آخرت میں کامرانی عطا فرمائے۔ میں نے ان کو اپنے تمام مسموعات اور اجازات کے لیے سلف کی اتباع کرتے ہوئے اجازہ دیا ہے۔ اللہ کی رحمت ان سب پر ہو۔ اس کی کتابت برکات بن ابراہیم بن برکات الخشوعی القرشی نے چہارشنبہ 12 ربیع الآخر 579 میں کی۔

استدعا اور اجازہ کے ابتدائی الفاظ، جن کا تذکرہ سطور بالا میں ہے:

اجازہ سے متعلق استفسارات

علماء نے ان اجازوں پر بحث بڑی جاں فشانی، عزم و احتیاط کے ساتھ کی ہے۔ وہ روایت کی اجازت اس وقت تک نہ دیتے جب تک کہ اجازہ کی تصدیق نہ ہو جائے۔ اس کی وضاحت درج ذیل مثال سے ہوتی ہے۔

محدثِ عظیم ابوالفتح الیعمری ابن سید الناس (م 734) سے دریافت کیا گیا کہ رقیہ بنت اسماعیل بن النماطی (م 676) کو اجازہ کس نے عطا کیا؟ آپ نے جواب دیا: "جہاں تک رقیہ بنت اسماعیل ابن النماطی کا معاملہ ہے، میں نے چند اجازے ان کے والد کے خط میں 612 میں تحریر شدہ پائے ہیں۔ البتہ ان اجازوں میں کہیں بھی رقیہ کا ذکر نہیں ہے، بلکہ ان کے بھائی

ابو بکر محمد بن اسماعیل بن النماطی جو کہ ہمارے شیخ ہیں، ان کا اور ان کی بہن زینب کا حوالہ ملتا ہے، البتہ 614 کے اجازوں میں رقیہ مذکور ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ ان کی پیدائش اسی سال ہوئی ہو، کیوں کہ مذکورہ نکات میں نے بہ چشم خود عیسیٰ النماطی کی تحریروں میں دیکھے، لہٰذا کسی شبہہ کی گنجائش نہیں۔ اساتذہ اور ائمہ سے یہ درخواست ہے کہ انھی افراد کو اجازہ عطا کیا جائے جن کی جانب سے اجازہ کی استدعا موصول ہو۔ جن کا اندراج بالمقابل صفحے پر ہے اور اس میں رقیہ بنت اسماعیل بن عبداللہ النماطی کا بھی ذکر ہے۔ ان کی روایات پر مبنی چند افراد کے اقوال اور الفاظ جس نے بھی روایت کیے ہیں وہ سب صحیح ہیں۔ اللہ ان سب کو اجر عنایت کرے۔''

مذکورہ بالا حاشیہ آخر جمادی الاولیٰ 614 کا ہے۔ اسی طرح انھوں نے صافی اور جمعہ، جو کہ ابن النماطی کے بھائی اور غلام تھے، ان سب کو اجتماعی طور پر اجازہ دیا۔ یہ اجازہ معروف شرائط کے مطابق ہے، اللہ اس کو سب کے لیے نفع بخش بنائے۔ اجازے کی عبارت درج ذیل ہے:

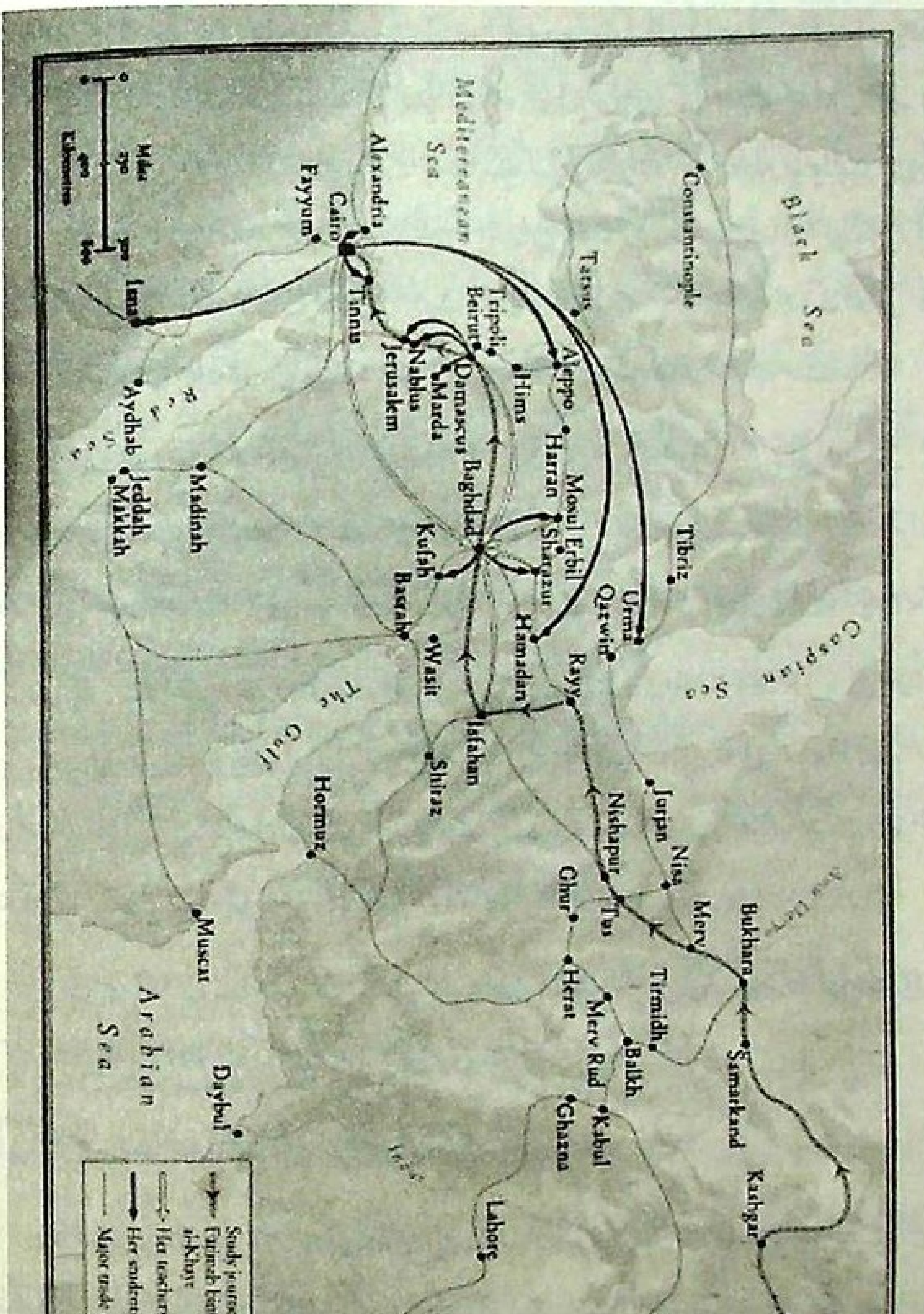
''میں نے انہیں اجازہ عطا کیا۔ اللہ ان کو ہدایت عطا کرے اور جس کا انھوں نے مطالبہ کیا ہے انھی روایات کو بیان کریں۔ بشرطیکہ وہ جائز شرائط کے مطابق ہوں۔ تحریر از عبدالصمد بن محمد بن ابی الفضل الانصاری۔ مزید یہ عبارت بھی درج ہے: اس کی تصدیق محمد بن ھبۃ اللہ بن محمد بن معمل الشیر ازی نے دمشق میں 26 محرم 615 میں کی۔

ابن سید الناس نے رقیہ کے دیگر اجازے تمام حوالوں اور تاریخ کے ساتھ نقل کیے ہیں، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کو مذکورہ شیوخ سے اجازہ حاصل تھا۔[101]

فاطمہ بنت سعد الخیر (غالبا 600-525)

فاطمہ کے والد سعد الخیر خود بھی عالم دین تھے۔ ان کے ایک ممتاز شاگرد سمعانی نے ان کا تذکرہ بطور محدث، فقیہ اور متقی کیا ہے۔ سمعانی الانساب کے مصنف ہیں۔ سعد الخیر نے اپنے وطن ویلنسیا، جو کہ عالم اسلام کی مغربی سرحد پر واقع تھا، وہاں سے چین تک کا سفر کیا۔ ان کے نقل مکانی کی کوئی وجہ ماٰخذ میں درج نہیں۔ غالباً جب اندلس میں مسلم اقتدار کا زوال ہوا اور مقامی عیسائی حکمرانوں نے مسلم رعایا کی زندگی دشوار کردی، بالخصوص علماء اور متقی مسلمانوں کے

لیے صورت حال ناقابل برداشت ہوگئی تھی تب انھوں نے چین کا سفر کیا ہو۔



(فاطمہ سعد الخیر کے علمی اسفار)

سمعانی کا بیان ہے[102] کہ سعد الخیر ہر طرح کے مصائب سے نبرد آزما ہوئے۔ انھوں نے متعدد بحری سفر کیے اور ہمدان اور دیگر مقامات پر متعدد اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ ان کی کئی بیٹیاں تھیں۔ آخر میں ان کے ہاں ایک بیٹے کی بھی ولادت ہوئی۔ وہ درسِ حدیث کے از حد شائق تھے اور ان کی بیٹیاں ان کے ساتھ سفر میں شریک ہوتی تھیں اور متعدد اساتذہ سے فیض یاب ہوتی تھیں۔ سعد الخیر نے اپنی بیٹیوں کو خود بھی درس دیا۔

فاطمہ کا سن ولادت 525 درج ہے، لیکن صحیح سن پیدائش 522 ہے۔[103] ان کی جائے ولادت کے بارے میں محض یہ درج ہے کہ وہ چین میں پیدا ہوئیں، یعنی کاشغر کے مشرق میں۔ انھوں نے تحصیل علم کی ابتداء نہایت کم عمری میں کی۔ ایک سماع کے مطابق انھوں نے ذی قعدہ 529 میں دارقطنی کی کتاب **الضعفاء والمتروکین** کی سماعت کی۔ ایک اور روایت کے مطابق، جو کہ خطیب بغدادی کی **الجامع لأخلاق الراوی و آداب السامع** کے آخری صفحہ پر درج ہے، انھوں نے اس کی سماعت ربیع الاول و ربیع الآخر 529 میں کی۔ منذری رقم طراز ہیں کہ سعد الخیر فاطمہ کے علم کو پختہ کرنے کے لیے انھیں اساتذہ کے پاس کثرت سے لے جاتے تھے۔[104]

اصفہان میں انھوں نے فاطمہ الجوزدانیہ کی شاگردی اختیار کی، جو کہ ان کے دور میں الطبرانی کے مجموعوں کی اہم راوی تھیں۔ فاطمہ سعد الخیر نے ان سے مکمل **المعجم الکبیر** کی سماعت کی۔ یہ تصنیف 37 جلدوں میں شائع ہوگئی ہے۔ اسی طرح دو جلدوں پر محیط **المعجم الصغیر** کی بھی انھوں نے سماعت کی۔

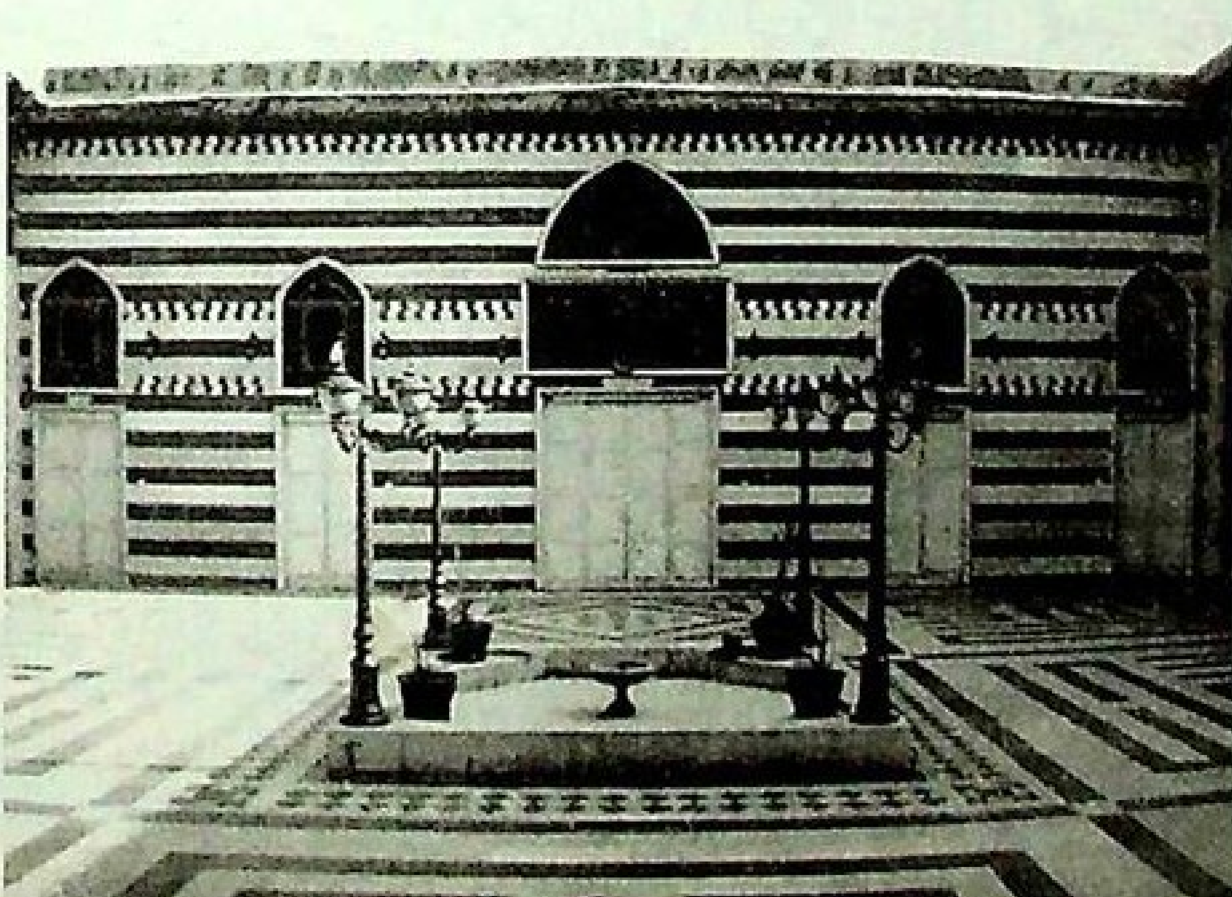
گمان غالب ہے کہ فاطمہ کچھ عرصہ بغداد میں رہیں۔ وہاں ان کے اہم اساتذہ یہ تھے:

ابو القاسم ھبۃ اللہ بن محمد بن حسین جو ابن حنبل کی **مسند** کے مرکزی راوی ہیں، ابو القاسم ظاہر بن طاہر الشحامی ابو غالب احمد بن الحسن بن البناء اور بغداد کے دیگر زائر اساتذہ۔ جن کتب پر فاطمہ کو عبور حاصل تھا ان کی فہرست خاصی طویل ہے۔ شادی کے بعد وہ اپنے شوہر کے ہمراہ دمشق منتقل ہوگئیں اور وہاں سے قاہرہ منتقل ہوئیں۔[105]

بہ طور معلّمہ ان کا زیادہ تر وقت انہی دونوں شہروں یعنی دمشق اور قاہرہ میں گزرا اور متعدد علماء نے ان شہروں کا سفر خاص طور پر اس مقصد کے لیے کیا کہ وہ فاطمہ سے تحصیل علم کریں۔

فاطمہ کی شادی ان کے والد کے ایک قابل ذکر شاگرد زین الدین ابوالحسن بن ابراہیم بن نجاء سے ہوئی۔ زین الدین کی پیدائش 508 میں دمشق میں ہوئی۔ ان کا تذکرہ ایک متقی، کریم النفس، عالی دماغ اور اعلیٰ کردار کے حامل شخص کے طور پر ملتا ہے۔ وہ غیر معمولی طور پر فصیح تھے اور بطور واعظ ان کو شہرت حاصل تھی۔ ایوبی دربار سے تعلق کی بنا پر ان کا لقب الرئیس ہو گیا تھا، وہ نورالدین کے معتمد تھے۔ مؤرخ ابوشامہ کی روایت ہے کہ صلاح الدین ایوبی اور ان کے جانشین دونوں زین الدین کے ساتھ اکرام واحترام کا معاملہ کرتے تھے۔ صلاح الدین ایوبی یروشلم کی فتح کے لیے معروف ہیں۔ ہر چند کہ زین الدین خاصے دولت مند تھے، لیکن ذہبی کی روایت کے بموجب ان کا انتقال اس ناداری کے عالم میں ہوا کہ ان کے رفقاء نے ان کے کفن دفن کا انتظام کیا۔ [106]

اس امر کی کوئی تفصیل دست یاب نہیں کہ وہ دولت سے کیسے محروم ہو گئے؟ غالباً وہ غیر معمولی طور پر سخی اور فیاض تھے اور اس صفت کا اظہار نہ ہونے دیتے تھے۔ فاطمہ کی وفات



[جامع الحنابلہ المظفری دمشق کا صحن (تصویر از یحییٰ مائکوٹ)]

سے ایک سال قبل 599 میں ان کا انتقال ہوا۔

ذہبی رقم طراز ہیں: ''فاطمہ نے خوب عزت اور دولت حاصل کی۔ ان پر اوران کے والد اور شوہر کسی پر بھی دولت کا کوئی منفی اثر نہ ہوا، جس کے باعث ان کی زندگی میں کوئی بے ضابطگی یا عیاشی پائی گئی ہو۔ اپنے آخری لمحات تک فاطمہ علم حدیث کی ترویج میں منہمک رہیں۔ محمد بن اسماعیل، جنھوں نے بعد میں خطیب مرداء کے نام سے شہرت پائی، انھوں نے اپنے وطن میں **مسند أبي يعلى**' [107]، **حديث الخرقي** [108] اور **زيادات أمالي امام مالک** [109] کی تعلیم فاطمہ کے طرز پر دی اور یہی حال دیگر تصانیف کا بھی ہے۔ اسماعیل بن عزّ ون [110] نے فاطمہ کی شاگردی میں الطبر انی کی **المعجم الكبير** کا مطالعہ کیا۔ اسی طرح ضیاء الدین المقدسی نے آپ سے علم حاصل کیا اوراس کی ترویج دمشق میں کی۔ [111]

عبداللہ بن عبدالواحد بن علاق نے فاطمہ کی نگرانی میں **حديث القدوری** [112]، **فوائد ابی نصر** [113] اور **جزء العطريفی** [114] کا مطالعہ کیا۔ ان کا وطن مصر تھا۔ ابوالقاسم بن حسین القرشی التیونسی [115] کے ذریعہ فاطمہ کے علم حدیث سے تیونس ومصر کے لوگوں نے فیض اٹھایا۔ ہمدان میں ان کے علم کی اشاعت فقیہ ابومحمد اسحاق بن محمد الہمد انی نے کی۔ اسی طرح ابوالحسن بن القاسم الحیتی کی وساطت سے فاطمہ کے علم وفن کی اشاعت نابلوس کے نزدیک واقع مقام جیت میں ہوئی۔ [116] فاطمہ کے ان تمام شاگردوں کا احاطہ ممکن نہیں۔ یہ بھی دشوار ہے کہ ان کے وطن کی صراحت کی جائے، جس سے واضح ہو کہ ان کے علم وفضل کا دائرہ کتنا وسیع ہوا؟ محدثات کے تذکرہ میں، جسے میں نے مرتب کیا ہے، فاطمہ بنت سعد کا تذکرہ 20 صفحات کو محیط ہے۔ 78 سال کی عمر میں فاطمہ کا انتقال قاہرہ میں 600 میں ہوا۔ وہ مقطم نامی پہاڑ کے پائیں مدفون ہیں [117]۔

حواشی

1۔ **مسند احمد بن حنبل**، مسند النساء

2۔ ابن سعد، **الطبقات الکبریٰ**، جلد 8، ص 293

3۔ مسند احمد بن حنبل، مسند النساء

4۔ ابن الاثیر (م630) اسد الغابة، جلد7، ص ص18-17

5۔ صحیح مسلم، حج، باب احرام النفساء و استحباب اغتسالها للاحرام؛ سنن النسائی، حج، باب ما تفعل النفساء عند الاحرام۔

6۔ صحیح البخاری، حج، باب الطب عند الاحرام ؛صحیح مسلم، حج، باب الطیب للمحرم عند الاحرام۔

7۔ سنن ابی داؤد، مناسک، باب فی المحرمه تغطّی وجهها؛ سنن ابن ماجه، مناسک، باب المحرمه تُسدل الثوب علی وجهها۔

8۔ سنن ابی داؤد، مناسک، باب تحریم حرم مکّه؛ سنن ابن ماجه، مناسک، باب النزول بمنٰی۔

9۔ ابن ابی عاصم (م287) الآحاد والمثانی، جلد6، ص222

10۔ صحیح البخاری، حج، باب وجوب الحج و فضله؛ صحیح مسلم، الحج، باب الحج عن العاجز۔

11۔ جامع الترمذی، حج، باب ماجاء فی حج الصبی؛ سنن ابن ماجه، مناسک، باب ماجاء فی حج الصبی - مسلم نے صحیح مسلم میں ابن عباس سے روایت کی ہے، باب الحج، صفة حج النبی۔

12۔ ابو نُعیم اصبہانی، معرفة الصحابه، جلد5، ص206۔

13۔ ابن ابی عاصم، الآحاد و المثانی، جلد6، ص92۔

14۔ ابو نُعیم اصبہانی، معرفة الصحابة، جلد5، ص195۔؛ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، جلد3، ص350۔

15۔ صحیح البخاری، زکوٰة، باب الزکوٰة علی الزوج والأیتام فی الحجر؛ صحیح مسلم، الزکوٰة، فضل النفقة و الصدقة علی الأقربین و الزوج--

16۔ ابو نُعیم اصبہانی، معرفة الصحابة، جلد5، ص253۔

17۔ ابن شبہ النمیری (م 262)، أخبار المدینة النبویّة، جلد 1، ص 74۔

18۔ صحیح مسلم، رضاع، باب المصّة و المصّتان، سنن ابن ماجه، نکاح، باب لاتُحرّم المصة و لا المصتان؛ سنن النسائی، نکاح، باب القدر الذی یُحرم من الرضاعة؛ سنن الدارمی، نکاح، باب کم رضعة تحرّم۔

19۔ مسند احمد بن حنبل، مسند النساء۔

20۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 8، ص 477۔ صحیح البخاری، نکاح، باب ضرب الدف فی النکاح و الولیمة؛ سنن ابی داؤد، الادب، باب فی النهی عن الغناء؛ سنن الترمذی، نکاح، باب ماجاء فی اعلان النکاح؛ سنن ابن ماجه، نکاح، باب الغناء و الدُف۔

21۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 8، ص 426۔

22۔ ایضاً 427؛ صحیح البخاری، الادب، باب الکنیة للصّبی وقبل أن یولد للرجل؛ صحیح مسلم، الادب، استحباب تحنیک المولود عند ولادته؛ سنن ابی داؤد، آداب، باب فی رجل یتکنّ و لیس لهٗ ولد۔

23۔ صحیح البخاری، تعبیر، باب الرویا بالنهار؛ ابن الاثیر، اُسد الغابة، جلد 7، ص 305۔ (عثمان کے دور خلافت میں اور معاویہ کی امارت کے عہد میں قبرص کی بحری مہم 27 کا نظم ہوا)

24۔ ابن ہشام، السیرة النبویة، جلد 2، ص 44-43۔

25۔ ابن عبدالبرّ، الاستیعاب، جلد 2، ص 708۔

26۔ ابن ابی الدنیا، الخمول و التواضع، نمبر 132۔

27۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 3، ص 264۔

28۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، جلد 2، ص 74۔

29۔ بحشل الواسطی (م 292)، تاریخ واسط، ص 70، (بطور اسلامی اصطلاح منافقین کا اطلاق ان افراد پر ہوتا ہے جو صحابہ کے معیار کے لحاظ سے رضائے الٰہی کے مقصود کی

بہ نسبت دیگر مقاصد میں زیادہ اشتغال رکھتے تھے)

30۔ خطیب البغدادی، **تاریخ بغداد**، جلد 5، ص 335۔

31۔ ابن حبّان (م 354)، **الثقات**، جلد 5، ص 343۔

32۔ ابن عساکر، **تاریخ دمشق الکبیر (الجزء الثالث من تراجم حرف العین**، ص 413۔

33۔ **سنن ابی داؤ**، ترجّل، **باب ما جاء فی الرخصة**، (مسلمانوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ غیر مسلموں کے مذہبی شعائر اور علامات کو اختیار کرنے سے گریز کریں)

34۔ خطیب البغدادی، **تلخیص المتشابه**، جلد 1، ص 406۔ (فتنے سے مراد یہاں وہ خانہ جنگی ہے جو عثمان کے دور خلافت کے آخری دور سے علی کی خلافت کے دور تک بپا رہی۔)

35۔ ابن عساکر، **تاریخ دمشق**، تراجم النساء، ص 314۔

36۔ **صحیح مسلم**، الذکر والدعاء، **باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن**، **سنن ابن ماجه**، مقدمہ، **باب فضل العلماء و الحث علی طلب العلم**۔

37۔ الحاکم، **معرفة علوم الحدیث**، ص 11-10

38۔ ابن الصلاح، **المقدمة**، 148

39۔ ذہبی، **سیر أعلام و النبلاء**، جلد 8، ص 457۔ (ان کا قول ہے کہ طالبان حدیث کثیر تعداد میں سفر اختیار کرتے اور ان کا مقصود سفیان بن عینیہ کی امامت اور عالی اسناد سے فیض یاب ہونا تھا۔)

40۔ ابو نُعیم اصبہانی، **معرفة الصحابة**، جلد 5، ص 407۔

41۔ ابن سعد، **الطبقات الکبریٰ**، جلد 8، ص 487۔

42۔ ایضاً 488۔

43۔ **سنن ابی داؤد**، طہارة، **باب ماجاء فی وقت النفساء**؛ **جامع الترمذی**، ابواب الطہارة، **باب ما جاء فی کم تمکث النفساء**؛ **سنن ابن ماجه**،

طہارہ، باب ما جاء فی النفساء کم تجلس ؛سنن الدارمی ،طہارۃ، باب المرأۃ الحائض تصلّی فی ثوبھا۔

44۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 8، ص 494۔

46۔ السخاوی، الضوء اللامع، جلد 12، ص 156۔

46۔ ذہبی، سیر الاعلام النبلاء، جلد 18، ص 233۔

47۔ مثال کے طور پر اسماء بنت احمد بن عالم بن محمود بن عمر الحرّانی نے 17 طالب علموں کی ایک مجلس درس میں شرکت کی، جس میں بیہقی (م 458) کی کتاب الادب کا مطالعہ زین الدین ایوب بن نعمہ بن محمد بن نعمہ المقدسی کے ساتھ 724 میں دمشق میں کتابوں کے بازار میں ان کی دکان پر کیا۔

48۔ رباط (اس کے لغوی معنیٰ گڑھی کے ہیں، متعدد احادیث میں عالم اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کی تاکید ملتی ہے۔ صحابہ ان رباطوں میں بہ طور سنتری خدمت انجام دیتے تھے۔)

49۔ لیدر وغیرہ، معجم السماعات الدمشقیة، ص 306-305۔

50۔ ایضاً، ص 119 اور 290 ۔

51۔ ایضاً، ص 142 اور 149

52۔ ایضاً، ص 68-67 اور 149۔

53۔ ایضاً، ص 57 اور 61

54۔ ایضاً، ص 107-106

55۔ ایضاً، ص 75 اور 216

56۔ ایضاً، ص 140 اور 418

57۔ صالح بن غالب بن علی، الفوائد المنتقاۃ عن الشیوخ العوالی ، مقدمہ۔

58۔ سماعات ثبت بر اختتام، ستة مجالس من أمالی الباغندی، ص 220

59۔ مطیع الحافظ، المدرسة العمیرية، ص 131۔

60۔ اس نکتے کا اطلاق سب قوموں پر ہوتا ہے، خواہ وہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں۔ اباضی فرقے کی خواتین کے مسجد سے تعلق کے لیے ملاحظہ کریں: محمد علی دبوز، **تاریخ المغرب الکبیر**، ص 07-406۔ اور بدریہ بنت حمد الشقصیہ، **السیرۃ الذکیّة للمرأۃ الاباضیة**، ص 21۔

61۔ مثال کے طور پر عجاج الخطیب، **أصول الحدیث**، ص 145۔

62۔ البخاری، **التاریخ الصغیر**، جلد 1، ص 193، ؛ ذہبی، **سیر اعلام النبلاء**، جلد 4، ص 278۔

63۔ مطیع الحافظ، **جامع الحنبلیة المظفریة** (بیروت، دار البشائر الاسلامیہ (1423/2002)، اس جامع کی تصویر بھی ملاحظہ کریں)

64۔ لیدر وغیرھم، **معجم السماعات الدمشقیة**، ص 307 اور 106۔

65۔ ایضاً، ص 93 اور 478۔

66۔ ایضاً، ص 106 اور 307۔

67۔ ایضاً، ص 138 اور 289۔

68۔ ایضاً، ص 125 اور 149۔

69۔ **سماعات فی مجالس البطاقة من أمالی حمزۃ الکنانی**، دار الکتب الظاہریہ، دمشق۔

70۔ لیدر وغیرھم، **معجم السماعات الدمشقیة**، ص 50 اور 215۔

71۔ ایضاً، ص 64 اور 216۔

72۔ ایضاً، ص 111 اور 216۔

73۔ ابن الصلاح، مقدمہ، ص 80

74۔ خطیب البغدادی، **الکفایة**، ص 283۔

75۔ ایضاً، ص 56-54۔

76۔ ابن الصلاح، مقدمہ، ص 79۔

77۔ خطیب البغدادی، **الکفایة**، ص 58۔

78۔ ابن الصلاح، مقدمہ، ص 52۔

79۔ خطیب البغدادی، الکفایۃ، ص 260-259۔

80۔ صحیح البخاری، علم، باب ماجاء فی العلم۔

81۔ ابن الصلاح، مقدمہ، ص 83۔

82۔ ایضاً

83۔ ایضاً، ص 92-90

84۔ ایضاً، ص 92۔

85۔ ایضاً

86۔ خطیب البغدادی، الکفایۃ، ص 311۔

87۔ ایضاً، ص 101۔

88۔ ایضاً، ص 103۔

89۔ ایضاً، ص 104۔

90۔ ابوالحسن علی المعافری، الحدائق الغنّاء فی اخبار النساء، ص 84-83۔

91۔ ابن الصلاح، مقدمہ، ص 106۔

92۔ ایضاً، ص 105۔

93۔ ایضاً، ص 106-105۔

94۔ ایضاً، ص 106۔

95۔ خطیب البغدادی، الکفایۃ، ص 354۔

96۔ خطیب البغدادی، تاریخ بغداد، جلد 14، ص 441-440۔

97۔ ابن الرافع، الوفیات، جلد 1، ص 343

98۔ سماعات فی الأربعون، عبدالخالق بن ظہیر الشحّامی، تخریج الشہرستانی؛ مخطوطہ دارالکتب الظاہریہ، دمشق۔

99۔ سماعات ثبت دراختتام، جز حنبل

100۔ مطبع الحافظ، المدرسۃ العمیریہ، ص 97 پردرج اجازے کا عکس اور ترجمہ۔

101۔ محمد الراوندی، ابوالفتح الیعمر، الاجوبة، جلد 2، ص 32-229۔

102۔ السمعانی، الانساب، البلنسی۔

103۔ ابن نقطہ، التقیید، ص 409۔

104۔ المنذری، تکملہ، جلد 2، ص 15۔

105۔ ذہبی، تاریخ الاسلام (600-591)، ص 406۔

106۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، جلد 21، ص 96-393۔

107۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 1، ص 483-482۔

108۔ ایضاً، جلد 1، ص 263۔

109۔ ایضاً، جلد 2، ص 114۔

110۔ ایضاً

111۔ ایضاً، جلد 2، ص 84-383

112۔ ایضاً، جلد 1، ص 322۔

113۔ ایضاً، جلد 1، ص 329۔

114۔ ایضاً، جلد 2، ص 212۔

115۔ المنذری، تکملہ، جلد 2، ص 50۔

116۔ ایضاً، جلد 3، ص 283۔

117۔ ایضاً، جلد 2، ص 14۔

باب چہارم
خواتین کے اساتذہ

خواتین پر یہ پابندی نہ تھی کہ وہ محض خواتین اساتذہ سے علم حاصل کریں، بلکہ جہاں بھی اور جس سے بھی انہیں تحصیل علم کا موقع ملتا، وہ اس سے استفادہ کرتیں۔ اساتذہ کے ضمن میں مطلوب شرائط کا ذکر ابن الجوزیؒ نے ان الفاظ میں کیا ہے: ''مردوں اور خواتین کے فرائض یکساں ہیں، لہٰذا عورتوں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے فرائض کی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوں۔ ان کا علم پختہ ہو اور وہ ان فرائض کی ادائیگی پر قادر ہوں۔ اگر کسی خاتون کے والد یا بھائی یا شوہر یا ایسا قریبی رشتہ دار موجود ہو جو اسے احکام دین کی تعلیم دے سکے، فرائض کی ادائیگی سے روشناس کرے تو یہ اس خاتون کے لیے کافی ہے۔ اگر اہل خانہ میں کوئی شخص اس پر قادر نہ ہو تو ان کے علاوہ دیگر افراد سے خواتین کو تحصیل علم کرنا چاہیے۔ اگر کوئی خاتون استاذ دست یاب ہو تو اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو وہ کسی بزرگ استاذ سے بغیر تخلیہ کے مطلوبہ حد تک علم حاصل کرے۔ جب بھی کوئی دینی مسئلہ اسے درپیش ہو اس کے بارے میں بغیر جھجک استفسار کرے، کیوں کہ اللہ کو حقیقت کے اظہار میں کوئی باک نہیں۔'' [1]

وہ خواتین، جو مزید علم کی خواہاں تھیں، یا تخصص کی خواہش مند تھی، ان کو اجازت تھی کہ وہ نوجوان مرد اساتذہ سے بھی تحصیل علم کریں، بشرطیکہ یہ تدریس کسی عوامی جگہ پر ہو اور شریعت کے احکام کے مطابق ہو۔ بالعموم خواتین کسب علم، صاحب علم اہل خانہ سے کرتیں، خواہ وہ مرد ہوں یا خواتین، پھر خاندان کے علاوہ مقامی اساتذہ سے رجوع کرتیں، پھر زائر اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور آخر میں دیگر بلاد و امصار کے اساتذہ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرتیں۔ درج ذیل مثالوں میں اس اجمال کی تفصیل ملتی ہے۔ ان مثالوں کا مقصد اس حقیقت کو روشن کرنا ہے کہ کسبِ علم کی روایت ہر دور میں اور ہر مقام پر جاری و ساری تھی۔

اندرونِ خانہ اساتذہ

اوائلِ عمر سے لڑکیاں اپنی ماؤں سے علم حدیث حاصل کرتیں۔ صحابہ اپنی بیٹیوں کو حدیث کا درس دیتے۔ یہی روایت تابعین کے دور میں بھی قائم رہی۔ عبداللہ بن الحکم نے رقیہ کی بیٹی سے ان کی والدہ کی سند پر روایت کی ہے: ''رسول اکرم ﷺ جب طائف حصول فتح کے لیے تشریف لائے تو وہ میرے یہاں بھی آئے۔ اس کے بعد انھوں نے پوری حدیث روایت کی۔ حبابہ بنت عجلان نے بھی اپنی والدہ ام حفص سے حدیث اخذ کی۔ انھوں نے صفیہ بنت جریر سے اور انھوں نے امّ حکیم بنت وداع سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ والد کی دعا بغیر کسی حجاب کے براہ راست اللہ کے یہاں پہنچتی ہے۔ اس میں نہ کسی واسطہ کا دخل ہوتا ہے اور نہ اس میں کوئی رکاوٹ آتی ہے۔'' [3] غرض یہ کہ بعد کے ادوار میں بھی خواتین نے اپنی ماؤں سے تحصیل حدیث کی۔ التی بنت ناصر الدین محمد نے اپنی والدہ عظیم محدثہ امّ محمد عائشہ بنت سیف الدین ابو بکر بن عیسیٰ الحنفی (م 793) سے حدیث کا درس لیا۔ ان کی نگرانی میں التی نے ابواحمد الحاکم (م 378) کی فوائد کا مطالعہ محرم 793 میں مدرسہ خاتونیہ البرّانیہ میں کیا۔ [4]

صدر اسلام میں خواتین نے اپنے باپوں سے بھی تحصیل علم کی۔ مثال کے طور پر بُہیسہ الفزاریہ، جو کہ تابعہ ہیں، انھوں نے اپنے والد سے رسول اکرم ﷺ کی حدیث روایت کی ہے۔ [5] جب کہ بنت مصفہ العمیریہ، جو کہ تابعہ ہیں، انھوں نے اپنے والد اور ان کے والد نے علی سے روایت بیان کی ہے [5] اور علی اور حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق سے [7]۔

بعد کے دور میں ہند بنت جعفر بن عبدالرزاق نے (پانچویں صدی) اپنے والد کی زیر نگرانی مطالعہ کیا [8]۔ امّ سلمہ آمنہ نے اپنے والد ابوسعید حسن بن اسحاق بن بلبل نیشاپوری (م 348) [9] کی نگرانی میں مطالعہ کیا۔ ورع نے اپنے والد احمد بن عبداللہ بن حسن بن محمد الخلّال (پانچویں صدی) کے زیر نگرانی تحصیل علم کی [10]۔ لؤلؤہ نے حافظ ابن عساکر کی مکمل تصنیف الأربعین حدیث من المساواۃ مستخرجۃ عن ثقات الرواۃ کا مطالعہ اپنے مشہور والد شیخ جمال

الدین ابن عساکر الدمشقی سے 718 میں کیا[11]۔ امۃ الرحیم البونونیہ (م 739) نے خواتین سے متعلق احادیث کا مطالعہ احمد ابن حنبل کی مسند کی روشنی میں اپنے والد عظیم محدث اور فقیہ محمد بن احمد الیونینی (آٹھویں صدی) کی نگرانی میں کیا[12]۔ ہندوستان کی ممتاز محدثہ اور فقیہہ خدیجہ الدہلویہ (اوائل چودہویں صدی) نے علم حدیث اور دیگر علوم کا مطالعہ اپنے والد شیخ محمد اسحاق دہلوی (م 1262) کی نگرانی میں کیا۔

بعض خواتین نے تحصیل علم اپنی نانیوں اور دادیوں سے کی۔ مثال کے طور پر آمنہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے اپنی دادی امّ لیلیٰ سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''ہم نے رسول اکرم ﷺ سے بیعت کی۔'' [13] محدثہ اور فقیہہ فاطمہ بنت المنذر بن زبیر نے اپنی دادی حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے متعدد احادیث کی سماعت کی اور اس ذخیرہ علم کو اپنے شاگردوں کو منتقل کیا۔[14] بعد کے دور کی محدثہ اسماء بنت ابی بکر بن حمزہ المرداوی حدیث أبی بکر ابن احمد الشیرازی کا مطالعہ اپنی دادی زینب بنت مکی بن علی بن الکامل الحرانی کی نگرانی میں کیا۔ حرانی مزی، ابن تیمیہ اور ذہبی کے استاذ تھے۔ اسماء نے یہ مطالعہ مدرسۃ المسماریہ میں جمادی الاولیٰ 688 میں کیا۔[15] انھوں نے اپنی دادی کی زیر نگرانی دیگر کتب کا بھی مطالعہ کیا۔[16] امّ الخیر بنت عبداللہ محمد بن ظہیرہ القرشی نے نسخة أبی معاویه، نسخة بکّار ابن قتیبة اور البغوی (م 494) کی المصابیح اپنی نانی امّ الحسن بنت حسن بن قاسم الحرازی سے مکّہ میں 762 میں پڑھی۔[17]

اپنے دادا سے استفادۂ علم کی نمائندہ خواتین یہ ہیں: منیہ بنت عبید بن ابی برزۃ الاسلمی، امّ الاسود نے منیہ بنت عبید سے روایت کی ہے کہ انھوں نے اپنے دادا ابو برزہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی ایسی عورت کو تسلّی دیتا ہے جس کا بچہ فوت ہو گیا ہو تو اللہ اسے جنت میں پہننے کے لیے ایک لباس عطا کرے گا۔'' [18] امّ ابان ہند بنت الوازع بن ضریع نے اپنے صحابی دادا ضریع بن عامر العبدی سے احادیث کی سماعت کی۔[19] ذہیبہ اور صفیہ علیبہ العنبریہ کی بیٹیاں ہیں۔ انھوں نے علم حدیث اپنے دادا حرملہ بن عبداللہ العنبری سے حاصل کیا۔ حرملہ صحابی تھے اور انھوں نے اپنے والد کی دادی حضرت قائلہ بنت مخرمہؓ سے

بھی استفادہ کیا۔ قائلہ ایک صحابیہ تھیں [20]۔ ستّ العرب بنت محمد بن فخر الدین البخاری (م 690) نے اپنے دادا ابوالحسن فخر الدین علی بن البخاری (م 767) سے متعدد کتب کا درس لیا۔ ابوالحسن مزی اور ابن تیمیہ کے استاد تھے۔ ان کی نگرانی میں ستّ العرب نے **صحیح مسلم**، بیہقی کی **السنن الکبریٰ** اور **فوائد سموئیہ** کا درس لیا۔ [21]

خواتین کے تحصیل علم کی راہ میں نکاح حائل نہ ہوتا تھا اور وہ اس کے بعد بھی سنت وحدیث کے مطالعہ میں مشغول رہتی تھیں۔ بعض خواتین نے اپنے شوہروں کی مدد سے اپنے علم میں اضافہ کیا۔ (اگلے باب میں ان بیویوں کا ذکر ہے جنھوں نے اپنے شوہروں کو علم حدیث سے مستفید کیا۔)

بقیرہ، معروف صحابی سلمان الفارسی کی اہلیہ نے اپنے شوہر سے احادیث کی سماعت کی اور انھیں دوسروں سے بیان کیا۔ [22] اسی طرح جمانہ بنت المسیّب بن نجبہ، جو کہ صحابی رسول حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی اہلیہ تھیں، انھوں نے بھی اپنے صحابی شوہر سے علم حدیث کی سماعت اور روایت کی۔ [23] زینب بنت کعب بن عجرۃ ممتاز صحابی حضرت ابوسعید الخدریؓ کی اہلیہ تھیں۔ انھوں نے اپنے شوہر سے احادیث کی سماعت کی اور اس کا تذکرہ احادیث کے مستند مجموعوں میں درج ہے۔ [24] جہاں تک تابعین کا تعلق ہے۔ حضرت امّ الدرداء الصغریٰ نے اپنے شوہر صحابی حضرت ابوالدرداءؓ سے متعدد احادیث کی سماعت کی۔ صفیہ بنت محمد بن الحسن المخزومیہ المکیہ نے اپنے والد سے براہ راست **مسلسلات ابن اوّلیۃ** کی سماعت ربیع الاول 743 میں کی۔ [25]

ستّ الفقہاء بنت ابراہیم الواسطیۃ نے **أمالی ابن بشران** کا مطالعہ اپنے شوہر ضیاء الدین عیسیٰ بن ابی محمد بن عبدالرزاق المغاری الحنبلی سے رباط القلانیسی میں 22 صفر 730 میں کیا۔ [26] **أمالی** ابوالقاسم عبدالملک بن محمد ابن بشران (م 430) کی تصنیف ہے۔ زینب بنت اسماعیل ابواحمد نے ابوعمر عثمان بن محمد سمرقندی (م 345) کی حدیث کا مطالعہ اپنے شوہر قاضی تقی الدین سلیمان بن حمزہ المقدسی سے اپنے گھر میں 715 میں کیا۔ [27] دنیا بنت

حسن بن بلبن نے اپنے شوہر عظیم محدث اور مؤرخ علم الدین قاسم بن محمد بن یوسف ابی البرزالی سے 728 میں حدیث أبی حسین عبد الوهاب بن الحسن ابن الکلابی (م396) سے کیا[28]۔

خواتین نے احادیث کی سماعت دیگر اہل خانہ، مثلاً بھائیوں، بہنوں، خالاؤں، خالووں، چچاؤں، چچیوں اور غلاموں سے بھی کی۔ اسی طرح غلاموں نے اپنے مالکوں اور مالکاؤں سے علم حدیث حاصل کیا۔ ممتاز محدثہ فقیہہ امّ ہذیل حفصہ بنت سیرین ممتاز تابعی محمد بن سیرین کی ہم شیرہ تھیں۔ انھوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے احادیث کی سماعت کی۔[29] ہشام بن حسان نے ایاس بن معاویہ سے یہ قول نقل کیا ہے: ''میں کسی کو بھی حفصہ پر ترجیح نہیں دیتا۔'' ان سے دریافت کیا گیا کہ ان کی حسن بصری اور محمد بن سیرین کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: ''جہاں تک میرا تعلق ہے، میں کسی کو بھی حفصہ پر ترجیح نہیں دیتا۔ انھوں نے صرف بارہ برس کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا تھا۔''[30] حالاں کہ حفصہ بنت سیرین ایک باندی کے طور پر پیدا ہوئیں، لیکن انھوں نے دست یاب مواقع کا بہترین فائدہ اٹھایا اور ان کا شمار اپنے دور کی ممتاز عالمہ کے طور پر ہوتا ہے۔ بعض افراد کی رائے میں ان کو حضرت حسن بصری پر فوقیت حاصل ہے۔ ان کی احادیث ان کے آقا کی سند پر **صحیح البخاری** میں درج ہیں۔ مثال کے طور پر عاصم نے ان سے روایت کی ہے اور انھوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''طاعون کا شکار ہر مسلمان شہید ہے۔''[31]

محلّہ کے اساتذہ

اندرونِ خانہ تحصیل علم کے بعد خواتین اپنے دیار کے اساتذہ سے کسبِ فیض کرتی تھیں۔ یہ روایت مسلم تاریخ کے ابتدائی دور میں ہی قائم ہوگئی تھیں۔ مدینہ کے تابعین نے صحابہ سے روایت کی۔ ان میں امہات المومنین بھی شامل ہیں۔ اسی طرح جس مقام پر بھی مسلمان رہائش اختیار کرتے وہاں کی خواتین اس علاقہ کے علماء سے حدیث وسنّت کا علم حاصل کرتی تھیں۔ پہلی تین صدیوں کی مسلم تاریخ میں اس نوع کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ میں نے آئندہ صفحات

میں صرف بعد کے ادوار کی مثالیں پیش کی ہیں۔

جمعۃ بنت احمد بن محمد المحمیۃ نیشاپوری نے حدیث کی سماعت اپنے شہر کے اساتذہ سے کی۔ [32] شیخۃ اسماء بنت محمد بن الحسن الدمشقیۃ (م 595) نے علم حدیث کا درس اپنے شہر کے قاضی ابوالمفضل یحیٰی بن علم بن عبدالعزیز القرشی اور ابومحمد بن الکریم بن حمزہ السلامی سے لیا۔ [33] امّ الرجع زبیدہ بنت محمد بن احمد اصفہانی نے علم حدیث کے لیے اپنے شہر کے ان اساتذہ سے استفادہ کیا: ابوالحسین احمد بن عبدالرحمٰن الذکوانی، ابوعبداللہ القاسم بن الفضل الثقفی اور ابوحفص عمر بن احمد السمسار [34]۔ بغداد میں دسویں صدی کی ممتاز ماہرِ حدیث، شہدہ بنت المحد ث ابی نصر احمد بن الفرج بن عمر الدینوری نے احادیث کا علم بغداد کے ان نام وراساتذہ سے حاصل کیا: طراد بن محمد زینبی، ابن طلحہ النعالی، ابوالحسن بن ایوب، ابوالخطاب بن البطر، احمد بن عبدالقادر ابن یوسف، الحسن بن احمد سلمان الدقاق، ثابت بندر، ابو یاسر احمد، عبدالواحد ابن علوان الشیبانی، جعفر السراج ابومنصور محمد، منصور بن حید نیشاپوری، ابوالبرکات بن عبداللہ الوکیل، ابوالغالب الباقلانی اور متعدد اساتذہ۔ [35]

زاہدہ بنت ابراہیم بن عبدالعزیز بن علی بن محمد الموصلی الخبّاز نے **انتخاب الطبرانی لابنہ علی ابن فارس** کا مطالعہ 718 میں 21 اساتذہ کی نگرانی میں کیا۔ [36] اپنے دور کی مشہور محدثہ عائشہ بنت محمد بن عبدالہادی المقدسی نے احمد بن ابی طالب الحجار کی نگرانی میں ان کتب کا مطالعہ کیا: **صحیح البخاری**، **کتاب ذم الکلام** از الھر اوی، **جزو أبی الجهم**، **أمالی ابن الناصری**، النجاد کی **مسند عمر**، **الأربعون الآجوریة** اور **مسند عبد بن حمید**۔ ان کے اساتذہ میں یہ شامل تھے: قاضی شرف الدین عبداللہ بن حسن بن الحافظ عبدالغنی اور **صحیح مسلم** کا مطالعہ عبدالقادر بن عبدالعزیز بن المعظم عیسیٰ الایوبی کی نگرانی میں کیا۔ اسی طرح انھوں نے ابن اسحاق کی سیرۃ کی تلخیص از ابن ہشام اور **جزء البطاقة** کا مطالعہ کیا۔ [37]

زائر اساتذہ

خواتین اپنے شہروں میں وارد زائر اساتذہ سے بھی استفادہ کرتی تھیں۔ یہ روایت بڑی

مستحکم تھی۔ جنگ جمل سے مراجعت کے موقع پر ام المومنین حضرت عائشہؓ عبداللہ بن خلف کے یہاں بصرہ میں صفیہ بنت الحارث الابداری کی مہمان تھیں۔ اس موقع پر صفیہ اور بصرہ کی دوسری خواتین نے حضرت عائشہؓ سے سنّت کے بارے میں متعدد سوالات دریافت کیے اور علم دین حاصل کیا۔ ان کے یہ علمی استفسارات اور جوابات احادیث کے مجموعوں میں درج ہیں۔ ایوب السختیانی نے محمد بن سیرین سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ، صفیہ امّ طلحہ الطلحات کی مہمان ہوئیں۔ صفیہ کی بیٹیوں سے ملاقات کے موقعہ پر حضرت عائشہؓ نے ان کو بتایا: ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے کمرے میں تشریف لائے۔ وہاں ایک لڑکی موجود تھی۔ آپؐ نے مجھے کپڑے کا ایک ٹکڑا دیا اور ہدایت کی کہ میں اس کے دو حصے کروں: ایک ٹکڑا اُس لڑکی کو اور دوسرا امّ سلمہؓ کے یہاں موجود لڑکی کو دوں۔ کیوں کہ اب وہ بالغ ہوگئی تھیں۔ [38] عبداللہ بن عبید جردان کی مسجد کے موذن نے عدیسہ بنت اہبان سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''جب علی بن طالب بصرہ تشریف لائے تو وہ میرے والد سے ملنے آئے اور کہا: اے ابو مسلم! کیا ان لوگوں کے خلاف تم میری مدد نہ کرو گے؟'' میرے والد نے جواب دیا: ہاں یقیناً۔ پھر انھوں نے اپنی باندی کو بلایا اور کہا: اے لڑکی! میری تلوار لا۔ وہ تلوار لائی۔ پھر آپ نے اس تلوار کو بے نیام کیا۔ وہ لکڑی کی تلوار تھی۔ اس کے بعد انھوں نے کہا: ''میرے دوست، تمہارے عم زاد بھائی (یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ جب مسلمانوں میں فتنہ بپا ہو تو میں لکڑی کی ایک تلوار تیار کروں۔ اگر آپ اب بھی اس کے خواہاں ہیں تو میں آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں۔ علی نے جواب دیا: نہیں۔ مجھے تمہاری اور تمہاری تلوار کی ضرورت نہیں۔'' [39] اسی طرح جب ابو ہریرہؓ دمشق تشریف لائے اور حضرت ابو الدرداءؓ کے مہمان ہوئے تو خواتین نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان سے علم دین حاصل کیا۔ اسماعیل بن عبداللہ نے کریمہ بنت الحسحاس المزنیہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: حضرت ابو ہریرہؓ نے ہمارے سامنے اس وقت روایات بیان کیں جب ہم حضرت امّ الدرداء کے مکان میں جمع تھے۔ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک میرا بندہ مجھے یاد رکھتا ہے میں اس کے ساتھ ہوں اور جب اس کے ہونٹ ذکر الٰہی میں مشغول

ہوں۔'' [40]

صحیح بخاری کی اہم ترین اور اعلیٰ ترین سند عظیم محدث ابو عبداللہ الحسین بن المبارک الزبیدی کے واسطہ سے ہے۔ ان کا قیام بغداد میں تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ دمشق تشریف لے گئے تو ہجوم ان کے ارد گرد جمع ہوا، تا کہ ان سے **صحیح البخاری** کی قرأت سنے۔ جامع المظفری میں آخر شوال 630 میں اس کے درس کا سلسلہ شروع ہوا، جو 10 ذی قعدہ 630 میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ مکمل **صحیح البخاری** زبیدی کی موجودگی میں 22 دروس میں قرأت کی گئی۔ اس درس میں تمام ممتاز علماء اور فقہا شریک تھے۔ ان دروس کے شرکاء کے آخری فرد ابو العباس احمد بن ابی طالب الحجار تھے، جن سے **صحیح** کی سند متاخرین کے لیے مستند ہوگئی، کیوں کہ آپ نے طویل عمر پائی، اس قیمتی موقعے سے خواتین نے بھی فائدہ اٹھایا اور **صحیح البخاری** کے دروس میں کثیر تعداد میں شریک ہوئیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: خدیجہ بنت محمد بن سعد بن عبداللہ المقدسیہ (م 701) اور طویل العمر شیخہ زینب بنت سلیمان بن ابراہیم بن رحمٰن الاسعردی (م 205)۔ ابن حجر نے زینب کی اس خصوصیت کی توثیق ان الفاظ میں کی ہے:
''انھوں نے ابو عبداللہ الحسین بن المبارک الزبیدی سے **صحیح البخاری** کی سماعت کی۔''
[42] شیخہ امّ الخیر فاطمہ بنت ابراہیم بن محمود البطائحی بھی اس درس میں شریک تھیں۔ ذہبی نے تصدیق کی ہے کہ انھوں نے **صحیح** کی سماعت الزبیدی سے کی۔ [43]

طویل العمر شیخہ امّ الحسن فاطمہ بنت عبدالرحمٰن بن عمرو الفرّاء صرف دو دروس میں شامل رہیں اور وہ اس کی روایات بیان کرتی تھیں۔ [44] ہادیہ بنت علی بن عساکر البغدادی کے بارے میں ذہبی کا قول ہے: ''انھوں نے زبیدی کے درس میں شرکت کی۔'' [45]

ست الوزراء بنت عمر بن اسعد بن مُنَجّا التنوخیہ اپنی اعلیٰ اسناد کی بنا پر شیخہ کے طور پر معروف ہیں۔ وہ بھی انہیں دروس میں شریک رہیں۔ ان کے بارے میں تقی الدین الفاسی کا قول ہے:
''جامع المظفری میں انھوں نے حسین بن مبارک الزبیدی سے **صحیح البخاری** اور **مسند الشافعی** کا درس لیا۔'' [46]

عائشہ بنت محمد بن الہادی المقدسیہ کے ضمن میں علامہ ابن حجرؒ رقم طراز ہیں: ''وہ آخری شخصیت تھیں جنھوں نے **صحیح البخاری** کی روایت اعلیٰ اسناد کے ساتھ کی کہ انھوں نے اس کی براہ راست سماعت کی تھی۔'' یہ حسن اتفاق ہے کہ ست الوزراء وہ آخری خاتون تھیں جنھوں نے الزبیدی سے روایت کی ہے۔ ان کا انتقال 716 میں ہوا، جب کہ عائشہ کا انتقال 816 میں ہوا۔ ان کو ست الوزراء پر یہ فوقیت حاصل تھی کہ جن مردوں نے براہ راست الحجار سے روایت سنی تھی اور جو ست الوزراء کے شریک درس تھے، ان میں سے سب سے آخر میں عائشہ کا انتقال ہوا۔ عائشہ اور ست الوزراء کی وفات کے درمیان 100 سال کا عرصہ ہے۔ [47]

تیرہویں صدی میں امّ الفضل نفیسہ بنت عبد العز احمد ابن یوسف الشنوانی نے حافظ محمد المرتضی الزبیدی سے **البخاری** کی ثلاثیات کا درس لیا۔ ثلاثیات سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں بخاری نے صرف تین راویوں کا ذکر کیا ہے۔ امّ الفضل النفیسہ نے اپنے والد کے مکان میں 1189 میں النووی کی **الاربعین** کا درس لیا۔ [48]

دیگر علاقوں کے اساتذہ

خواتین نے دیگر علاقوں کے اساتذہ سے بھی علم دین حاصل کیا۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے سفر کیا، یا خط و کتابت کے ذریعے، یا اجازہ اور استدعا کی شکل میں ان سے رابطہ قائم کیا۔ راہ علم کی خواتین شہ سواروں میں سب سے پہلا نام کوفہ کی محدثہ جسر بنت دجاجہ العمریہ کا ہے۔ آپ نے مدینہ میں حضرت علی ابن ابی طالبؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت امّ سلمہؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ سے احادیث اخذ کیں۔ [49] محمد صائب بن برکہ نے اپنی والدہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''میں حضرت عائشہؓ کی معیت میں بنو مغیرہ کی خواتین کے ایک گروہ کے ساتھ طواف میں مشغول تھی۔ موجود خواتین نے حضرت حسان بن ثابتؓ کا ذکر کیا اور ان پر نکتہ چینی کی، کیوں کہ واقعۂ افک میں حضرت عائشہؓ پر بہتان طرازی میں ان کا بھی کردار تھا۔ اس وقت حضرت عائشہؓ نے ان کو رسول اکرم ﷺ کی شان میں کہے گئے قصیدے کے الفاظ سنائے اور کہا: ''مجھے امید ہے کہ اسی بنا پر اللہ انہیں جنت میں داخل کردے گا۔'' [50]

بعد کے ادوار میں فاطمہ بنت عبدالحفیظ القزوینی نے علم حدیث کا اکتساب ابوالحسین احمد بن علی الجوہری الموصلی سے طرابلس میں اور ابومحمد طاہر بن نصر اسفی جابی اور قاضی ابوالفضل محمد بن احمد بن عیسیٰ السعدی سے مصر میں کیا۔ فاطمہ صور میں مقیم تھیں۔ [51] جمعہ بنت احمد بن محمد بن عبید اللہ الحمیۃ نیشاپوری (م اندازاً 396) نے اپنے شہر کے اساتذہ سے تحصیلِ علم کیا، حج ادا کیا اور سفرِ حج کے دوران متعدد اساتذہ سے اکتسابِ علم کیا۔ [52] سلامی کا قول ہے کہ میں نے فاطمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''میں بغداد میں شیخ ابوالحسین خدری سے ملنے گئی۔ انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ طویل سفر میں میرے ہمراہ کون ہے؟ جواب میں انھیں بتایا گیا کہ نصرآبادی میرے رفیق ہیں۔ پھر خدری نے مجھ سے دریافت کیا: تمہیں ان کی کتنی روایات یاد ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ''جس شخص کی نسبت صحیح ہے اس کا علم بھی پختہ ہے۔'' اس موقع پر خدری، جو فاطمہ کے علم و فضل سے متاثر تھے، اس جملہ پر خاموش رہے۔ میری واپسی پر نصرآبادی نے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ شیخ سے ملاقات کے دوران ایسے ہی طرزِ عمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔'' [53]۔ اس خاتون عالمہ نے متعدد اسفار کیے اور مختلف علاقوں میں اساتذہ سے کسبِ علم کیا۔

اگر خواتین کے لیے سفر کرنا ممکن نہ ہوتا تو وہ خط و کتابت پر انحصار کرتیں۔ مثال کے طور پر فاطمہ نے، جو کہ سطیطہ کے نام سے بھی معروف ہیں، متعدد علماء کو خطوط ارسال کیے۔ فاطمہ قاضی جمال الدین محمود بن سیرین الحنفی کی بیٹی تھیں۔ جب حافظ سخاوی کے بھائی کی وفات ہوئی تو فاطمہ نے انہیں تعزیتی خط ارسال کیا۔ [54]

دیگر شہروں کے اساتذہ سے بھی خواتین نے اجازے حاصل کیے۔ مثال کے طور پر مراکش کی عائشہ بنت عمر بن رشید الفہری نے مصر، مکہ، مدینہ اور شام کے متعدد اساتذہ سے اجازے حاصل کیے۔ اس ضمن میں دوسری مثال آسیہ بنت جاراللہ بن صالح الشیبانی (م 873) کی ہے۔

کثیر تعداد میں علماء نے ان کو اجازے عطا کیے، جس کی تفصیل سیوطی (م 911) نے بیان کی ہے۔ ان کی فہرست کے مطابق مختلف علاقوں کے اساتذہ نے ان کو 105 اجازے عطا کیے تھے۔

اساتذہ کی تعداد

حدیث کے راویوں میں ایسی بھی خواتین ہیں جن کے اساتذہ صرف ایک یا دو تھے۔ ایسے راویوں کے متعلق محدثین نے الوحدان والمثانی کی اصطلاح وضع کی۔ ان مجموعوں میں سب سے مشہور تصنیف ابوبکر ابن ابی عاصم (م 287) کی **الآحاد و المثانی** ہے۔ اس میں ان خواتین کا ذکر ہے جنھوں نے صرف ایک یا دو احادیث کی روایت کی ہے۔

البتہ متعدد خواتین نے کثیر تعداد میں راویوں سے احادیث کی سماعت کی۔ اس ضمن میں نمایاں ترین مثال ام المومنین حضرت عائشہؓ کی ہے، جنہوں نے رسول اکرم ﷺ سے براہ راست روایات بیان کی ہیں اور حضرت حمزہ بن عمرو الاسلمیؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عمر بن الخطابؓ، اپنے والد حضرت ابوبکر الصدیقؓ، جدامہ بنت وہب الاسدیہ اور رسول اکرم ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے حوالے سے روایات بیان کی ہیں۔ [56] تابعیہ حضرت امّ الدرداءؓ نے اپنے شوہر حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت سلمان الفارسیؓ، حضرت کعب ابن عاصم الاشعریؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت فضالہ بن عبید الانصاریؓ کی سند پر روایات بیان کی ہیں۔ بعد کے ادوار میں ممتاز محدثہ شہدہ نے ان حضرات سے روایات کی سماعت کی: طراز بن محمد القرشی، ابن طلحہ النعالی، ابوالحسن بن ایوب، ابوالخطاب بن البطر، احمد بن عبدالقادر بن یوسف، حسن بن سلمان الدقاق، ثابت بندر، ابو یاسر احمد، عبدالواحد بن علون الشیبانی، جعفر السرّاج، ابومنصور، محمد بن حارثہ، منصور بن حید النیشاپوری، ابوالبرکات حمد بن عبداللہ الوکیل، ابوغالب الباقلانی اور دیگر محدثین۔ [57]

جہاں تک ان خواتین کی تعداد کا تعلق ہے جن کو اجازے عطا ہوئے ان کے اساتذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ مثال کے طور پر آسیہ بنت محمد العربیلی نے 200 سے زائد اساتذہ سے اجازے حاصل کیے۔ ان کے ان اساتذہ میں مرد اور خواتین دونوں شامل ہیں۔ ان کے چند قابل ذکر اساتذہ یہ ہیں: شیخ امّ محمود، زینب بنت احمد بن عمر ابن شکر المقدسی، عبدالحافظ بن الشیخ بدران المقدسی، محمد بن ہبۃ اللہ شیرازی، عمر بن عبدالمنعم بن عمر القواس، علی بن احمد ابی الفہیم،

امِّ محمد ستّ العرب بنت الشیخ تاج الدین عبد الرحمٰن بن عمر السلامی، امِّ ابراہیم فاطمہ بنت ابراہیم البعلبکیہ ،طویل العمر امام کمال الدین ہمام بن محمد الحنفی ، امِّ محمد زینب بنت کمال اور امۃ العزیز خدیجہ بنت یوسف ابن غُنیمہ ۔[58]

حواشی

1۔ ابن الجوزی (م 597) **أحكام النساء**،ص 131۔

2۔ ابن الاثیر،**أسد الغابة**،جلد 5،ص 454۔

3۔ **سنن ابن ماجه**،دعاء،باب **دعوة الوالد ودعوة المظلوم**۔

4۔ ابواحمد الحاکم،**فوائد (ما اتصل الينا)** ص 100۔

5۔ المزّی،**تهذيب الكمال**،جلد 35،ص 138۔

6۔ ابن حجر، **تهذيب التهذيب**،جلد 12،ص 434۔

7۔ المزّی، **تهذيب الكمال**،جلد 35،ص 153۔

8۔ ابن عساکر،**تاريخ دمشق** (تراجم النساء)،ص 436۔

9۔ دیکھیے حسن بن اسحاق بن بلبل،ابن العدیم،**بغيات الطلب**، 2295-2298۔

10۔ ذہبی، **تاريخ الاسلام**،(70-561)،ص 402۔

11۔ ابن عساکر،**الأربعين حديث من المساواة مستخرجة عن الرواة**،ص 228۔

12۔ ذہبی،**معجم الشيوخ**،جلد 1،ص 189۔

13۔ ابن حبّان،**الثقات**،جلد 4،ص 63۔

14۔ ایضاً، جلد 5، ص 301۔

15۔ لیدر وغیرہ، معجم السماعات الدمشقیّة، ص 50 اور 215۔

16۔ ایضاً، ص 139 اور 215۔

17۔ ابن فہد، الدُرّ الکمین، ص 1594۔

18۔ سنن الترمذی، جنائز، باب آخر فی فضل التعزیة۔

19۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب، جلد 12، ص 485۔

20۔ المزّی، تہذیب الکمال، جلد 35، ص 168۔

21۔ تقی الدین الفاسی، ذیل التقئید، جلد 2، ص 375۔

22۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 4، ص 92۔

23۔ ابن ماکولا (م 475)، الاکمال فی رفع الارتیاب، جلد 2، ص 532۔

24۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، جلد 8، ص 97۔

25۔ تقی الدین الفاسی، العقد الثمین، جلد 6، ص 41۔

26۔ لیدر وغیرہ، معجم السماعات الدمشقیّہ، ص 142 اور 319۔

27۔ ایضاً، ص 110 اور 312۔

28۔ ایضاً، ص 130 اور 304۔

29۔ ابن حبّان، الثقة، جلد 4، ص 194۔

30۔ المزّی، تہذیب الکمال، جلد 35، ص 152۔

31۔ صحیح البخاری، طب، باب ما یذکر فی الطاعون۔

32۔ الصیرفینی (م 641)، المنتخب من کتاب السیاق لتاریخ نیشاپور، ص 183۔

33۔ المنذری، التکملة لوفایة النقلة، جلد 1، ص 314۔

34۔ السمعانی، المنتخب من معجم الشیوخ، جلد 3، ص 1883۔

35۔ ذہبی، تاریخ الاسلام (580-571)، ص 146۔

36۔ ان کے نام مطیع الحافظ، الجامع المظفری میں مل سکتے ہیں۔

37۔ تقی الدین الفاسی، ذیل التقئید، جلد 2، ص 381۔

38۔ سنن أبی داؤد، صلوٰہ، باب المرأة تصلّی بغیر خمار۔

39۔ سنن ابن ماجة، فتن، باب التثبیت فی الفتنة۔

40۔ صحیح البخاری، توحید، باب قول الله: لا تحرّک به لسانک؛ ابن حجر، فتح الباری، جلد 8، ص 611؛ المزّی، تهذیب الکمال، جلد 35، ص 93-292۔

41۔ محمد بن جابر (م 749)، برنامج الوادی آشی، ص 169؛ ذہبی، معجم الشیوخ، جلد 1، ص 232۔

42۔ ابن حجر، الدُرّ الکامنة، جلد 2، ص 119۔

43۔ ذہبی، ذیل العبر، ص 60۔

44۔ ابن حجر، الدُرّ الکامنة، جلد 3، ص 351۔

45۔ ذہبی، معجم الشیوخ، جلد 2، ص 362۔

46۔ تقی الدین الفاسی، ذیل التقئید، جلد 2، ص 397۔

47۔ ابن حجر، المجمع المؤسّس، جلد 2، ص 351۔

48۔ دیکھئے سماعات ثلاثیات البخاری کے آخری جزو میں۔

49۔ المزّی، تهذيب الكمال، جلد35، ص143۔

50۔ دیکھئے: ذہبی، سير أعلام النبلاء، جلد2، ص515۔

51۔ السیوطی (م911)، المنجم فی المعجم، ص97-95۔

52۔ الصیر فینی، المنتخب من كتاب السياق لتاريخ نيشاپور، ص183۔

53۔ السلامی (م412)، ذكر النسوة المتعبّدات، ص423۔ (یہاں نسبہ استاد اور شاگرد کے روحانی رشتے کی طرف اشارہ کرتا ہے)۔

54۔ السخاوی، الضوء اللامع، جلد12، ص111۔

55۔ السیوطی، المنجم فی المعجم، ص97-95 اور 85۔

56۔ المزّی، تهذيب الكمال، جلد8، ص227۔

57۔ ذہبی، تاريخ الاسلام (580-571)، ص146۔

58۔ مجموعات الاجازات المخطوطة فی المدرسة الضيائية بسفح قاسيون۔

باب پنجم

زیر مطالعہ کتب

مختلف مقامات پر خواتین کے زیر مطالعہ کتب بھی مختلف ہوتیں۔ بعض اوقات ایک شہر کے مدرسوں میں مختلف کتابیں زیر مطالعہ رہتیں۔ تغیر اور تبدیلی کا یہ سلسلہ بعد کے ادوار میں بھی جاری رہا۔ البتہ اس ضمن میں ایک عمومی تصویر ذیل میں پیش کی جا رہی ہے، جس سے بعد کے ادوار کے نصاب کے اجزاء پر روشنی پڑتی ہے۔ نصاب کے یہی اجزاء مسلم دنیا کے مختلف گوشوں میں مروّج تھے۔ اس باب کے خاتمہ پر ان کتبِ احادیث کا تذکرہ ہے، جن کو قبولیت حاصل رہی۔

پہلی تین صدیاں

ماقبل اسلام کے عرب میں عورتوں کی تعلیم صرف خانگی کام کاج کے ہنر تک محدود تھی۔ مزید برآں یہ تعلیم زبانی اور بالعموم شاعری کے توسط سے ہوتی۔ بلاغت، شہ سواری، فنِ تحریر اور کتابت خواتین کے یہاں شاذ تھا۔ اسلام کے مستحکم ہونے کے بعد خواتین کی تعلیم اور ثقافت کا دائرہ وسیع تر ہوا۔ انھوں نے قرآن حفظ کیا، قرآن کی سبعہ قرأت پر عبور حاصل کیا، کسبِ علم حدیث کیا اور سنّت کی تحصیل کے ذریعہ علم دین سے بہرہ ور ہوئیں۔ بعض خواتین ان امور میں درجۂ کمال پر فائز ہوئیں۔ بعض نے بطور عالمات شہرت پائی اور بعض فقیہہ اور مفتیہ کے منصب پر جلوہ افروز ہوئیں۔ یہ خواتین تقریر و تحریر دونوں میں طاق تھیں اور بلاغت اور فن بلاغت کی مختلف اقسام پر حاوی تھیں۔

اسلامی تاریخ کی پہلی تین صدیوں میں مردوں اور عورتوں کے لیے اسلامی تعلیم کا کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا، البتہ اس دور کی تہذیب و ثقافت سے اس کا سراغ ملتا ہے کہ طلبہ تعلیم کی ابتداء

زبان و بیان سے کرتے، تا کہ وہ مافی الضمیر کے اظہار پر قادر ہوں۔ دوسری صدی کے بعد سے عربی صرف ونحو کا ارتقاء ہوا، البتہ صرف ونحو سے واقفیت ابتداء ہی سے اس طور پر لازم تھی کہ احکام خداوندی اور احادیث نبویؐ کی تفہیم وتشریح میں کوئی دشواری نہ پیش آئے۔ صرف ونحو سے یہ انہماک حضرت علی بن ابی طالبؓ کے دور خلافت میں منظر عام پر آیا۔ ایک ممتاز ادیب المبرّ د (م 285) کی رائے میں صرف ونحو کی ابتداء غالباً ایک خاتون کے باعث ہوئی۔ وہ رقم طراز ہیں: ''مازنی نے ہم سے روایت کی کہ صرف ونحو کی بنیاد کا سہرا ابوالاسود (م 69) کی بیٹی کے سر ہے۔ ایک موقعے پر اس نے اپنے والد کے سامنے یہ جملہ استعمال کیا: ''ما أشدُّ الحرِّ'' (حرارت کی کون سی شکل سب سے زیادہ شدید ہے)۔ حالاں کہ محل اس جملہ کا تھا: ''ما أشدُّ الحراء''۔ ان کے والد نے جواب میں کہا: گرم زمین پر تپتے ہوئے سنگ ریزے حرارت کے شدید ترین مظہر ہیں۔ بیٹی نے کہا: میری مراد حرارت کی شدت پر اظہارِ استعجاب تھا۔ والد نے کہا: اب لوگ زبان و بیان کے معاملہ میں اس طرح کی غلطیاں کرنے لگے ہیں؟ انھوں نے اس معاملہ کا ذکر حضرت علیؓ سے کیا، جنھوں نے انہیں صرف ونحو کے بعض بنیادی قواعد املا کرائے۔ ابوالاسود نے ان کی مزید تشریح اور توضیح کی۔[1]

زبان و بیان پر عبور حاصل کرنے کے علاوہ لڑکیاں مطالعۂ قرآن کا خصوصی اہتمام کرتی تھیں۔ اس کی تلاوت کے آداب سیکھتیں اور کلام اللہ حفظ کرنے کے ساتھ اس کی تفہیم کے لیے کوشاں رہتی تھیں۔ اس کے بعد وہ احادیث کا مطالعہ کرتیں، ان کو یاد کرتیں اور پھر ان کی روایت کرتی تھیں۔ جن خواتین کو احادیث کے علمی پہلوؤں کے مزید مطالعہ کا اشتیاق ہوتا، مثلاً احادیث کا شان ورود اور ان کے راوی، اسناد اور ان سنتوں کی تحقیق جو حدیث سے ماخوذ ہیں اور ان پر عمل کی شکلیں، وہ ان امور اور موضوعات کا مطالعہ کرتی تھیں۔

چوتھی سے چھٹی صدی تک

چوتھی صدی میں نصاب کے باقاعدہ مرتب ہونے کا آغاز ہوا۔ اس میں بتدریج ترقی اور اضافہ پانچویں صدی میں ممتاز وزیر نظام الملک قوام الدین ابوعلی الحسن بن علی بن اسحاق الطوسی

(408-484) کے عہد میں ہوا۔ طوسی ایک ذہین اور بالغ نظر منتظم تھے۔ علم وفن کی سرپرستی ان کا شوق تھا۔ انھوں نے طلبہ کے لیے وظائف کا نظم کیا۔ بغداد، نیشاپور اور طوس میں عظیم الشان مدارس قائم کیے۔ انھوں نے مرو، فرات، بلخ اور بصرہ میں بھی مدارس کی داغ بیل ڈالی۔ ان مدرسوں کے نصاب میں فلسفہ، علم کلام، منطق اور عملی مضامین، مثلاً ریاضی، طب، اور ٹکنالوجی شامل تھے۔ یہ نصابِ نظامی تعلیمی اداروں میں رائج تھا اور ابتدائی سطح پر یہ مضامین دیگر تعلیمی اداروں میں بھی شامل نصاب ہوئے۔

اس دور کی عالمات کے تذکروں کے مطالعہ سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ لڑکیاں اپنی تعلیم کی ابتداء عربی زبان میں مہارت سے کرتی اور فنونِ مطالعہ اور تقریر اور تحریر میں امتیاز حاصل کرتی تھیں۔ اسی کے ساتھ مطالعۂ قرآن بھی جاری رکھتی تھیں۔ تلاوتِ قرآن کے علاوہ وہ قرآن مجید بھی حفظ کرتی تھیں۔ بعض خواتین کو مکمل قرآن حفظ تھا اور یہ کارنامہ انھوں نے اوائل عمری میں انجام دیا تھا۔ اس کی روشن مثال فاطمہ بنت علی بن موسیٰ بن جعفر المقدسیہ الحسینیہ (پانچویں صدی) کی ہے۔ انھوں نے ۹ سال کی عمر ہی میں قرآن مجید حفظ کرلیا تھا۔ پھر انھوں نے اپنے والد کی نگرانی میں علم حدیث پر توجہ کی۔ [2]

دوسری یا تیسری صدی سے ہی صرف ونحو نصاب کا حصہ رہے، البتہ اس ضمن میں صرف ایک خاتون کی مہارت کا علم ہے، جو چوتھی صدی عیسوی میں حیات تھیں۔ مریم بنت جحش کے تذکرے میں درج ہے کہ وہ ایک عظیم یمنی عالم دین جمال الدین بن علی الفوارس الہمدانی کی بیوی تھیں۔ اپنے شوہر کو درپیش ایک علمی مسئلہ میں مریم نے اپنی خداداد ذہانت اور حاضر دماغی سے مشورہ دیا، جس کے باعث وہ عقدہ حل ہوگیا۔ ان کے شوہر جمال الدین الہمدانی مُرجِئہ فرقہ کے بعض متبعین سے بحث میں مشغول تھے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ جن کے دلوں میں ایمان جاگزیں ہو، گو کہ وہ اپنی زبان سے کوئی بھی کلمہ نہ ادا کریں، یا اپنے اعضاء سے کوئی بھی فعل انجام نہ دیں، ان کی مغفرت یقینی ہے۔ علی نے ان کے خلاف سورۂ اعراف کی آیت 40 کو پیش کیا: ''جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان کے مقابلے میں سرکشی کی ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گے، یہاں تک

کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوجائے۔" وہ مرجئ جو بحث میں شامل تھا، اس نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے، اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔ جب علی گھر واپس آئے تو مذکورہ بالا نکتہ ان کے ذہن میں گردش کررہا تھا اور مرجئ کے جواب کے باعث ان کو نیند نہ آئی۔ جب مریم نے اس سلسلے میں ان سے استفسار کیا تو انھوں نے اس کی وضاحت کی۔ اس پر مریم نے کہا کہ زیر مطالعہ آیتِ قرآنی میں لفظ اونٹ فعل کا تابع ہے، نہ کہ اس پر حاوی۔ اس کے جواب سے اس کے والد کو یہ اندازہ ہوا کہ وہ اب مرجئ کو مطمئن کردیں گے اور آرام سے سوسکیں گے۔ اگلی صبح وہ ان کے رفقاء کے پاس گئے اور ان کو مطلع کیا کہ مرجئ کو خاموش کرنے کا کیا طریقہ ہے۔[3]

امۃ الواحد بنت الحسین بن محمد الضبی المحاملی (م 377) کے تذکرے سے اس دور کے چوتھی صدی کی ابتداء میں رائج نصاب کا اندازہ ہوتا ہے۔ دار قطنی راوی ہیں کہ امۃ الواحد نے قرآن حفظ کرلیا تھا اور امام شافعی کے مسلک پر فقہ میں مہارت حاصل کی تھی۔ وہ علم الفرائض، ریاضی، صرف ونحو اور دیگر علوم پر حاوی تھیں۔[4] ذہبی کا قول ہے کہ امۃ الواحد نے اپنے والد اور اسماعیل الورّاق اور عبدالغافر ابن سلامۃ سے روایت کی، قرآن مجید حفظ کیا اور امام شافعی کے مسلک کے مطابق فقہ میں درجۂ امتیاز حاصل کیا۔ وہ قانونِ میراث، عربی زبان کے قواعد، صرف ونحو اور دیگر اسلامی علوم وفنون میں درک رکھتی تھیں۔[5]

اس دور میں مردوں اور عورتوں دونوں کے یہاں **صحیح البخاری** کے مطالعہ کے رجحان نے بڑی تیزی سے فروغ پایا۔ چوتھی صدی کی ایک خاتون نے مکمل **صحیح البخاری** کا مطالعہ اپنے استاد ابو الہیثم الکشمہانی (م 379) سے کیا۔ وہ ایک عالم دین تھے۔ یہ خاتون شیخہ امّ الکرام کریمہ بنت احمد بن محمد بن حاتم المروزیہ (م 467) تھیں۔[6]

مزید برآں اسی دور میں **صحیح البخاری** کا تعارف اندلس میں ہوا۔ خدیجہ بنت ابی محمد عبداللہ بن سعود (پانچویں صدی کے عالم دین) نے مشہور راوی ابوذر عبد بن احمد الحرّاوی سے ایک دفعہ اس کا مکمل دور سنا۔[7] ابن بشکوال (م 578) رقم طراز ہیں: "میں نے ان کے

والد اور ان کی اصل تحریر سماع بچشم خود دیکھی اور وہ ان کے ہم راہ اندلس آ گئیں"۔[8]

خواتین نے **صحیح مسلم** کا بھی مطالعہ کیا۔ بعض اوقات وہ اس میں ایسا منہمک ہوتیں کہ اعلیٰ اسناد کے ساتھ اس کے متن کی روایت دوسرے طرق سے کرتیں۔

مشہور عالمہ فاطمہ بنت الاستاد ابی علی بن حسن بن الدقاق (م 480) ابو القاسم القشیری کی اہلیہ تھیں۔[9] انھوں نے مکمل **صحیح ابن عوانة (ماخوذ از صحیح مسلم)** کی سماعت کی اور پھر اس کی روایت کی۔ اپنے استاذ محمد بن محمد بن عبد اللطیف کے تذکرہ میں ابن حجر رقم طراز ہیں کہ انھوں نے **صحیح ابن عوانة** کی اپنی اسناد کی روایت عبد الرحیم بن الحافظ ابی سعد بن السمعانی سے کی، جنھوں نے اس کی سماعت ابو البرکات الفراوی سے کی اور ابو البرکات نے اس کا سماع فاطمہ بنت علی الدقاق سے کیا۔ فاطمہ نے اس کی سماعت ابو نُعیم ابو الملک بن الحسن الاسفرائینی سے کی، جنھوں نے اس کا براہ راست سماع ابو عوانہ سے کیا۔[10]

بعض خواتین کی دلچسپی متعین موضوعات پر کتبِ حدیث سے تھی۔ مثال کے طور پر فاطمہ بنت احمد بن الفضل العتزی نے ابو نعیم الفضل بن دکین کی **کتاب الصلاة** کا درس شیخ ابو بکر العرج محمد بن عبد اللہ بن احمد بن شاذان سے 431 میں لیا۔[11] بعض خواتین نے تجویدِ قرآن اور علم حدیث میں اختصاص کا درجہ حاصل کیا۔ مثال کے طور پر امّ سعد اسماء بنت احمد بن عبد اللہ بن احمد البحرانیہ (پانچویں صدی) نے ناسخ و منسوخ کے علم پر عبور حاصل کیا۔ ابن حجرؒ نے عطا الخراسانی (م 135) کی **کتاب الناسخ و المنسوخ** کی روایت ان راویوں سے کی ہے: احمد بن ابی بکر، سلیمان بن حمزہ، جعفر بن علی، ابو طاہر السّلفی، اسماء بنت احمد البحرانیہ۔ اسماء کی اسناد اس کتاب کے مصنف سے مروی ہیں۔[12]

اس دور میں عالم اسلام میں تصوف نے بڑی مقبولیت حاصل کی اور عابدانہ اور زاہدانہ طرز زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تصانیف کو قبول عام حاصل ہوا۔ شیخہ امّ الدلال امة الرحمٰن بنت ابی القاسم ابی الواحد بن الحسن بن الجنید (م 487) نے ابو بکر محمد الحسین الاجری کی **کتاب التفرّد و العزلة** کا مطالعہ ابو القاسم عبد الملک بن محمد بن بشران کی شاگردی میں کیا۔[13]

تصوف سے شغف کا ایک نتیجہ یہ بھی سامنے آیا کہ رہبانیت پر اصرار کے باعث دعوت اور موثر مواعظ پر مشتمل تصانیف سے دلچسپی میں خاصا اضافہ ہوا۔ طویل العمر خدیجہ بنت محمد بن علی الواعظہ الشاہجہانیہ (460-376) نے ابوالحسین بن سمعون الواعظ کی أمالی کا مطالعہ خود مصنف کی زیر نگرانی کیا۔[14] عائشہ بنت حسن بن ابراہیم الواعظ (م460) ابن مندہ کی أمالی کو ضبط تحریر میں لائیں اور اس کا سماع براہ راست اس کے مصنف سے کیا۔[15]

اس دور میں **الأربعین** (چہل حدیث) کا رواج عام ہوا۔ امّ الاعلی، شیخ ابوالطیب عبدالرزاق بن شمّہ کی پوتی کے بارے میں مذکور ہے کہ انھوں نے اپنے دادا کی شاگردی میں 455 میں ابوبکر ابن المقری کی **الأربعین** کا مطالعہ کیا۔[16]

جہاں تک شاعری اور ادب سے دلچسپی کا تعلق ہے، اس ضمن میں ایک روشن مثال الاشراق السویدۃ (اندازاً 450) کی ہے، جو ابوالمطرّف عبدالرحمٰن بن غلبون القرطبی کی باندی تھیں اور ان کا تعلق ویلنسیا (اندلس) سے تھا۔ انھوں نے عربی صرف ونحو اور زبان وادب کا گہرا مطالعہ کیا اور عروض میں ایسا ملکہ حاصل کیا کہ ان کا لقب ہی العروضیہ پڑ گیا۔ انھوں نے درج ذیل دو ادبی شاہ کاروں کو زبانی یاد کیا اور ان پر محاضرات بھی پیش کیے: ابوالعباس المبرد کی **الکامل** اور ابوعلی القالی کی **أمالی**[17]۔ شریف الرازی کی بیٹی نے اپنے چچا کی نگرانی میں **نہج البلاغۃ** کا مطالعہ کیا۔ ابن الاخوا البغدادی (م548) نے اس کتاب کی روایت انہی سے کی ہے۔[18]

ساتویں سے نویں صدی تک

اس دور میں خواتین کی تعلیم میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہوا، البتہ ان کی تعلیم کا صیغہ مزید منظم اور مستحکم ہوا۔ زبان اور صرف ونحو کی اہمیت بدستور باقی رہی۔ ان مضامین سے متعلق کتب کو طلبہ زبانی یاد کرتے۔ مثال کے طور پر نضار بنت شیخ ابی حیّان (م730) نے صرف ونحو پر ایک ابتدائی کتاب کو حفظ کیا۔[19] حفظ قرآن اور تفہیم قرآن کی علمی روایت برقرار رہی۔ بعض خواتین نے بچپن ہی میں حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی۔ مثلاً شرف الاشراف بنت علی بن

موسیٰ الطاؤسیۃ الحسینیۃ نے صرف بارہ سال کی عمر میں حفظ قرآن کیا۔[20] دیگر خواتین نے نسبتاً بڑی عمر میں یہ سعادت حاصل کی۔مثال کے طور پر امّ الحسن کریمہ بنت احمد بن علی بن ابی وردی (م 555) نے قرآن کے بعض اجزاء حفظ کیے۔وہ ان کی تلاوت اور قرأت کرتیں۔ انھوں نے علم حدیث میں بھی درک پیدا کیا۔[21] بعض خواتین نے سبعہ قرأت کا خصوصی مطالعہ کیا۔ مثلاً امّ العزّ بنت محمد بن علی بن غالب العبدری الدانی (م 617)[22]۔بعض خواتین نے فن تجوید کو اپنا خصوصی موضوع منتخب کیا۔ 786 میں حسن بنت شیخ محمد بن حسن السعدیہ الملکیۃ (م 842) نے **الشاطبیۃ** اور فن تجوید پر ایک اور تالیف کے بعض اجزاء کا مطالعہ کیا۔[23]

ایسی خواتین کا بھی تذکرہ ملتا ہے جنھوں نے علوم قرآن میں اختصاص کیا۔ عائشہ بنت عبدالرحیم بن محمد بن احمد الزجاج نے اپنے اساتذہ کی نگرانی میں ابوبکر محمد بن عزیز السجستانی (م 330) کی **غرائب القرآن** کا مطالعہ کیا۔[24] اور ابوعبد محمد بن ایوب البجلی (تیسویں صدی) کی تصنیف **فضائل القرآن** کا مطالعہ کیا۔[25] طویل العمر شیخہ ضوء الصباح عجیبہ الباعبادیہ (م 647) اپنی عالی اسناد کے لیے ممتاز ہیں۔[26]۔انھوں نے ابوالحسن، ابو خالق الشیرازی کی شاگردی میں البجلی کی **فضائل القرآن** کا مطالعہ کیا اور اس کی اسناد کا علم براہ راست مصنف البجلی سے حاصل کیا۔انھوں نے ابوبکر الجرّی (م 307) کی کتاب **أخلاق حملات القرآن** کا مطالعہ ابوالفتح محمد بن الباقی کی نگرانی میں کیا اور اس کی اسناد کا علم اس کے مصنف سے براہ راست حاصل کیا۔[27] اسی طرح انھوں نے محی السنۃ البغوی کی **مشکل القرآن العظیم** کا مطالعہ حافظ ابوموسیٰ المدینی کی شاگردی میں کیا، جنھوں نے اس کی اسناد براہ راست مصنف سے حاصل کی تھیں۔[28]

اس دور میں کتب فقہ کی تلخیصات نصاب کا جزء تھیں، مثلاً احناف میں **مختصر القدوری**، مالکیہ میں **الرسالۃ القیروانیۃ** اور شوافع میں **مختصر المزنی**۔ ذہبی نے ذکر کیا ہے کہ **مختصر المزنی** ایسی مفید کتاب تھی جو شادی کے موقعے پر دلہن کے جہیز میں دی جاتی تھی۔[29] بعض خواتین نے ممتاز فقہاء کی اعلیٰ سطح کی تصانیف کو اپنے اختصاص کے لیے

منتخب کیا۔ فاطمہ السمر قندیۃ (چھٹی صدی) نے **تحفۃ الفقہاء** کو مکمل طور پر زبانی یاد کیا۔[30] دیگر خواتین نے فقہ کے بعض موضوعات کا مطالعہ کیا، مثلاً شیخہ امّ محمد خدیجہ بنت ابی محمد الحرانیہ (م 634) نے اپنے والد کی نگرانی میں الازدی کی **کتاب الاموال** کا مطالعہ کیا۔

جہاں تک حدیث کی بنیادی کتب (صحاح ستہ) کا سوال ہے، اس کتاب میں ایک اور ذیلی عنوان کے تحت خواتین کی دلچسپی کے اس موضوع کو نمایاں کیا گیا ہے۔ خواتین مستند کتب حدیث کی شائق اور معروف کتب حدیث کی حریص تھیں۔ خدیجہ بنت شمس الدین محمد بن ابی بکر بن احمد بن عبدالدائم نے **صحیح ابن حبّان** کا مطالعہ محمد بن احمد بن ابی الحیجہ بن الفراج الحریری کے زیر نگرانی کیا۔[31] امّ الحیا حفصہ بنت عبداللہ بن احمد بن ملاعب البغدادیۃ العزجیۃ (م 612) نے ہمام ابن منبہ (م 731) کے **صحیفہ** کا مطالعہ ابوالفضل محمد بن عمر الرماوی کی نگرانی میں کیا۔ اس کی سند ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔[32]

طویل العمر اور عالی اسناد کی حامل تجنّی بنت عبداللہ الوھبانیۃ (م 575) نے **حدیث المخرنی و المروزی** [33] اور **أمالی المحاملی** کا مطالعہ حسین بن احمد بن طلحہ النعالی کی سرپرستی میں کیا۔[34] اسی طرح انھوں نے طراد بن محمد بن علی الزینبی کی شاگردی میں **جزء ھلال** کا مطالعہ کیا اور انھوں نے اس کا سماع اس کے مصنف سے براہ راست کیا تھا۔[35] امّ الخیر حلیمہ بنت حافظ ابن عساکر نے **جزء علی بن محمد الحمیری** کا مطالعہ اپنے والد کی نگرانی میں 541 میں کیا۔[36]

اصلاً خواتین سے مروی احادیث خصوصی مطالعہ کا موضوع ثابت ہوئیں۔ ست العرب بنت محمد بن علی بن البخاری (م 767) نے ابوحفص عمر بن شاہین کی **فضائل فاطمۃ** کا مطالعہ اپنے دادا کی نگرانی میں کیا۔[37] ستّ الشام بنت خلیل بن نصر نے یوسف ابن الہادی کی شاگردی میں 808 میں **مسند النساء** اور صحابیات کی 141 احادیث کا مطالعہ کیا۔[38]

عائشہ بنت بدرالدین الزرکشی نے اپنے والد کی نگرانی میں 794 میں **الاصابۃ فی ما استدرکتہ عائشۃ علی الصحابۃ** کا مطالعہ کیا۔[39] چھٹی صدی کے بعد خواتین نے

اصولِ حدیث، راویان حدیث کا مطالعہ بھی کیا۔ شیخہ عزیزۃ بنت حسن بن علی بن الطراح (م 600) نے ابوبکر الخطیب (م 463) کی مکمل **الکفایۃ فی قوانین الروایۃ** کا مطالعہ اپنے دادا کی شاگردی میں کیا، جنھوں نے اس کی سماعت براہ راست اس کے مصنف سے کی تھی۔[40] یحیٰ بن معین کی **کتاب التاریخ** کا مطالعہ خدیجہ بنت عمر بن ابی بکر نے 652 میں ابوالفضل اسماعیل بن احمد العراقی کی شاگردی میں کیا۔[41] امام بخاری کی **التاریخ الکبیر** کا مطالعہ 503 میں فاطمہ بنت المبارک نے حافظ ابو الغنائم النرسی کی شاگردی میں کیا۔[42] طویل العمر شیخہ زینب بنت مکّی الحرانیہ (م 688) نے زبیر بن البکّار کی **کتاب النسب** کا مطالعہ عمر بن تبرزد کی نگرانی میں کیا۔[43] ضوء الصباح العجیبہ (م 643) نے ابن المندۃ (م 395) کی **معرفۃ الصحابۃ** کا سماع مسعود الثقفی سے کیا۔[44]

ست الطرف بنت امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن الحسین اور التنسی بن السحمی (م 427) کی **تاریخ جرجان** کے جزء کا مطالعہ 597 میں اپنے والد کی نگرانی میں کیا۔[45]

529 میں رابعہ بنت سعد الخیر نے امام ابومنصور محمد بن عبدالمالک بن خیرون کی نگرانی میں **کتاب الضعفاء و المتروکین** کا مطالعہ کیا۔[46] ابوالقاسم المبارک بن الزوری کی شاگردی میں **الجامع لأخلاق الراوی و آداب السامع** کا مطالعہ کیا۔[47] قرأت کی ماہر اور عالمہ امّ الخیر فاطمہ بنت ابی الحسن علی بن المظفر البغدادیۃ (م 532) نے ابوحسین بن الغافر الفارسی کی شاگردی میں کتاب **غریب الحدیث** کا مطالعہ کیا۔[48] امّ الحسن کمال بنت الحافظ ابی محمد عبدالرحمٰن بن احمد بن عمر السمر قندی (م 558) نے **تقیید العلم** کا مطالعہ اپنے والد کی نگرانی میں کیا۔ یہ تصنیف خطیب بغدادی کی ہے۔[49] اسماء بنت ابی بکر ابن موسیٰ الخلال نے شیخ امام ابو الفضل جعفر بن علی بن ہبۃ اللہ الہمذانی کی نگرانی میں 536 میں **سؤالات الحافظ السلفی** کا مطالعہ کیا۔[50] امّ الفضل زینب بنت موسیٰ ابراہیم ابی محمد ابن احمد القیسی (م 610) نے خطیب بغدادی کی کتاب **الأسماء المھمۃ فی الانباء المحکمۃ** کا مطالعہ امام ابوالفتح نصر الذابی محمد المصیصی کی شاگردی میں کیا۔[51] امّ الحسن اسماء بنت الجمال الحرانی (م 867) خطیب البغدادی کی تصنیف **روایات الآباء عن الابناء**

کا مطالعہ الکمال محمد بن محمد بن نصر اللہ اور احمد بن الغالب کے زیر نگرانی کیا۔[52]

مطالعہ کا ایک اہم موضوع سیرتِ طیبہ اور غزوات نبویؐ تھے۔ شیخہ ضوء الصباح العجیبہ البغدادیہ نے **شمائل ترمذی** کا مطالعہ القاسم بن الفضل بن عبدالواحد اور رجاء بن حامد بن رجاء المدینی کی شاگردی میں کیا۔[53] امّ الحنا اسماء بنت ابی بکر العثمانی المراغی نے **الشفاء** اور **البردة** کا مطالعہ العزّ بن جماعہ کی شاگردی میں 767 میں کیا۔[54] امّ احمد خدیجہ بنت محمد بن خلف بن راجح المقدسی نے واحدی کی مکمل **مغازی** کا مطالعہ 603 میں کیا۔[55] غزواتِ نبویؐ کے علاوہ بعد کے ادوار کی مسلم فتوحات سے بھی خواتین کو شغف تھا۔ آٹھویں صدی کی عالمہ زہرہ بنت محدث کمال الدین عمر بن حسین بن ابی بکر الحنفی نے ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبدالحکم المصری (م 257) کی **کتاب فتوح مصر و المغرب** کا مطالعہ کمال الدین ابوالحسن علی بن شجاع المصری کی شاگردی میں کیا۔[56]

علم الکلام کا مطالعہ بدستور جاری رہا۔ زینب بنت عمر الکندی (م 699) نے ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ (م 311) کی **کتاب التوحید** کا مطالعہ ابوروح عبدالمعز بن محمد الہراوی کی نگرانی میں کیا اور ان کی اسناد ابن خزیمہ سے مروی ہیں۔[57] ضوء الصباح العجیبہ الباع الباقداریہ نے ابن مندة (م 395) کی **کتاب التوحید** کا مطالعہ حسن بن عباس الرستمی، مسعود بن حسن الثقفی اور ابوالخیر بن الباغبان کے زیر نگرانی کیا۔ ان تینوں حضرات نے اس کا اکتساب عبدالوہاب ابن مندة سے اور انھوں نے اس کا مطالعہ اس کتاب کے مصنف اپنے والد ابن مندة سے کیا تھا۔[58] ضوء الصباح نے بیہقی کی **دلائل النبوة** کا مطالعہ مبارک بن علی بن طباخ [59] اور ابوالحسن عبدالرحمٰن ابن عمر الزهری کی **کتاب الایمان** کا مطالعہ مسعود الثقفی کی شاگردی میں کیا۔[60]

آخر نویں صدی سے تیرہویں صدی تک

اس دور میں عالم اسلام میں علم حدیث کے مطالعہ میں زوال آیا۔ علم حدیث کے طلبہ اور طالبات کی تعداد میں نمایاں کمی ہوئی اور کتبِ حدیث بھی کم تعداد میں منظر عام پر آئیں۔

بہرکیف تعلیم کا بنیادی نظم برقرار رہا۔ چنانچہ تعلیم کی ابتداء بدستور عربی صرف ونحو کے مطالعہ سے ہوتی تھی۔ بعض طلبہ نے صرف ونحو کی جامع کتب کو زبانی یاد کرلیا تھا۔ امّ الحیاء امامہ بنت قاضی القضاۃ اثیر الدین محمد بن الشحنا الحنفی (م 939) کو **ملحات الاعراب** اور بعض دیگر کتب زبانی ازبر تھیں۔ [61]

خواتین کو صرف ونحو کے علاوہ قرآن مجید سے شغف برقرار رہا۔ بوران بنت محمد اثیر الدین (م 938) نے قرآن مجید اور متعلقہ کتب کا مطالعہ کیا اور ان کو نقل کیا۔ [62]

شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر (م 1113) نے اپنی بیٹی زیب النساء کے حفظِ قرآن کے پرمسرت موقع پر اس کی استانی مریم الکشمیریہ کو 30 ہزار طلائی دینار عطا کیے۔ زیب النساء نے فن تحریر اور مختلف اقسام کی خطّاطی کے علاوہ علم حدیث اور فقہ کا مطالعہ مروّجہ نصاب کے مطابق کیا۔ [63] مردوں اور خواتین کا نصاب تعلیم یکساں تھا اور یہ عربی صرف ونحو، ریاضی، منطق، فلسفہ اور دیگر علوم پر مشتمل تھا۔ یہ صورت حال صرف ہندوستان تک محدود نہ تھی۔ اسی دور کی ایک مثال یمن کی ہے۔ وہاں زینب بنت محمد بن احمد المؤیدی (م 1114) نے صرف ونحو، منطق، علم الکلام، فقہ، نجوم وفلکیات، ادب اور دیگر علوم پر دست رس حاصل کی۔ [64] جہاں آرا بیگم بنت سلطان شاہ جہاں (م 1092) نے تجویدِ قرآن مجید اور قرأت کا فن ست خانم سے حاصل کیا اور خطّاطی اور فارسی زبان، فن تحریر، شاعری، خانگی انتظام اور دیگر فنون میں امتیاز حاصل کیا۔ [65]

بعض خواتین نے علم التجوید کے مطالعہ کے بعد علم حدیث کی جانب توجہ کی۔ خناثہ بنت بکار بن علی المعافری (م 1159) سبعہ قرأت اور علم حدیث پر عبور رکھتی تھیں۔ [66] علم حدیث کی ابتداء امام نووی کی **الاربعین** سے ہوتی۔ زین العرب بنت محمد کمال الدین (دسویں صدی) کو تجوید کی کتاب **الجذریۃ** اور نووی کی **الأربعین** ازبر تھیں۔ [67] فاطمہ بنت عبداللہ المنشادیہ نے امام نووی کی **الأربعین** اور **ثلاثیات البخاری** کا مطالعہ 1189 میں حافظ مرتضٰی الزبیدی کی شاگردی میں کیا۔ [68]

بعض خواتین نے علم حدیث کا مطالعہ گہرائی اور گیرائی سے کیا۔ امۃ الخالق بنت زین الدین عبداللطیف القاہری (م902) نے تمام الرازی کی **فوائد** کے بعض اجزاء، ابن ہشام کی سیرت کا بیش تر حصہ، ابن حنبل کی **مسند احمد**، **الغیلانیات** اور دیگر کتب حدیث کا مطالعہ 816 میں جمال الدین حنبلی کی شاگردی میں کیا۔ ان کو متعدد اساتذہ سے اجازہ حاصل تھا۔[69] انھوں نے ابن البخاری کی **مشیخۃ** اور طبرانی کی **المعجم الصغیر** کا بھی مطالعہ کیا۔[70] 857 میں ایملک بنت احمد نے موفق الدین بن قدامہ (م620) کی **کتاب التوابین** کا مطالعہ ابوالعباس احمد بن ہلال الازدی کی شاگردی میں کیا۔[71] باء خاتون بنت ابراہیم الحلبیۃ (م942) نے امام نووی کی **منہاج** اور **احیاء علوم الدین** کے بعض اجزاء کا مطالعہ زین الدین الشماع کی نگرانی میں کیا۔[72] بلبل بنت عبداللہ الرومیۃ نے اپنے استاذ شیخ یوسف بن عبدالہادی کی نگرانی میں، ابوبکر ابن المقری کی **الأربعین** کا مطالعہ 880 میں کیا۔[73] 897 میں انھوں نے **حدیث البغوی** اور ابن سعید الہاشمی اور حافظ یزدی المقدسی (م642) کی **فضائل بیت المقدس** کا مطالعہ کیا۔[74] حبیبہ بنت شیخ الاسلام ابی الحق السنباطی (دسویں صدی) نے اپنے والد کی تصانیف **أمالی المحاملی** اور **حدیث سعدان ابن نصر** کا مطالعہ کیا۔[75] خدیجہ بنت محمد بن ابراہیم المقری الحنفی (م935) نے شیخ بدرالدین الغزی کی نگرانی میں **صحیح البخاری** کا مطالعہ کیا۔[76]

سارہ بنت نمیر نے حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی (م842) سے ان کی تصنیف **اللفظ المکرم بفضل عاشوراء المحرّم** کی تحصیل کی۔[77] صابرین النوبیۃ (دسویں صدی) نے النقاش کی تصنیف **فوائد العراقیین** کا مطالعہ امّ ہانی الحوریئیہ کی نگرانی میں کیا۔[78] زینب بنت اکتا (11ویں صدی) نے شیخ عبدالحق بن محمد السنباطی کی نگرانی میں طبرانی کی **المعجم الاوسط** کا مطالعہ کیا۔[79]

حدیث کے عمومی اور خصوصی مطالعہ کے علاوہ خواتین نے سیرت طیبہ اور علم کلام میں بھی درک حاصل کیا۔ مثال کے طور پر 906 میں عائشہ بنت حسن بن علی الکنعانی نے حافظ یوسف بن الہادی کی نگرانی میں ابن ہشام کی **سیرت** اور **دلائل النبوۃ** کا مطالعہ کیا۔[80]

چودھویں صدی میں

ماضی کی طرح چودھویں صدی کے نصاب کا جزو اعظم قرآن مجید بدستور رہا۔ خدیجہ بنت احمد بن العزوز الفاسیۃ (م1323) حافظ قرآن تھیں ۔ وہ مختلف قرأتوں کے ساتھ اس کی قرأت پر قادر تھیں۔ یہ فن انھوں نے ابوالحسن جنبور کی شاگردی میں حاصل کیا۔[81] خواتین اس دور کے نصاب سے بھی استفادہ کرتیں جو قرآن وادب کے علاوہ معقولات اور منقولات پر مشتمل تھا۔طویل العمر محدثہ امۃ اللہ بنت عبدالغنی الدھلویۃ (م1357) نے قرآن مجید،صرف ونحو،عربی ادب اور حنفی فقہ کی تحصیل علم اپنے والد سے کی، پھر اپنی پوری توجہ حدیث کے مطالعہ پر مرکوز کردی۔ اپنے والد کی نگرانی میں انھوں نے صحاح ستہ کا مطالعہ متعدد مرتبہ کیا اور دیگر خصوصی کتب مثلاً اجزاء اور مسلسلات پر بھی عبور حاصل کیا۔[82] امۃ اللہ عائشہ بنت عبدالحئ الحسینیۃ (م1396) کو قرآن مجید کے بیش تر اجزاء حفظ تھے۔انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے چچا سید عزیز الرحمٰن اور اپنی والدہ خیر النساء سے حاصل کی۔اس کے بعد انھوں نے از خود بہت سی کتب کا مطالعہ کیا۔

خدیجہ بنت احمد بن جندان (م 1344) نے اپنی دادی سے فقہ کے ابتدائی دروس لیے اور عورتوں کے طہارت اور نماز سے متعلق ضروری مسائل سے واقفیت حاصل کی۔انھوں نے اپنے والد کی نگرانی میں **مختصر السفینۃ** اور دیگر کتب کا مطالعہ کیا۔[83]

بعض خواتین نے حدیث میں درجۂ اختصاص حاصل کیا اور صحاح ستہ اور دیگر کتبِ حدیث کا خصوصی مطالعہ کیا۔شمس النساء بنت آمر حسن السھوانی (م 1308) نے قرآن مجید کا مطالعہ، تجوید کی رو سے کیا۔اس کے بعد خطاطی،عربی صرف ونحو، تفسیر، **مشکوٰۃ المصابیح**، پھر صحاح ستہ کا مطالعہ اپنے والد کی نگرانی میں کیا۔[84]

صالحہ بنت عنایت رسول عباسی چریاکوٹی (م1318) نے اپنے والد کی نگرانی میں نصاب میں شامل تمام کتب کا مطالعہ کیا اور اپنے والد کی صحبت کی بدولت جلد معقولات ومنقولات کی ماہر ہوگئیں۔[85] فاطمہ بنت سالم (م1339) کا تعلق جاوا سے تھا۔انھوں نے اپنے والد

سے پڑھنا لکھنا سیکھا، انہی کی نگرانی میں بافضل کی **المنہاج المختصر** اور **الاجرومیۃ** کا مطالعہ کیا۔[86] انھوں نے زبیر بن قاسم بارقبہ کی شاگردی میں **صحیح البخاری** کا مطالعہ کیا۔[87] اسی طرح سید احمد بن زینی دحلان کی نگرانی میں انھوں نے **عوائل الاجلونی** کا مطالعہ کیا۔[88] عالمہ لحاظ النساء بنت صابر حسین سہوانی (م 1309) نے فن خطّاطی اپنے والد سے سیکھا، پھر اپنے مطالعہ کی مدد سے عربی صرف ونحو پر دست رس حاصل کی۔ انھوں نے **بلوغ المرام** اور صحاح ستہ اور سنّت پر کتب کا مطالعہ مولانا محمد بشیر سہوانی (چودھویں صدی) کی نگرانی میں کیا۔ عظیم محدث شیخ حسین بن محسن الانصاری کی نگرانی میں دیگر کتب حدیث کا مطالعہ کیا۔[89]

بعض خواتین کو کتبِ تصوف سے دلچسپی تھی۔ مسعدہ بنت احمد بن ہادی بن احمد الحداد نے غزالی (م 505) کی **احیاء علوم الدین**، سہروردی کی **عوارف المعارف** کے مطالعہ اور النبہانی (م 1350) کی **الاربعین** کو زبانی یاد کرنے کے باعث شہرت پائی۔[90]

درس میں شامل کتب

یہاں ان کتبِ حدیث کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو خواتین کے زیرِ مطالعہ رہی ہیں۔ ان کی ابتداء امام مالک ابن انس کی **مؤطا** سے کی جاتی ہے۔ وقت اور جگہ کی قلت کے باعث یہ احاطہ کرنا ممکن نہیں کہ ان کتب حدیث کا مطالعہ کتنی گہرائی اور گیرائی سے کیا جاتا تھا۔ البتہ یہ امر واضح ہے کہ کتب حدیث خواتین کے زیرِ مطالعہ رہیں۔ ان کتب کی تعداد قابل لحاظ، بلکہ حیرت انگیز حد تک جامع ہے، بلکہ آج کے علماء حدیث کے لیے تعجب خیز بھی۔ قارئین کے سامنے بہتر تصویر کشی کے لیے میں نے امّ ہانی بنت نور الدین الحورونیہ (م 871) کے زیرِ مطالعہ کتب کی فہرست اور امّ ہانی کے اساتذہ کے اسماء درج کردیے ہیں۔ یہ جزء اس باب کے آخر میں ہے۔

المؤطا:

امام مالکؒ (م 179) کی **مؤطا** حدیث اور فقہ کو محیط ایک اہم جامع تصنیف ہے۔ اس کو عالم اسلام میں درجۂ استناد حاصل ہے۔ کثیر تعداد میں طالبان حدیث نے اسے زبانی یاد کیا۔

ان میں امام مالک اور امام شافعیؒ کی بیٹیاں شامل ہیں۔ شھدہ البغدادیۃ (م 574) نے مکمل **مؤطا** کا مطالعہ کیا۔[91] ضوء الصباح عجیبہ باقداریہ نے اس کی سماعت القعبنی اور یحییٰ بن ثابت (م 566) سے کی۔[92] مصر کی خدیجہ بنت نور الدین علی الانصاری (م 873) نے یحییٰ بن یحییٰ سے مروی مؤطا کا مطالعہ العز ابن ابی الیمن الکویک کی نگرانی میں کیا۔[93]

الجوامع:

جوامع (جامع کی جمع) سے مراد حدیث کے وہ مبسوط مجموعے ہیں جن میں احادیث کے بنیادی ابواب شامل ہوتے ہیں، مثلاً عبادات، معاملات، معاہدات، زہد، آداب، تفسیر، سیرت، تاریخ، فتن اور مناقب وغیرہ۔ جوامع میں سب سے زیادہ شہرت ان تین مجموعوں کو حاصل ہوئی۔ بخاری کی: **الجامع الصحیح**، مسلم کی **الجامع الصحیح** اور الترمذی کی **الجامع**۔

جیسا کہ اس سے قبل اشارہ کیا گیا ہے، خواتین نے چوتھی صدی سے **صحیح البخاری** کے مطالعہ کی ابتدا کی اور یہ روایت بعد کے ادوار میں برقرار رہی۔ **صحیح البخاری** کی طالبات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ میں نے صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا ہے۔ ایک روشن مثال اصفہان کی عظیم شیخہ امّ البہاء فاطمہ بنت ابی الفضل محمد بن ابی سعد اصبہانی (م 539) کی ہے۔ انھوں نے اس کا مطالعہ سعید العیار کی شاگردی میں کیا۔[94] بعض خواتین نے **صحیح البخاری** کے چند اجزاء کا مطالعہ کیا، مثال کے طور پر آمنہ بنت المؤید ابی بکر بن العمید (ساتویں صدی) نے اس کے سلسلے میں ابوالوقت السجزی سے کسبِ فیض کیا۔[95]

صحیح مسلم میں خواتین کی دلچسپی نسبتاً کم رہی۔ ممتاز نیشاپوری عالمہ امّ الخیر فاطمہ بنت ابی الحسن علی (م 532) نے اس کا مطالعہ اپنے دور کے مشہور ترین استاد ابوالحسین عبد الغافر الفارسی کے زیرِ نگرانی کیا۔[96] ترمذی کی **الجامع** سے خواتین کا شغف بعد کے ادوار میں پروان چڑھا۔ **جامع الترمذی** کی طالبات کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ اس میں ایک ممتاز نام زینب بنت مکی (م 688) کا ہے، جنھوں نے اس سے کسبِ فیض عمر ابن طبرزاد کی نگرانی میں کیا۔[97]

آگے تین باہم مربوط نقشے درج ہیں، جن سے یہ نشان دہی ہوتی ہے کہ سنہ 816 تک صحیح البخاری کی روایت خواتین تک کیسے ہوئی؟ ہزاروں اشخاص نے اس مشکل اور پیچیدہ تصنیف کی سماعت براہ راست اس کے مصنف سے کی۔ بعد کے ادوار میں طلبہ نے قدرتاً ان معمراور باکمال راویوں سے رجوع کیا، تا کہ عالی اسانید حاصل کریں۔ صحیح بخاری کے سب سے ممتاز راوی محمد بن یوسف بن مطر الفربری ہیں، جوامام بخاری کی وفات کے 65 سال بعد تک حیات رہے۔ نقشہ A (الف) ان کے واسطہ سے ہے، جب کہ نقشہ A (ب) اور نقشہ A (ج) کی ابتدا بھی انہی سے ہوتی ہے۔

نقشہ A (الف) محمد بن اسماعیل البخاری (م 256 بمقام سمرقند) کی **صحیح** کی روایت خواتین تک بواسطہ عائشہ بنت عبدالہادی (م816) ہوئی۔

محمد بن اسماعیل البخاری (م256) سمرقند

- حماد بن شاکر النسوی (متوفی اندازاً290)، نسا

-احمد بن محمد بن رح النسوی، نسا

- حاکم ابوعبداللہ الحافظ، نیشاپور

-ابوبکر احمد بن علی بن خلف

-ابوالفضل محمد بن ناصر الحافظ (م550)

- حافظ عبدالرحمٰن بن الجوزی (م 597)

- جوہرہ بنت عبدالرحمٰن ابن الجوزی، بغداد

- ابراہیم بن معقل النسفی، (م294)

-ابوصالح خلف بن محمد بن اسماعیل البخاری

-ابوالفضل عیسیٰ بن ابی عمران الھروی

-ابوعلی الجیانی (م498) اندلس

-عبداللہ بن محمد الباہلی

-عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدیباجی

-جعفر بن علی الہمدانی (م636)

-زینب بنت احمد بن شکر جویریہ بنت احمد، الحکّاریہ (م783)

-رقیہ بنت یرشُد الصالحیہ

- ابوطلحہ منصور بن محمد البزداوی (م329)

-احمد بن عبدالعزیز

-ابوالعبّاس جعفر بن محمد المستغفری

-الحسن بن احمد

-ابوموسیٰ محمد بن ابی بکر المدینی

-الناصح عبدالرحمٰن الحنبلی (م634)

-امۃ اللہ بنت الناصح

-محمد ابن عبدالہادی المقدسی

-سلیمان بن حمزہ بن ابی عمر، دمشق

-فاطمہ بنت المنجّا (م803)

- محمد بن یوسف بن مطر الفربری (م320)، فربر

-ابوحامد النعیمی

-ابوعمر الملیحی

-خلف بن عطا

-ابو روح الھراوی (م618)

-ست الامنہ بنت اَبُ نصر (م689)

-رقیہ بنت عبداللہ الانماطی

نقشہ A (ب) محمد بن اسماعیل البخاری (م256 بمقام سمرقند) کی **صحیح** کی روایت خواتین تک بواسطہ

عائشہ بنت عبدالہادی (م816) ہوئی۔

محمد بن یوسف بن مطر الفربری (م320)، فربر

-ابوعلی محمد بن عمر بن شبّویہ

-سعید بن احمد العیار (م457)

-محمد بن الفضل الفراوی (م530)

-صفیہ بنت عبدالکریم النیشابوریہ (م603)

-زینب بنت ابراہیم القیسی (م610)

-عائشہ بنت ابی نصر الاصبہانی، اصفہان

-فاطمہ بنت محمد (م539)، بغداد

-محمد بن اسماعیل فارسی

-المؤید الطوسی (م617)

-ست العرب بنت یحییٰ (م684)

-حتونہ (البرزالی کی دادی)

-زینب بنت عبدالرحمٰن (م615)

-سیدہ بنت موسیٰ المرانیہ (م695)

-ابواسحاق ابراہیم بن احمد المستملی

-حافظ ابوذر الھروی

-خدیجہ الشنتجیالی، اندلس

-عیسیٰ بن ابی ذر الھروی

-علی بن حمید الطرابلسی

-عبدالرحمٰن بن ابی حرمی المکی (م645)

-زینب بنت احمد الطبری، مکہ

-ابراہیم بن محمد بن ابی بکر الطبری (م722)

-فاطمہ بنت احمد الحرازی (م783)، مکہ

-ابوالھیثم محمد ابن مکی الکشمہانی (م389)

-حافظ ابوذر الھروی

-محمد بن احمد الحفصی

-وجیہ الدین طاہر الشحامی

-زینب بنت عبدالرحمٰن (م615)

-اسماء بنت زین الامناء (م680)

-کریمہ المروزیہ (م463)، مکہ

-ابوالخیر بن ابی عمران

-محمد بن عبدالرحمٰن الکشمہانی، کشمہان

-شریفہ بنت احمد النسوی، نسا۔

نقشہ A (ج) محمد بن اسماعیل البخاری (م 256 بمقام سمرقند) کی **صحیح** کی روایت خواتین تک بہ واسطہ

عائشہ بنت عبدالھادی (م 816) ہوئی۔

محمد بن یوسف بن مطر الفربری (م 320)، فربر
- ابو محمد عبداللہ بن عبداللہ بن احمد السرخسی (م 381)، سرخس
- حافظ ابوذر الھروی
- عبدالرحمٰن بن محمد بن المظفر الداؤدی (م 467)
- امّ الفضل عائشہ البوشنجیہ (م 541)، بوشنج
- ابوالوقت عبدالاوّل بن عیسیٰ (م 553)، بغداد
- ابوالحسن علی بن روزباہ (م 633)
- ست الدار بنت مجدالدین بن تیمیہ (م 686)
- عمر بن کرم (م 629)
- زاہدہ بنت اسحاق
- تاج النساء بنت رستم (م 610)، مکہ
- اینہ بنت ابی بکر
- عفیفہ ابن ابی عثمان
- حورزن بنت مجدالدین
- نورستی بنت سعدالدین
- امّ السعد ابنت ابی طالب
- کریمہ بنت عبدالوہاب الزبیریہ (م 641)، دمشق
- الحسین بن المبارک الزبیدی (م 631)، بغداد
- عائشہ بنت عیسیٰ المقدیسیہ (م 697)
- فاطمہ بنت حسین المدیہ (م 698)
- خدیجہ بنت محمد المراتبیہ (م 699)
- خدیجہ بنت محمد المقدیسیہ (م 701)
- خدیجہ بنت الرضی عبدالرحمٰن (م 701)
- زینب بنت سلیمان الاسعردی (م 705)
- ھدیہ بنت علی بن عسکر (م 712)
- فاطمہ البطائحیہ (م 711)، دمشق
- ست الوزراء (م 716) دمشق، قاہرہ
- جویریہ بنت احمد الحکاریہ (م 783)
- فاطمہ بنت احمد الجزری (م 766)
- فاطمہ بنت المنجا (م 803)، دمشق

- احمد بن ابی طالب الحجار (م730) دمشق
- کلثوم بنت محمد البعلبکیہ (م777)، بلبک
- عائشہ بنت السیف ابی بکر (م793)
- فاطمہ بنت محمد الامیوتی (م793)
- زینب بنت عثمان ابن لؤلؤ (م800)، دمشق
- امۃ الرحمٰن البعلبکیہ، بلبک
- ست البنین بنت محمد البعلیہ، بلبک
- فاطمہ بنت علی الحز ومیہ
- فلفلہ بنت عبداللہ البعلبکیہ، بلبک
- عائشہ بنت اسماعیل
- نسیب بنت ابراہیم الحمصیہ، حمص
- فاطمہ بنت عبدالھادی (م803)، دمشق
- عائشہ بنت عبدالھادی (م816)، دمشق

السنن

جوامع کی مانند سنن بھی احادیث کا موضوعاتی مجموعہ ہیں۔ یہ موضوعات فقہ کی مناسبت سے مرتب ہیں مثلاً طہارت، نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔ البتہ سنن میں صرف احادیثِ نبوی شامل ہیں، ان میں جوامع کے برخلاف تفسیر، تاریخ اور دیگر موضوعات سے تعرّض نہیں کیا گیا ہے۔

سنن کی تین کتب صحاح ستہ میں شامل ہیں: (۱) ابوداؤد السجستانی (م275) کی سنن (۲) احمد بن شعیب النسائی (م303) کی السنن اور (۳) محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی (273) کی السنن۔

ان سنن کی ہم پایہ دیگر سنن یہ ہیں: (۱) علی بن عمر الدارقطنی (م385) کی سنن اور (۲) ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی (م485) کی السنن الکبریٰ۔

متعدد خواتین نے ان سنن کا مطالعہ کیا، جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے ثابت ہوتا ہے:

زینب بنت مکی الحرّانی (م688) نے سنن ابی داؤد کا مطالعہ عمر بن طبرزاد کی نگرانی میں کیا۔[98] آمنہ بنت تقی الدین ابراہیم الواسطی (م740) نے ابن السنّی سے مروی سنن الوسائل کا مطالعہ اپنے والد کی نگرانی میں کیا۔[99] صفیہ بنت عبدالرحمٰن بن القرّاء (م

699) نے امام موفق الدین بن قدامہ کی شاگردی میں سنن ابن ماجہ کا مطالعہ کیا۔[100] فاطمہ بنت محمد بن علی المقدم نے سنن دار قطنی سے استفادہ کیا۔[101] ستّ قریش فاطمہ بنت تقی الدین بن فہد (م 879) نے نورالدین بن سلامہ کی زیر نگرانی البیہقی کی السنن الکبریٰ کا مطالعہ کیا۔[102]

المسانید

مسانید (مسند کی جمع) ان مجموعہ ہائے حدیث کو کہا جاتا ہے جن میں احادیث کی ترتیب صحابہ اور دیگر راویوں کے نام کے اعتبار سے ہو۔ ان مجموعوں میں موضوع کے اعتبار سے احادیث کی ترتیب نہیں پائی جاتی۔ مسانید سے اندازہ ہوتا ہے کہ حدیث کے متن اور ان کے متعلقہ حوالوں سے طلبہ کا شغف بڑھتا گیا اور فقہ کے اعتبار سے احادیث کی ترتیب ان کے لیے اتنی اہم نہ رہی۔ مشہور مسانید کے مرتبین یہ ہیں:

ابو حنیفہ (م 150)، شافعی (م 204)، حمیدی (م 219)، مسدد ان مسرھد (م 228)، احمد بن حنبل (م 241)، عبد بن حمید (م 249) اور ابویعلیٰ الموصلی (م 307)۔ ذیل میں ان خواتین کا تذکرہ کیا جاتا ہے جنھوں نے ان مسانید کا مطالعہ کیا۔

ضوء الصباح عجیبہ (م 647) نے ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یاقوت الحارثی کے نسخے سے مسند ابی حنیفہ کا مطالعہ ابوالخیر محمد بن احمد بن عمر الباغبان کی شاگردی میں کیا۔[103] اسی طرح انھوں نے ابوزرعہ طاہر بن محمد المقدسی (م 566) سے مسند الشافعی کا درس لیا۔[104] اور مسند الحمیدی کا مطالعہ ان دو اساتذہ کی نگرانی میں کیا: (۱) ابوالحسن سعد اللہ بن نصر الدجاجی اور (۲) ابوالمعالی احمد بن عبد الغنی الباجسرائی[105]۔ امّ الحیا زہرہ بنت محمد العنبری (م 633) نے یحییٰ بن ثابت بن بندار کی شاگردی میں مسند مسدّد ابن مسرھد کا مطالعہ کیا۔[106]

زینب بنت مکّی (م 688) نے حنبل ابن عبداللہ الرصافی سے مسند احمد ابن حنبل

کادرس لیا۔[107] اسماء بنت ابراہیم بن سفیان بن مندہ الاصبہانیۃ (م630) نے ابوالوقت عبدالاوّل بن عیسیٰ الہروی کی نگرانی میں **مسند عبد بن حمید** کا مطالعہ کیا۔[108] فاطمہ بنت سعدالخیر (م600) نے زاہد بن طاہر سے **مسند أبی یعلیٰ** کادرس لیا۔(نقشہ نمبر۲ میں ان خواتین کے نام درج ہیں جنھوں نے مسند احمد بن حنبل کا مطالعہ کیا تھا)۔

المعاجم اور المشیخات

معاجم (معجم کی جمع) ان مجموعہ ہائے حدیث کو کہتے ہیں جن میں احادیث کی ترتیب مختلف علاقوں کے صحابہ یا راویوں کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔[109] مشیخات (مشیخہ کی جمع) سے مراد وہ کتب حدیث ہیں جن میں شیوخ یا اساتذہ کے اعتبار سے احادیث کی ترتیب ملتی ہے۔ فاطمہ بنت عبداللہ الجزدانیہ (،524) نے طبرانی کی **المعجم الکبیر** اور **المعجم الصغیر** کا مطالعہ ان کے ممتاز راوی ابن رذاہ کی نگرانی میں کیا۔[110] فاطمہ بنت محمد بن عبدالھادی نے طبرانی کی **المعجم الأوسط** کا مطالعہ ابونصر بن شیرازی کی شاگردی میں کیا۔[111]

(ملاحظہ ہو نقشہ نمبر۳)

نقشہ نمبر 2 -مسند ابن حنبل کی روایت امام احمد بن حنبل (م241) سے زینب بنت عمر بن کندی (م699) تک

امام احمد بن حنبل (م241)

-عبداللہ بن احمد بن حنبل (م290)

-ابوبکر القطیعی (م368)

-ابوعلی الحسن بن علی التمیمی (م444)

-دلال بنت ابی الفضل بن المبتدی (م508)

-ھبۃ اللہ الشیبانی (م525)

-ضوالصباح بنت المبارک (م585)، بغداد

-زینب بنت عبدالوہاب (م588) بغداد

-ابوالقاسم یحییٰ بن بوش (م593)، بغداد

-نفیسہ بنت ابی محمد (م648)، مصر

-ابوعلی حنبل الرصافی (م604)

-فاطمہ بنت عمادالدین (م683)، دمشق

-فاطمہ بنت احمد الایوبی (م678)، حلب

-امّ احمد عزّیہ (م661)، دمشق

-صفیہ بنت اسحاق (م643)، دمشق

-امۃ الحق شامیہ (م685)، دمشق، قاہرہ

-آسیہ بنت الحسن (م676)، دمشق

-زینب بنت مکّی الحرّانیہ (م688)، دمشق

-زینب بنت عمر بن کندی (م699)۔

نقشہ نمبر 3-**المعجم الکبیر** کی روایت، امام طبرانی (م360) سے مؤنسہ بنت صلاح الدین الایوبی (م693) تک

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م360)

-احمد بن فاذشاہ (م433)، اصفہان

-آسیہ بنت عمر الزجاجی

-ابوبکر ابن رذاہ (م440)، اصفہان

-امّ الخیر کریمہ، اصفہان

-قسیمہ بنت مہتار الرستمی

-امّ الرضا عائشہ، اصفہان

-ست بنویہ

-ستان بنت الحسین الصالحانی

-فاطمہ بنت عبداللہ الجوزدانیہ (م524)، اصفہان

-ابوالفتوح اسعد العجلی (م600)، اصفہان

-فاطمہ بنت احمد الایوبی (م678) حلب

-اسعد ابن روح (م607) اصفہان

-امۃ الحق شامیہ (م685)، دمشق، قاہرہ

-زینب بنت احمد بن کامل (م687)، دمشق

-آسیہ بنت احمد بن عبدالدائم (م687)، دمشق

-خدیجہ بنت احمد بن عبدالدائم (م685)، دمشق

-فاطمہ بنت سعد الخیر (م600)، قاہرہ

-عائشہ بنت معمر (م607)، اصفہان

-عفیفہ الفریفانیہ (م606)، اصفہان

-مؤنسہ بنت صلاح الدین الایوبی (م693)، قاہرہ

عائشہ بنت معمر بن عبدالواحد بن الفکیر الاصبہانیہ (م607) نے ابویعلیٰ کی **معجم** کی روایت صحیح الصیرانی سے حاصل کی۔ [112] شھدہ البغدادیۃ (م574) نے ابوبکر احمد بن ابراہیم الاسماعیلی کی **المعجم** کا مطالعہ ابومنصور محمد بن الحسین بن الھریسہ کی نگرانی میں کیا۔ [113] اسماء بنت تقی الدین الجبری نے الدقاق کے **المعجم الصغیر** کا مطالعہ ابوحجاج یوسف عبدالرحمٰن المزی کی شاگردی میں کیا۔[114]

شھدہ البغدادیۃ نے ابن شاذان کی **مشیخۃ** کا مطالعہ ابوغالب محمد بن الحسن الباقلانی (م500) کی نگرانی میں کیا۔[115] التی بنت بکتاش الراشدی نے ابوعبداللہ محمد الرازی کی **مشیخہ** کا درس ان تین اساتذہ سے لیا: (۱) سلطان اسدالدین عبدالقادر بن عبدالعزیز الایوبی (۲) عمادالدین ابوبکر بن محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالجبار اور علیم الدین القاسم بن محمد بن یوسف البرزالی (مدرسہ مرشدیہ میں 736 میں)۔[116]

631 میں تاج خاتون بنت العزابی بکر نے ابن عبدالدائم کی **مشیخہ** کا مطالعہ ان 8 اساتذہ کی مدد سے کیا:

(۱) شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن محمد بن طرخان حنبلی،

(۲) جمال الدین ابوعلی یوسف بن اسرائیلی الناصری،

(۳) زین الدین ابومحمد عبدالرحمٰن بن علی التکریتی،

(۴) شہاب الدین ابوالعباس احمد بن عمر العطّار،

(۵) ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد الفامی،

(۶) شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عرب شاہ الفرّاء،

(۷) شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن نعمہ امّ محمد،

(۸) ست العرب زینب بنت علی بن عبدالرحمٰن بن عبدالجبار المقدیسی ۔[117]

خدیجہ بنت عبدالحمید المرداوی نے **أثنا المقاصد و العذاب و العوارض** اور ابن البخاری کی **مشیخہ** کا درس براہ راست مصنف سے 682 میں لیا۔[118] زہرہ بنت عمر الختانی نے ابوطالب الشعری کے **مشیخہ** کا مطالعہ ابن طبرزاد کی نگرانی میں کیا۔[119]

الاربعینات

اس اصطلاح سے مراد چہل حدیث کا مجموعہ ہے۔ متعدد علماء نے موضوع یا راویوں کے لحاظ سے یہ انتخاب مرتب کیے ہیں۔ چند مقبول اربعین کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے: اسماء بنت ابی بکر بن الخلال (م 691) نے ابوالحسن محمد بن اسلم الکندی الطوسی (م 242) کی **الأربعون** کا مطالعہ 635 میں ابوالفضل جعفر بن علی بن ھبۃ اللہ الھمذانی سے کیا۔[120] فاخرہ البغدادیۃ (چھٹی صدی) نے حسن بن سفیان النسائی کی **الأربعون** کا درس عبدالغافر بن محمد الفارسی سے لیا۔[121] امّ البھاء فاطمہ بنت ابی الفضل محمد البغدادی (م 539) نے الجوزقی محمد بن عبداللہ (م 388) کی **الأربعون** کا مطالعہ ابوعثمان سعید بن سعید العیّان الصوفی کی نگرانی میں کیا۔[122] امّ الفضل مومنہ بنت محمد بن ابی زید نے ابوبکر بن المقری کی **الأربعون** کا درس 532

میں ابو عبداللہ الحسین بن عبدالمالک الخلّاد اور ابو محمد بختیار بن محمد سے حاصل کیا۔[123]۔

بعد میں امام نووی کی **الأربعون** نے سب سے زیادہ مقبولیت حاصل کی۔ سطیطہ بنت الزین ابی عبداللہ محمد بن محمد (م 879) نے اس کا درس اپنے والد سے 792 میں لیا۔[124]

الاجزاء

اجزاء جزو کی جمع ہے۔ اس کے معنی کسی شئے کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ بہ طور اصطلاح اس سے مراد ایک شخص کی مروی احادیث یا ایک متعین موضوع پر جمع کردہ احادیث سے ہے۔ اجزاء کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ چوتھی صدی کے آغاز سے خواتین نے اس صنف حدیث میں دلچسپی لینا شروع کی۔ درج ذیل مثالیں اس کا ثبوت ہیں:

شھدہ البغدادیہ نے مشہور تصنیف **جزء ابن عرفہ** کا مطالعہ اس کے اعلیٰ ترین راوی ابن بیان کی نگرانی میں کیا۔[125] **جزء حنبل** کا ابوالحسن الطیوری سے [126] اور **جزء حلال الحفّار** کا طراز سے کیا۔[127] زینب بنت مکّی الحرّانی (م 688) نے **الغیلانیات** کا مطالعہ اس کی اعلیٰ ترین اسناد کے ساتھ عمر بن طبرزاد کی شاگردی میں کیا۔[128] ست العرب بنت یحییٰ الکندی (م 683) نے **جزء الأنصاری** کا مطالعہ اپنے مالک ابوالیمن الکندی سے کیا۔[129] امۃ الحامد خدیجہ بنت ابی غنیم نے 529 میں سمرقندی (م 536) کے **جزء ما قروبہ** سے کسبِ فیض کیا۔[130] امّ الضیاء ست جلیل بنت ابی الحسین محمد بن الحسن الورکانی (چھٹی صدی) نے ابوبکر ابن ماجہ سے **جزء لوین** کا مطالعہ کیا۔[131] امّ البہاء فاطمہ بنت ابی الفضل محمد بن ابی سعد البغدادی (م 539) نے سعید العیّار سے **جزء البیتوتہ** کا اکتساب کیا۔[132] نورستّی بنت عبدالکریم الرازی (چھٹی صدی) نے عبدالرحمٰن بن حاتم الرازی کی کتاب **ثواب الأعمال** کا مطالعہ اپنے دادا ابوالحسن علی بن عبداللہ البیاضی کی نگرانی میں کیا۔[133] امّ الخیر جمال النساء بنت ابی بکر البغدادیہ نے **جز ابن البطّی** سے اکتساب براہ راست اس کے مصنف محمد ابن عبدالباقی البطّی سے کیا۔[134] خدیجہ بنت ابی بکر الحموی نے ابوعثمان طالوت بن عبّاد الصیرانی (م 238) کی **أحادیث طالوت** کا مطالعہ 610 میں دمشق

کی ایک رباط میں عبدالجلیل بن ابی غالب السریجانی کی شاگردی میں کیا۔[135] امّ الحیا زہرا بنت محمد الانباری (م633) نے ابن البطّی سے **جز البانیاسی** سے کسبِ فیض کیا۔ [136] زینب بنت علی الواسطی (م695) نے ابوالقاسم حمزہ بن محمد بن علی الکنانی (م357) کی **مجالس البطاقة** کا مطالعہ محمد بن اسماعیل خطیب مردا سے 653 میں کیا۔[137] امّ عبدالحکم ست العباد بنت علی بن حسن علی بن سلامہ المصریۃ (م616) نے **الخلاعیات** کا مطالعہ اس کے مشہور راوی ابن رفاعہ سے کیا۔[138] خدیجہ بنت عبدالحمید بن عثمان نے **جز الفیل** کا درس: ابوالعباس احمد بن عبدالحامد ابن الھادی المقدسی اور عزّ الدین ابوالفداء اسماعیل عبدالرحمٰن الفرّاء سے لیا۔ یہ درس جامع المظفری، قاسیون میں 693 میں ہوتا تھا۔[139]

المسلسلات

'مسلسل' سے مراد وہ حدیث ہے جس کی روایت سے ایسے متعلقات ہوں جن کو محفوظ رکھنا ضروری سمجھا گیا۔ یہ متعلقات حدیث کے متن کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر اصل حدیث کے متن کی روایت سے قبل اس جز کی روایت کہ کچھ فرمانے سے قبل رسول اکرم ﷺ نے کسی سے مصافحہ کیا، یا کسی کو کھجور اور پانی عطا کیا، وغیرہ۔ ہر دفعہ جب استاذ اس نوع کی حدیث اپنے شاگرد سے روایت کرتا ہے تو اس سے مصافحہ کرتا ہے، یا اس کو کھجور اور پانی عطا کرتا ہے۔ ان متعلقات کے باعث ان احادیث کا مطالعہ اور پُر لطف ہو جاتا ہے اور ان کی وجہ سے ان احادیث کو یاد رکھنے میں سہولت ہوتی ہے۔ متعدد احادیث **مسلسلات** کے زمرے میں آتی ہیں۔

المسلسل بالاولیۃ

یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ دوسروں پر رحم کرتے ہیں رحمٰن ان پر رحمت نازل کرتا ہے۔ روئے زمین پر جو موجود ہیں ان پر رحم کرو۔ جو آسمانوں میں ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔'' اس کی روایت ابن عیینہ سے کی گئی

ہے۔انھوں نے عمرو بن دینار سے اور انھوں نے ابو قابوس سے اور انھوں نے اپنے آقا عبداللہ ابن عمرو بن العاص سے کی ہے۔ان کے شاگرد عبدالرحمٰن بن بشر الحکم نے اس کی سماعت اپنی پہلی حدیث کے طور پر کی، پھر یہ روایت بن گئی کہ شاگرد اسی کو اپنی پہلی حدیث کے طور پر اساتذہ سے سماعت کرتے ہیں۔ یہ روایت آج بھی برقرار ہے۔ متعدد خواتین نے اس روایت کا سماع کیا، جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے معلوم ہوتا ہے: حسنہ بنت محمد بن کامل الحسینیۃ (م765) نے اس کی سماعت ابن السمر قندی کی اسناد کے ساتھ التوزری سے کی۔[140] امّ الحسن بنت محمد بن عبدالمحسن المخزومی نے اس کی سماعت اپنی بہن صفیہ سے کی، جنھوں نے اس کی سماعت 742 میں الشریف ابوالخیر بن ابی عبداللہ المخزوم سے کی تھی۔[141] خدیجہ بنت ابی بکر بن علی ملقب بہ بنت الکوری (م803) نے اس کی سماعت محمد بن یوسف الحرّانی سے کی۔[142]

زینب بنت محبّ الدین ابو العبّاد احمد بن ظہیرہ القرشی (م863) نے اس کا سماع قاضی زین الدین ابوبکر ابن الحسین المراغی سے کیا۔[143] غزال امّ عبداللطیف النوبیۃ (م802) نے اس کی سماعت اس کے معروف راوی المیدومی (م754) سے کی۔[144]

بعض محدثین نے اپنے اساتذہ سے مروی مسلسلات کو کتابی صورت میں مرتب کیا۔اس طرح ان کا مطالعہ اور روایت آسان ہوگئی۔خواتین نے بھی مسلسلات کی ان کتب کی سماعت اپنے اساتذہ سے کی۔ست العرب بنت محمد بن فخر الدین البخاری (م767) نے **مسلسلات الابراھیمی** کی روایت اپنے دادا سے کی۔[145]۔امّ کلثوم عائشہ بنت محمد بن ابراہیم المرشدی (م846) نے **مسلسل العلائی** کا مطالعہ مجد الدین الشیرازی کی نگرانی میں کیا۔[146]۔فاطمہ بنت منجّا نے ابوموسیٰ المدینی کی **نزھۃ الحفاظ** کا مطالعہ تقی الدین سلیمان بن حمزہ سے کیا۔[147] شھدہ البغدادیہ نے البرقانی کی **المصافحۃ** سے اکتساب کیا۔[148] امّ محمد ست الکل آسیہ بنت جاراللہ محمد المکی نے شرف الدین ابوالقاسم الرفیعی کی شاگردی میں **مسلسل بالاوّلیۃ** اور **مسلسل لختم الدعاء** کا مطالعہ کیا۔[149]

امّ ہانی بنت نور الدین الحوریۃ (م 871)[150] کے زیر مطالعہ کتب کی فہرست

انھوں نے ان کتب کا مطالعہ کیا: نجم الدین بن عبد الرحیم بن عبد الوہاب بن ابو بکر بن عبدالحسین بن رازی اور صلاح الدین بن محمد بن علی بن عمر الزفتاوی سے **صحیح البخاری** کا مطالعہ کیا۔

عفیف الدین عبداللہ بن محمد النیشاپوری سے انھوں نے ان کتب کا مطالعہ کیا:

☆ **سنن أبی داؤد، الأربعین المخرّجة من صحیح البخاری بروایة المحمدین من حدیث أبی بکر محمد بن علی بن یاسر الجیانی۔**

☆ **جزء فوائد أبی قاسم عبد الرحمن بن عبید الله الحرفی۔**

☆ **جزء منام حمزة ابن حبیب الزیّات من حدیث ابن غلبون۔**

☆ **جزء حدیث حلیمة العدیة لأبی الحسن بن سخر۔**

☆ **جزء حدیث علی ابن حرب الطائی۔**

☆ **جزء غرائب الأسانید لأبی الغنائم النرسی۔**

☆ **کتاب الأربعین المختارة فی فضل خصال الحج و الزیارة لابن مسعودی۔**

☆ **الجزء الثانی من حدیث سعدان بن نصر۔**

☆ **فوائد العراقیین للنقاش۔**

☆ **کتاب الأربعین السبعیات للعبد عبد المنعم بن عبد الله الفراوی۔**

☆ **سداسیات أبی عبدالله محمد بن احمد بن ابراهیم الرازی۔**

☆ **جزء الجمعة للنسائی۔**

☆ جزء ابن نجید۔

☆ المجالس الخمسة السداسیات۔

☆ عوالی طراد (دو اجزاء) (تخریج البردانی)۔

☆ مقاصد الصوم للإمام عز الدین ابن عبدالسلام۔

☆ جزء مجالسان فی فضل رجب من إملاء حافظ ابو القاسم ابن عساکر۔

☆ جزء التقبیل و المعانقة و المصافحة لابی سعید محمد بن زیاد العربی۔

☆ جزء حدیث القاضی الفرج المعافا بن زکریا۔

☆ جزء عالی أبی الوقت عبد الاول بن عیسیٰ الهروی (تخریج ابی محمد یونس بن یحییٰ الهاشمی)۔

☆ جزء فضل رمضان صیامه و قیامه لأبی الیمن عبدالله بن الامام أبی الحسن ابن عساکر۔

☆ جزء حدیث ذی النون المصری۔

☆ نسخة أبی معاویة محمد بن خازم الضریر۔

☆ جزء حدیث أبی بکر ابن أبی داؤد۔

☆ الجز السابع من حدیث أبی عمر ابن السماک (انتقاع ابی حفص البصری)۔

☆ کتاب الأربعین الثقفیة۔

☆ مسئلات الاجازه للمجهول و المعدوم للخطیب۔

☆ جزء فضل رجب وغیرہ للخلال۔

☆ المجالس المکیة للمیاشی۔

☆ خمسیت ابن نقور۔

☆ جزء کاکو۔

☆ جزء مجالسان من أمالی الوزیر نظام الملک۔

☆ کتاب الأربعین لابی عبد الله محمد بن فضل الفراوی۔

☆ جزء الماء ات العوالی من مسموعاتہٖ۔

☆ مسائل یونس بن عبدالعالمین من الامام الشافعی۔

☆ جزء ابی جعفر محمد بن عبدالله بن سلیمان الحضرمی۔

☆ جزء البطاقة۔

☆ الجز السابع من مسلسلات الحافظ جمال الدین محمد بن یوسف بن مسدّی المشتمل علی المسلسل بالعدّ فی الید۔

☆ فضل شعبان للامام أبی عبد الله محمد بن اسماعیل بن ابی السیف الیمینی۔

☆ قراء الضیف لابن ابی الدنیا۔

☆ السیرة للطبری۔

☆ تسعیات الرضی الطبری۔

☆ فضائل رجب لأبی محمد خلال۔

ابوالفرج بن شیخ سے الأربعین الموسومة بشعار أصحاب الحدیث

للحاکم اورجزء أناشید أبی غالب شجاع بن فارس الزهلی سے۔

شہاب الدین احمد بن محمد عبد المطیع المکّی المالکی سے

☆ تسعیّات الرازی الطبری۔

☆ الجزء السابع من مسلسلات ابن مسدّی۔

☆ فضل شعبان لابن علی سیف۔

☆ جزء البطاقة۔

شہاب الدین احمد بن ظہیرہ سے

☆ کتاب الاربعین المختارات لابن مسدّی۔

☆ الأول من مسلسلات العلاّف اوررضی الدین الطبری کا ایک جز ہے جس میں المسلسلات بأنّی أحبُّک شامل ہے۔

☆ محبّ الدین محمد بن احمد بن الرضی ابراہیم الطبری سے مسلسلات الدیباجی۔

☆ ابوعبداللہ محمد بن علی بن احمد بن ذوبا المصری سے الغیلانیات۔

حواشی

1۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، جلد 4، ص 83۔

2۔ عمر رضا کحّالۃ (م 1407)، أعلام النساء، جلد 4، ص 86۔

3۔ معجم النساء الیمنیات، ص 177۔

4۔ خطیب البغدادی، تاریخ بغداد، جلد 14، ص 443۔؛ الجرجانی (م 816؛ التعریفات، ص 76) دور کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایک قسم کا مباحثہ ہے، جس کا ہر مقدمہ آپس میں ایک دوسرے سے منسلک ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ ایک دائرہ سا بن جاتا

ہے۔

5۔ ذہبی، **تاریخ الاسلام** (80-351)، ص 607۔

6۔ ذہبی، **سیر اعلام النبلاء**، جلد 18، ص 223۔

7۔ ابن بشکوال (م 578)، **الصلة**، جلد 2، ص 696۔

8۔ ایضاً۔

9۔ ابن نقطہ، **التقئید**، ص 497؛ ذہبی، **سیر اعلام النبلاء**، جلد 18، ص 479۔

10۔ ابن حجر، **المجمع المؤسس**، جلد 2، ص 481۔

11۔ السماعات فی ابو نُعیم الفضل ابن دکین، **کتاب الصلاة**، ص 51۔

12۔ ابن حجر، **المعجم المفهرس**، ص 113۔

13۔ ابن حجر، **المجمع المؤسس**، جلد 1، ص ص 74-573۔

14۔ الخطیب البغدادی، **تاریخ بغداد**، جلد 14، ص 447۔

15۔ ذہبی، **سیر اعلام النبلاء**، جلد 18، ص 302۔

16۔ سماعات، ابن المقری، **الأربعون فی تکالة**، محمد زید بن عمر، **جمهرة الاجزاء الحدیثیة**، ص 133

17۔ دیکھیے الاوسی المراکشی، **الذیل والتکملة لکتاب الموصول والصلة**، ص 480۔

18۔ کحالہ، **أعلام النساء**، جلد 2، ص 295۔

19۔ ابن حجر، **الدرّ الکامنة**، جلد 4، ص 395۔

20۔ کحالہ، **اعلام النساء**، جلد 2، ص 292۔

21۔ السمعانی، **المتخب من معجم الشیوخ**، جلد 3، ص 1918۔

22۔ ذہبی کہتے ہیں کہ وہ سبعہ قرأت میں طاق تھیں۔ **تاریخ الاسلام** (20-611)، ص 328۔

23۔ ابن فہد، معجم الشیوخ، ص310۔ الدرّ الکامن، ص1411۔

24۔ کحالۃ، اعلام النساء، جلد3، ص158۔

25۔ ایضاً۔

26۔ سراج الدین القزوینی، مشیخۃ، مخطوطہ، ص48۔

27۔ ایضاً، ص83۔

28۔ ایضاً، ص95۔

29۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، جلد14، ص233۔

30۔ عبدالقادر القرشی، الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیۃ۔

31۔ ضیاء الدین المقدسی، ذیل التقئید، جلد2، ص364۔

32۔ القزوینی، مشیخۃ، مخطوطہ۔ ص ص 76-75۔

33۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد2، ص ص 20-19۔

34۔ ایضاً، جلد2، ص234۔

35۔ ایضاً، جلد2، ص346۔

36۔ دیکھیے سماعات، جزء آخر علی ابن محمد الحمیری۔

37۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد2، ص225۔

38۔ کحالہ، اعلام النساء، جلد2، ص155۔

39۔ دیکھیے سماع الاصابۃ فی ما استدرکتہ عائشہ علی الصحابۃ کا آخری صفحہ۔

40۔ ضیاء الدین المقدسی، ثبت المسموعات، ص ص 06-205۔

41۔ دیکھیے سماعات فی یحییٰ ابن معین، کتاب التاریخ۔

42۔ دیکھیے سماع، البخاری، تاریخ الکبیر کی جلد 1 کا آخری حصہ۔

43۔ ضیاء الدین المقدسی، ذیل التقئید، جلد2، ص372۔

44۔ ایضاً، ص383۔

45۔ ابوالقاسم السہمی (م427)، تاریخ جرجان، ص368۔

46۔ دیکھئے سماع، الدارقطنی (م385)، الضعفاء و المتروکین۔

47۔ دیکھئے سماعات، الخطیب البغدادی، الجامع لأخلاق الراوی و آداب السامع، ص59۔

48۔ السمعانی، التحبیر، جلد2، ص256۔

49۔ الخطیب البغدادی، تقیید العلم، مقدّمہ، ص25۔

50۔ دیکھئے سماعات، سؤالات الحافظ السلفی کا آخری جز، ص127۔

51۔ الخطیب البغدادی، الاسماء المبهمة فی الانباء المحکمة، مقدّمہ۔

52۔ ابن فہد، معجم الشیوخ، ص397۔

53۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد2، ص ص18-14۔

54۔ السخاوی، الضوء الامع، جلد12، ص6۔

55۔ سماع مطیع الحافظ، المدرسة العمیریّة، ص109۔

56۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد2، ص ص42-14؛ المعجم المفهرس، ص179۔

57۔ ابن حجر، المعجم المفهرس، ص52۔

58۔ المجمع المؤسس، جلد1، ص517۔

59۔ ایضاً، جلد2، ص ص 39 ,38۔

60۔ ایضاً، ص 43۔

61۔ ابن الحنبلی (م971)، درّ الحباب فی تاریخ العین حلب، جلد1، 338۔

62۔ ایضاً، ص403۔

63۔ عبدالحیٔ الحسنی (م1341)، نزهة الخواطر، جلد6، ص ص 100-99۔

64۔ معجم النساء الیمنیات، ص91۔

65۔ الحسنی ،نزھة الخواطر، جلد5، ص135۔

66۔ کحالہ، اعلام النساء، جلد1، ص375۔

67۔ احمد ابن محمد الحلبی (م1003)،متعة الاذھان، جلد2، ص871۔

68۔ سماعت البخاری، ثلاثیات۔

69۔ السخاوی، الضوء اللامع، جلد12، ص12۔

70۔ السیوطی، المنجم فی المعجم، ص98۔

71۔ ابن قدامہ، کتاب التوابین، مقدمہ۔

72۔ محمد راغب الطباخ (م1370)، اعلام النبلاء، جلد5، ص507۔

73۔ سماعات الاربعون کے آخری حصہ کی، از ابن المقری فی تکلہ، جمھرة الاجزاء الحدیثیة، ص130۔

74۔ سماعات حدیث البغوی و ابن سعید الھاشمی، ص270۔

75۔ دیکھیے شعر الأبرار فی أدعیة والأذکار فی ابن منده، الفوائد، ص338۔

76۔ نجم الدین، الغزّی الکواکب السائرة، جلد2، ص141۔

77۔ دیکھیے سماع اللفظ المکرم بفضل العاشورة المحرّم فی مجموع رسائل، ص130۔

78۔ دیکھیے جزء فوائد العراقیین، ص161؛ فی ابن منده، الفوائد۔

79۔ دیکھیے 'سماعت' فی المعجم الأوسط، جلد1، ص106۔

80۔ سماع المدرسه العمیریة، ص ص295-294۔

81۔ کحالہ، أعلام النساء، جلد1، ص322۔

82۔ محمد عاشق الٰہی البرنی، العناقید الغالیة من الاسانید العالیة، ص175۔

83۔ معجم النساء الیمنیات، ص66۔

84۔ الحسنی ،نزھة الخواطر، جلد8، ص185۔

85۔ ایضاً،ص195۔

86۔ معجم النساء الیمنیات،ص154۔

87۔ ایضاً۔

88۔ ایضاً،ص ص55-145۔

89۔ الحسنی،نزھة الخواطر،جلد8،ص382۔

90۔ معجم النساء الیمنیات،ص180۔

91۔ ذہبی،سیر اعلام النبلاء،جلد23،ص451۔

92۔ ضیاءالدین المقدسی،ذیل التقئید،جلد2،ص383۔

93۔ السخاوی،الضوء اللامع،جلد12،ص29۔

94۔ ذہبی،العبر،جلد2،ص457۔

95۔ ابن فہد، الدر الکامن،جلد2،ص399۔

96۔ السمعانی،التحبیر،جلد2،ص256۔

97۔ تقی الدین الفاسی،ذیل التقیید،جلد2،ص372۔

98۔ تقی الدین الفاسی،ذیل التقیید،جلد2،ص372۔

99۔ ایضاً،ص ص60-359۔

100۔ ایضاً،ص379۔

101۔ کحالہ،اعلام النساء،جلد4،ص135۔

102۔ السیوطی، المنجم فی المعجم،ص123۔

103۔ ابن حجر،المجمع المؤسس،جلد2،ص ص83-482۔

104۔ تقی الدین الفاسی، ذیل التقئید،جلد2،ص383۔

105۔ القزوینی، مشیخہ،مخطوطہ،ص44۔

106۔ تقی الدین الفاسی، ذیل التقیید،جلد2،ص366۔

107۔ ایضاً،جلد2،ص372۔

108۔ ایضاً، جلد 2، ص 357۔

109۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 1، ص ص 83-482۔

110۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، جلد 19، ص 505۔

111۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 2، ص 375۔

112۔ ضیاء الدین المقدسی، ثبتالمسموعات، ص 87۔

113۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 1، ص ص 110-109۔

114۔ مجموع، مشتمل بر معجم مشائخ أبی عبدالله الدقّاقی، ص 321۔

115۔ الکتّانی، فهرس الفهارس، جلد 2، ص 626۔

116۔ سماعات مجالس البطاقة فی الامالی حمزة الکنانی، مخطوطہ، دار الکتب الظاہریہ، دمشق۔

117۔ مطیع الحافظ، الجامع المظفری، ص 69-468۔

118۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 1، ص 59-258۔

119۔ ایضا، جلد 1، ص 303۔

120۔ معجم السماعات الدمشقیة، ص 140۔

121۔ ضیاء الدین المقدسی، ثبت المسموعات، ص 78۔

122۔ ایضاً، ص 123۔

123۔ سماعات الأربعون، ابن المقری فی تکلہ، جمهرة الاجزاء الحدیثیة، ص 36-135۔

124۔ السخاوی، الضوء اللامع، جلد 12، ص 60۔

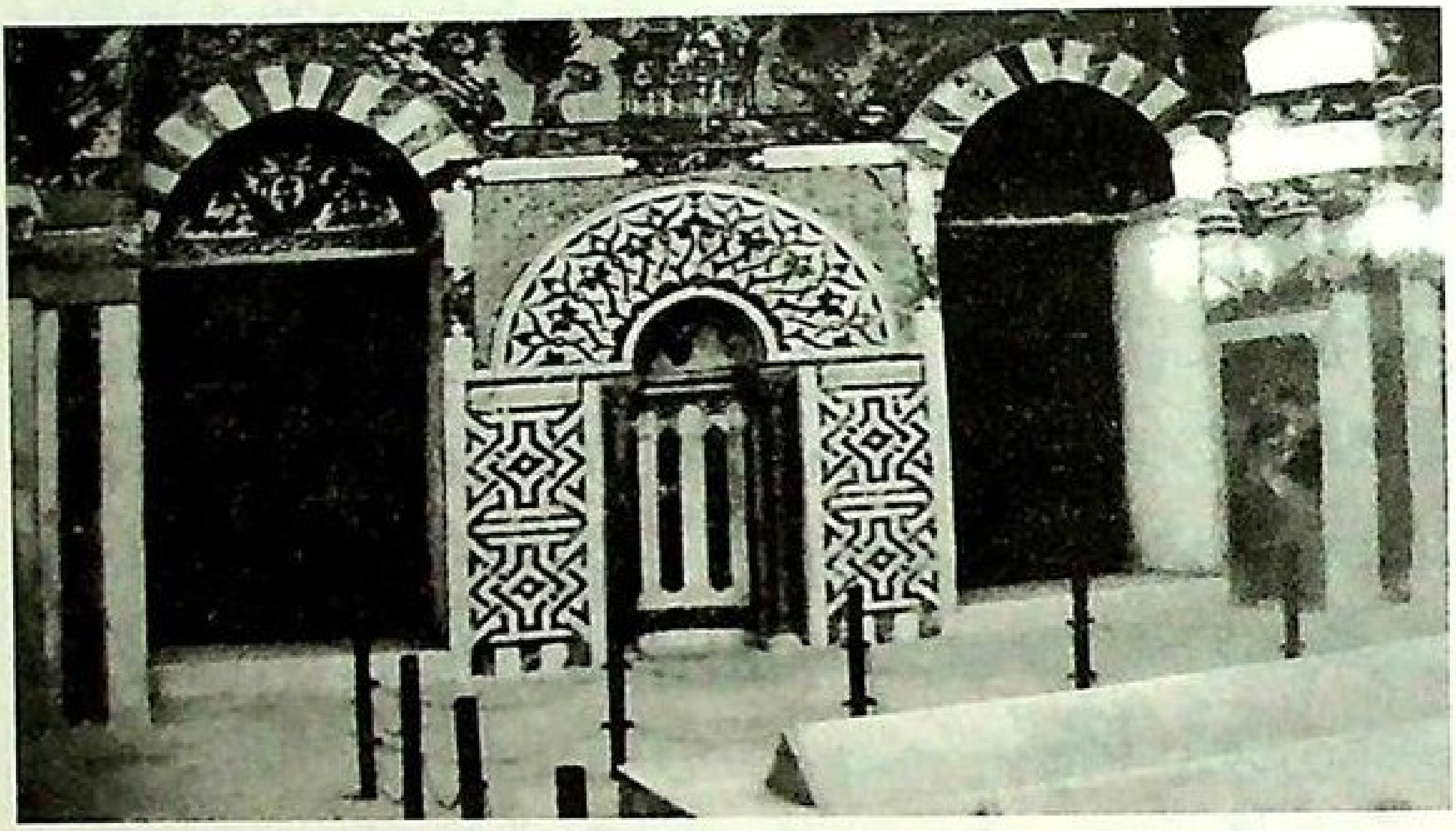
125۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 1، ص 16-504۔

126۔ جزء حنبل کے آخری حصہ میں سماعات۔

127۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 1، ص 77-276۔

128۔ ضیاء الدین المقدسی، ذیل التقیید، جلد 2، ص 372۔

129۔ ذہبی، معجم الشیوخ، جلد1، ص288۔
130۔ سماعات ابی القاسم اسماعیل ابن احمد سمرقندی، ما قرب سنده من حديث، مقدمہ۔
131۔ السمعانی، التحبیر، جلد2، ص242۔
132۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد2، ص158۔
133۔ السمعانی، المنتخب من معجم الشیوخ، جلد3، ص1923۔
134۔ ابن حجر، المجمع المفهرس، ص248۔
135۔ المعجم السماعات الدمشقية، ص199 اور 290۔
136۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد1، ص ص21-214 اور المعجم المفهرس، ص240-238۔
137۔ معجم السماعات الدمشقية، ص314, 33۔
138۔ ذہبی، تاریخ الاسلام (620-611)، ص291۔
139۔ دیکھیے مطیع الحافظ، الجامع المظفری، ص291۔
140۔ ضیاء الدین المقدسی، العقد الثمین، جلد6، ص377۔
141۔ ابن فہد، الدرّ الکامن، ص157۔
142۔ السخاوی، الضوء اللامع، جلد12، ص26۔
143۔ ابن فہد، الدرّ الکامن، ص1434۔
144۔ السخاوی، الضوء اللامع، جلد12، ص85۔
145۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد3، ص ص28-42؛ ابن فہد، الدرّ الکامن، ص157۔
146۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد3، ص360۔
147۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، جلد23، ص88۔
148۔ ابن فہد، کتاب نیل المنا، جلد1، ص ص18-217۔
149۔ السیوطی، المعجم فی المعجم، ص ص03-101۔



(دارالکتب ظاہریہ دمشق کے اندرون کا منظر، تصویر یحییٰ مکوٹ)

باب ششم

فروغ علم میں خواتین کا کردار

علم دین کی حامل خواتین نے اپنے علم و فضل سے مردوں اور خواتین دونوں کو مستفید کیا۔ چوں کہ طالبانِ حدیث کی اکثریت مردوں پر مشتمل تھی، اس لیے ان خواتین کے شاگردوں میں مرد طالبانِ حدیث کی اکثریت بعید نہیں۔ مختلف ادوار میں محدثات کی تعداد میں تغیّر ہوتا رہا۔ بعض ادوار میں ان کی تعداد معتد بہ تھی، مثلاً حافظ ابو عبداللہ محمد بن محمود بن النجار (م643) کے تذکرے میں ذہبی نے ابن ساعتی کی سند پر بیان کیا ہے کہ ابن النجار کے اساتذہ میں تین ہزار مرد اور چار سو خواتین شامل تھیں۔ [1] اس روایت سے رسول اکرم ﷺ کی سنّت کی حفاظت اور روایت کے معاملے میں خواتین کے اہم کردار کا دستاویزی ثبوت ملتا ہے۔ بعض صحابہ کبار، ائمہ اور فقہاء اپنے علم و فضل کے لیے خواتین اساتذہ کے مرہون منت نظر آتے ہیں۔

صحابہ اور متاخر علماء

ام المومنین حضرت عائشہؓ سے ان صحابہ نے روایت کی ہے: ان کے والد ابو بکر، عمر بن الخطاب، عبد اللہ بن عمر، ابو ہریرہ، ابو موسیٰ اشعری، عبد اللہ بن عباس، ربیع بن عمر و الجرشی، السائب بن یزید، عمرو بن العاص، زید بن خالد الجہنی، عبداللہ بن عامر بن ربیع، عبد اللہ بن حارث بن نوفل وغیرہ، رضی اللہ عنہم۔ مزید برآں احادیث کے مستند مجموعوں میں حضرت عائشہؓ سے روایت کرنے والوں کی تعداد تین سو سے زائد ہے، جن کا شمار المزّی نے الفبائی ترتیب کے مطابق کیا ہے اور ان کتب کے مکمل حوالے بھی فراہم کیے ہیں جن میں ان کی مروی احادیث درج ہیں۔ [2]

ام المومنین حضرت امّ سلمہؓ سے ان علماء نے روایت کی ہے: اسامہ بن زید بن حارثہ

الکلبی، اسود بن یزید النخعی، حبیب بن ابی ثابت، حمید بن عبد الرحمٰن بن عوف، ذکوان ابو صالح السمّان، سعید بن ابی سعید المقبوری، سعید بن المسیّب، سلیمان بن یسار، ابو وائل شقیق بن سلامہ الاسدی، عامر الشعبی، عبد اللہ بن بریدہ الاسلمیٰ، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن وہب بن زمعہ، عبد الرحمٰن بن عبید اللہ بن ملیکہ، عبد اللہ بن وھب بن زمعہ، عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، عروہ بن الزبیر، عطا بن ابی رباح، عطا بن یسار، عکرمہ بن عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام، کریب مولیٰ بن عباس، مجاہد بن جبر المکّی، ابو جعفر محمود بن علی بن الحسین، مسروق بن الاجدع، نافع مولیٰ بن عمر، ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام، ابو سلامہ بن عبد الرحمٰن بن عوف اور ابو عثمان الہندی۔[3]

ام المومنین حضرت حفصہؓ سے روایت کرنے والے حضرات میں یہ شامل ہیں: حارثہ بن وہب الخزاعی اور حفصہ کے بھائی عبد اللہ بن عمر، عبد الرحمٰن بن الحارث بن ہشام، ابو بکر بن سلیمان بن ابی خیثمہ اور دیگر حضرات۔[4]

ازواج مطہرات کے علاوہ دیگر خواتین سے بھی صحابہ نے احادیث روایت کی ہیں۔ مثال کے طور پر باب العلم حضرت علی بن ابی طالبؓ نے رسول اکرم ﷺ کے خادم حضرت میمونہؓ سے روایت کیا ہے۔[5] حضرت دُرّہ بنت ابی لہب سے حضرت علیؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: ''کسی زندہ شخص کو کسی وفات یافتہ شخص پر تنقید کے ذریعہ ایذا مت دو۔''[6] اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز راوی ہیں: ''حضرت عثمان بن مظعونؓ کی اہلیہ حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے روایت کی کہ رسول اکرم ﷺ اپنی بیٹی کے دونوں بیٹوں کو بازوؤں میں لیے ہوئے باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''اللہ کی قسم! تم بے راہ روی، بزدلی اور بخل کا باعث ہوتے ہو، اس کے باوصف تم درحقیقت جنت کے پھول ہو''[7] ممتاز تابعی حضرت سعید ابن المسیّبؒ نے بھی حضرت خولہ بنت حکیمؓ سے روایت کی ہے۔ عامر الشعبی نے رائضہ بنت کرامہ سے روایت کی ہے۔[8]

اگلے دور میں محمد بن شہاب زہری (م124) نے عمرہ بنت عبد الرحمٰن بن سعید بن زرارہ

الانصاریہ، حضرت میمونہؓ کی مولیٰ ندبہ، فاطمہ الخزاعیۃ، ہند بنت الحارث الفریسیہ اور امّ عبداللہ الضوسیہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ یحییٰ بن معین راوی ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے عائشہ بنت عجرد سے روایت کی ہے کہ عائشہ نے کہا: ''میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''روئے زمین پر اللہ کی سب سے بڑی فوج ٹڈی دل ہے۔ میں انہیں نہیں کھاتا، البتہ ان کو حرام بھی نہیں قرار دیتا۔'' [9] امام مالکؒ (م179) نے حضرت عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص المدنیۃ (م117) سے روایت کی ہے۔ عائشہ کے دیگر راوی یہ حضرات ہیں: اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ، ایوب السختیانی، الجعید بن عبدالرحمٰن، جناح النجار، الحکم بن عتیبہ، خزیمہ، سحر بن جویریہ، ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان، عبداللہ بن عبیدہ الربذی، عثمان بن عبدالرحمٰن الوقاصی، ابوقدامہ، عثمان بن محمد بن عبیداللہ بن عمر العمری، محمد بن بجاد بن موسیٰ بن سعد بن ابی وقاص، مہاجر بن مسمار، یوسف بن یعقوب بن الماجشون اور دیگر حضرات۔ [10]

علماء کبار، جنھوں نے خواتین سے روایات بیان کی ہیں

بعد کی صدیوں میں بھی یہ روایت برقرار رہی۔ امام احمد بن حنبل (م241)، ابوابراہیم الترجمانی (م236)، محمد بن الصبّاح الجرجرائی (م240) ابراہیم بن عبداللہ الہروی (م244) اور علی بن مسلم الطوسی (م253) نے امّ عمر بنت حسّان بن زید ثقفی سے روایت کی ہے۔ [11] اسی طرح امۃ السلام بنت القاضی ابی بکر احمد بن کامل بن خلف بن شجرہ البغدادیہ (م390) سے ان حضرات نے روایت کی ہے: قاضی ابویعلیٰ، الفرّاء (م458)، الازہری، التنوخی، الحسین بن جعفر السلماسی، محمد بن احمد محمد حسون النرسی اور ابوخازم بن الحسین بن محمد بن الفرّاء [12]۔

حافظ ابن عساکر (م571) نے 80 سے زائد خواتین سے روایات بیان کی ہیں اور ان کے حالات کو محیط ایک مکمل تذکرہ تصنیف کیا ہے۔ ان کے رفیق ابوسعید السمعانی (م562) نے ان 69 خواتین کا تذکرہ تحریر کیا ہے جن سے انھوں نے براہ راست احادیث کی سماعت کی، یا جنھوں نے ان کو اجازہ عطا کیا۔ حافظ ابوطاہر السّلفی (م576) نے متعدد خواتین سے کسبِ علم حدیث کیا۔ ابن الجوزی (م517) نے تین خواتین اور حافظ عبدالغنی المقدسی (م600)

نے متعدد خواتین سے روایت کی ہے۔ ساتویں صدی میں ابن الاثیر (م630) ابن الصلاح (م643) اور ضیاء المقدسی (643) نے متعدد خواتین اساتذۂ حدیث سے روایات بیان کی ہیں۔ اسی طرح حافظ منذری نے کثیر تعداد میں خواتین سے روایت کی اور اپنی تصنیف **التکملة لوفیات النقلة** میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ محبّ الطبری (م694) نے بھی متعدد خواتین سے روایت کی ہے۔ اپنے دور کے عظیم ترین مفکر اور فقیہ علامہ ابن تیمیہ (م728) نے کثیر تعداد میں احادیث خواتین کے توسط سے حاصل کیں اور ان میں سے بعض احادیث کو اپنے انتخاب **أربعین** میں شامل کیا ہے۔ ابن تیمیہ نے ان خواتین کے علم و فضل کو فراخ دلی کے ساتھ خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ان کے فہم و ذکاء اور ورع و تقویٰ کا اعتراف کیا ہے۔ تبلیغ اور اصلاح کے میدان میں ان کی خدمات جلیلہ کی تعریف و توصیف کی ہے۔ اسی طرح مندرجہ ذیل ائمہ نے بھی خواتین کی شاگردی اختیار کی ہے: ابن جماعۃ (م733)، ابن سید الناس (م734)، ابوالحجاج المزّی نے خواتین کی بعض روایات کو اپنی تصنیف **تهذيب الكمال** میں شامل کیا ہے۔ علامہ ذہبی (م748) نے اپنی تصانیف **معجم الشيوخ**، **تاريخ الاسلام** اور **سير أعلام النبلاء** میں خواتین سے مروی روایات درج کی ہیں۔ اسی طرح امام ابن القیم (م751) حافظ علائی (م761) اور تاج الدین سبکی (م771) میں ان سے روایات بیان کی ہیں اور ان کے تذکرے بھی تحریر کیے ہیں۔ حافظ ابن کثیر (م774)، زرکشی (م794)، ابن رجب حنبلی (م795)، بلقینی (م805)، حافظ ابوالفضل عراقی (م806) اور حافظ تقی الدین فاسی (م807) نے بعض خواتین اساتذہ کا ذکر اپنی تصنیف **ذيل التقييد** اور دیگر کتب میں کیا ہے۔ اسی طرح ابن الجزری (م733) نے اپنی **التاريخ** اور حافظ ابن حجر عسقلانی (م852) نے اپنی تصانیف **معجم**، **الدر الكامنة** اور **أبناء الغمر** میں ان کا ذکر کیا ہے۔ نجم الدین بن فہد (م885) نے **معجم** میں، حافظ شمس الدین سخاوی (م802) نے **الضوء اللامع** میں اور حافظ جلال الدین السیوطی نے ان کے کوائف درج کیے ہیں۔ سیوطی نے ان خواتین اساتذہ سے روایات کی ہیں اور اپنی تصنیف **معجم** اور دیگر کتب میں ان کے سوانحی حالات بھی درج کیے ہیں۔

شوہروں کی اپنی بیویوں سے روایت

بعض محدثات نے علم و فضل میں ایسا ملکہ حاصل کیا کہ ان کے شوہروں کا شمار ان کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی بیویوں سے مختلف علمی اور فقہی مسائل کے حل کے لیے رجوع کرتے۔ ہشام بن سعد راوی ہیں کہ ان کی ملاقات معاذ ابن عبد اللہ بن حبیب الجہنی سے ہوئی۔ معاذ نے اپنی بیوی سے دریافت کیا کہ بچے پر نماز کب سے فرض ہوتی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ''ہمارے قبیلہ کے ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ سے جب یہ سوال دریافت کیا گیا تو آپؐ نے جواب دیا: ''جب بچہ اپنے دائیں اور بائیں کے مابین امتیاز کرنے کے لائق ہو جائے تو اسے نماز ادا کرنے کا حکم دو۔'' [13] کریمہ بنت مقداد بن الاسود الکندیہ تابعیہ ایک اور ایسی خاتون گزری ہیں جن کے شوہر عبداللہ بن وہب زمعہ نے اپنی بیوی امّ یحییٰ حمیدہ بنت اُبیّ ابن رفاعہ الانصاریہ الزرقیہ سے روایت کی ہے۔ [14] صحابہ اور تابعین میں فاطمہ بنت المنذر بن زبیر بن العوام کا شمار ایک ممتاز عالمہ اور فقیہہ کے طور پر ہوتا ہے۔ [15] ان کو کثیر تعداد میں احادیث کا علم تھا۔ ان میں زیادہ تر کی روایت کرنے والی ان کی دادی حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ تھیں۔ ائمہ عظام نے فاطمہ سے روایات بیان کی ہیں۔ ان میں مشہور سیرت نگار محمد بن اسحاق بھی شامل ہیں۔ ان کی مروی زیادہ تر احادیث ان کے شوہر ہشام بن عروہ کے واسطے سے احادیث کے تمام مجموعوں میں مذکور ہیں۔ ہشام بن عروہ بن زبیر، امام ابوحنیفہ، مالک، شعبہ، سفیان الثوری اور دیگر حضرات کے استاذ تھے۔ ہشام نے اپنی بیوی فاطمہ کی سند پر روایت کی ہے کہ ان کی دادی حضرت اسماءؓ نے مطلع کیا کہ ایک عورت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے آئی اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میری ایک بیٹی ہے جو جلد ہی دلہن بننے والی ہے اور اس کو ایک مرض لاحق ہو گیا ہے جس سے اس کے بال جھڑتے ہیں اور برائے نام رہ گئے ہیں۔ کیا میں اس کو (کسی دوسرے کے) بالوں کی ایک چوٹی باندھ دوں؟'' آپؐ نے جواب دیا: ''اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جو اس طرح کسی دوسرے کے بالوں کو اپنے سر پر باندھے، یا اس کی خواہش کرے۔'' (اس حدیث کا حوالہ بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے دیا ہے۔) [16] ہشام راوی ہیں: ''فاطمہ نے مجھ سے حضرت اسماءؓ کی یہ روایت بیان کی:

''ہم نے رسول اکرم ﷺ کے عہد میں گھوڑے کا گوشت کھایا۔'' [17] ہشام نے فاطمہ کی سند پر حضرت اسماءؓ کی یہ روایت بھی بیان کی ہے: ''رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اپنی دولت بانٹو، اسے خرچ کرو، اس سے ادائیگی کرو، اس سے چمٹے مت رہو، ورنہ اللہ اس کو تمہارے اوپر مسلّط کردے گا۔ دولت کا حساب مت لگاتے رہو، ورنہ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔'' [18] ہشام نے فاطمہ سے ایک طویل روایت بھی بیان کی ہے، جو **صحیح بخاری** اور **صحیح مسلم** میں شامل ہے۔ یہ حدیث سورج گرہن سے متعلق ہے۔ [19]

تحفة الفقهاء کے مصنف محمد بن احمد بن ابی احمد السمر قندی (م540) کی بیٹی فاطمہ خود بھی عالمہ اور فقیہہ تھیں اور اپنے علم و فضل کے لیے معروف تھیں۔ ان کا نکاح **بدائع الصنائع** کے مصنف علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی سے ہوا۔ ابن العدیم رقم طراز ہیں: ''میرے والد نے روایت کی کہ فاطمہ حنفی مسلک کے حوالے برمحل دیتی تھیں۔ ان کے شوہر الکاسانی بعض اوقات شکوک اور شبہات کا شکار ہوجاتے، جس سے ان کے فتاویٰ میں تسامحات در آتے۔ فاطمہ ان کی اصلاح کرتیں، صائب رائے سے آگاہ کرتیں اور ان کے تسامحات کی وجوہ واضح کرتیں۔'' [20]

نویں صدی کی ایک قابلِ ذکر مثال فاطمہ بنت یحییٰ کی ہے۔ ان کے بارے میں شوکانی (م1255) کی رائے درج ذیل ہے: ''وہ اپنے علم و فضل کے لیے مشہور تھیں۔ متعدد فقہی مسائل پر وہ اپنے والد سے بحث اور مذاکرہ کرتیں۔ ان کے والد امام یحییٰ نے اس امر کی توثیق کی ہے کہ فتاویٰ کے استنباط میں فاطمہ اجتہاد پر عمل پیرا ہوتیں۔ اس سے ان کے علم و فضل کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے، ورنہ امام یحییٰ کسی نااہل شخص کے لیے مذکورہ بالا توصیفی الفاظ نہ استعمال کرتے۔'' [21] فاطمہ کے والد نے ان کا نکاح مطہّر بن محمد بن سلیمان بن محمد (م879) سے کردیا تھا۔ ان کے شوہر پیچیدہ فقہی مسائل کو حل کرنے میں فاطمہ سے مشورہ کرتے۔ جب بھی کوئی مشکل مسئلہ ان کو یا ان کے شاگردوں کو درپیش ہوتا تو وہ اپنی بیوی سے رجوع کرتے اور وہ اس مسئلہ کا حل تجویز کرتیں۔ ان کے شاگرد کہا کرتے تھے: ''یہ رائے آپ کی نہیں ہے بلکہ یہ پردے کے پشت سے برآمد ہوئی ہے۔'' [22]

ماؤں سے بچوں کا اکتسابِ علم

بیش تر مسلم علماء کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ان کی کام یابی کی ایک اہم وجہ صغر سنی میں ان کی اعلیٰ تعلیم اور تربیت تھی، جس کی بنیاد تقویٰ اور صالحیت پر تھی اور یہ معیاری تعلیم اور تربیت ان کی والدہ کا کارنامہ تھا۔ کم سنی میں احکام دین سے روشناس کرنے کی رسول اکرم ﷺ نے تلقین کی۔ اس حقیقت کا اظہار ہم نے اس کتاب کے گزشتہ باب میں بھی کیا ہے۔ آپؐ کی تعلیم سے متاثر ہو کر مائیں اپنے بچوں کو مجالس درس میں لاتیں اور ان کو مسجد بھی لے جاتیں۔ ان میں سے بعض بچے بہت چھوٹے ہوتے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ بچے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیے جاتے۔ آپؐ ان کو برکت کی دعا دیتے اور ان کی تحنیک کی رسم ادا کرتے (تحنیک سے مراد ہے نومولود کے منھ میں کھجور کو نرم کر کے ڈالنا)۔ ایک موقع پر جب ایک نومولود نے آپؐ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا تو آپ نے پانی منگایا اور اسے کپڑے کے متاثرہ حصے پر بہایا۔[23] مسجد میں خواتین کو بچے لانے کی ممانعت نہ تھی، بلکہ اس کے برعکس رسول اکرم ﷺ کو اس معمول کا علم تھا اور اگر نماز کے دوران کوئی بچہ روتا تو آپ نماز کے دوران قرأت مختصر کر دیتے، تاکہ اس کی والدہ کی پریشانی اور انتشارِ ذہنی رفع ہو۔[24]

حضرت ابو بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری نے درج ذیل واقعہ روایت کیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ مائیں کس طرح اپنے بچوں کے دل و دماغ میں سنت کی اہمیت راسخ کرتی تھیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک موقع پر بچوں کے سامنے جب حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ نے یرحمک اللہ نہیں کہا تو کس طرح ابو موسیٰ نے اس کی وضاحت کی:

''میں اپنے والد حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کے ہمراہ امّ الفضل کے مکان میں تھا۔ انہیں چھینک آئی تو انھوں نے الحمد للہ کہا۔ میرے والد نے یرحمک اللہ کہا۔ البتہ جب مجھے چھینک آئی تو حضرت ابو موسیٰؓ نے ایسا نہیں کیا۔ گھر واپسی پر میں نے پورا واقعہ اپنی والدہ کو سنایا۔ جب ایک دن حضرت ابو موسیٰؓ ہمارے گھر آئے تو میری والدہ نے ان سے کہا: آپ کی موجودگی میں

میرے بیٹے نے چھینکا مگر آپ نے اس کے لیے دعائیہ کلمے نہیں کہے، جب کہ ایک خاتون کے چھینکنے پر آپ نے ان کو دعائیہ کلمات سے نوازا۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے جواب دیا: آپ کے بیٹے نے چھینکا، لیکن الحمد للہ نہیں کہا، لہٰذا میں نے بھی اسے دعا نہیں دی۔ اس کے برخلاف اس خاتون نے اللہ کی حمد وثنا کی، اس لیے میں نے بھی اس کے لیے دعائیہ کلمات کہے۔ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جب کوئی شخص تمھارے سامنے چھینکے اور الحمد للہ کہے تو تم اس کے لیے دعا کرو۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو تم اس کو دعا مت دو۔'' میری والدہ نے کہا: ''آپ کی بات برحق ہے، آپ کی بات برحق ہے۔'' [25]

بسا اوقات بچوں کو متعین اخلاقیات کا درس دیا جاتا تھا۔ مثلاً سفیان بن عیینہ نے ابن المنکدر سے یہ روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''میری والدہ مجھے ہدایت کرتی رہتی تھیں کہ بچوں سے بہت زیادہ مذاق مت کرو، ورنہ وہ تم کو غیر سنجیدہ اور لا ابالی سمجھیں گے۔'' [26] بعض صورتوں میں امثال اور تلمیحات کی مدد سے اخلاقی سبق ذہن نشین کرائے جاتے تھے۔ عاصم بن علی راوی ہیں: ''عبداللہ بن بکر بن عبداللہ المزنی نے ہم سے یہ روایت بیان کی: ''میری والدہ نے مجھے بتایا کہ میرے والد نے یہ قسم کھائی ہے کہ جب کبھی وہ دو اشخاص کو تقدیر کے باب میں بحث ومباحثہ اور تنازعہ کرتے ہوئے دیکھیں گے تو دو رکعت نماز ادا کریں گے۔'' [27] ماؤں کا یہ اہم فریضہ تھا کہ وہ اپنی اولاد میں طلبِ علم کا جذبہ پروان چڑھائیں اور اس بارے میں اپنی ذمہ داری ادا کریں۔ طلب علم اساتذہ اور صاحبِ علم حضرات کی صحبت میں پایۂ تکمیل تک پہنچتی ہے۔ غرض یہ کہ طالبان حدیث کے لیے یہ تربیت بنیادی تھی، تاکہ وہ اسانید عالی کی جستجو میں سفر اختیار کریں اور اصل متن تک رسائی حاصل کریں۔ عفان نے شعبہ سے روایت کی ہے: ''میری والدہ نے مجھ سے کہا: ''یہاں ایک خاتون ہے، جو حضرت عائشہؓ کی مرویات بیان کرتی ہے۔ اس کے پاس جا کر علم حدیث حاصل کرو۔ میں اس خاتون کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے احادیث کا سماع کیا۔ اس خاتون کا نام شمیسہ ام سلمٰی تھا۔'' [28]

بچوں کی اپنی ماؤں سے روایت حدیث

اگلی حدیث میں چار صحابیات کا ذکر ہے، جنھوں نے ایک دوسرے سے روایت کی۔ ان

میں سے دو ازواج مطہرات ہیں اور دو ان کی صاحبزادیاں۔ عروہ بن زبیر نے ان اسناد کے حوالے سے روایت بیان کی ہے: عروہ نے زینب بنت ابی سلمہؓ سے، انھوں نے حبیبہ بنت امّ حبیبہ سے، انھوں نے زینب بنت جحش سے کہ زینب نے کہا: ''رسول اکرم ﷺ بیدار ہوئے۔ آپ کا چہرہ سرخ تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ ایک شر کے باعث عربوں پر عنقریب تباہی آنے والی ہے۔ آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اس طرح شگاف پڑ گیا۔ آپؐ نے اس کی مثال اپنی انگلیوں سے ایک دائرہ بناتے ہوئے دی''۔ زینب کہتی ہیں: ''میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! کیا ہم اس صورت میں بھی تباہ اور برباد ہوجائیں گے کہ ہمارے درمیان متقی اور صالح افراد موجود ہوں''؟، آپؐ نے جواب دیا: ہاں! جب شر کا غلبہ ہوجائے گا۔'' [29]

یحییٰ بن بشیر بن خلاد نے اپنی والدہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ان کی والدہ نے محمد بن کعب قرظی سے ملاقات کے دوران ان کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''حضرت ابو ہریرہؓ نے مجھ سے روایت کی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''امام کو نماز کی صفوں کے وسط میں کھڑا کرو اور صفوں میں خالی جگہ پُر کرو۔'' [30]

عبد ربہ بن الحکم الثقفی الطائفی نے اپنی والدہ بنت رقیہ سے اور انھوں نے اپنی والدہ سے حدیث روایت کی: [31]

''عامر الشعبی نے یحییٰ بن طلحہ اور انھوں نے اپنی والدہ سودہ المرّیہ سے روایت بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ حضرت طلحہؓ کے قریب سے گزرے اور ان سے کہا: ''تم اس قدر غمگین کیوں ہو؟ کیا تمھیں اپنے بھائی (ابو بکر) کی خلافت پسند نہیں''؟ انھوں نے جواب دیا: ''ایسا نہیں ہے۔ میرے غم کا باعث یہ ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''مجھے اس کلمہ کا علم ہے جسے کوئی شخص پڑھے گا تو اس کے حق میں یہ کلمہ اس کے اعمال نامے کو روشن کردے گا اور موت کے وقت اس کے بدن اور روح کو عافیت عطا ہوگی۔ مجھے افسوس اس امر کا ہے کہ آپ کی وفات سے قبل میں نے آپؐ سے یہ

کلمہ کیوں نہیں دریافت کرلیا؟" حضرت عمرؓ نے کہا: مجھے اس کلمہ کا علم ہے۔ یہ وہ کلمہ ہے جو آپؐ چاہتے تھے کہ آپؐ کے چچا (ابوطالب) اپنے انتقال سے قبل اس کو پڑھ لیں۔ اگر حصول نجات کے لیے اس سے بہتر کوئی کلمہ ہوتا تو آپ یقیناً اس سے باخبر ہوتے اور آپؐ نے اس کا پڑھنا لازمی قرار دیا ہوتا۔" [32]

سفیان بن عیینہ نے ابن المکندر سے روایت کی ہے، انھوں نے ابن رمیث سے اور انھوں نے اپنی والدہ سے کہ ان کی والدہ نے کہا: "میں حضرت عائشہؓ کے ہاں حاضر ہوئی۔ انھوں نے صبح 8 رکعت نماز ادا کی۔ میں نے ان سے کہا: اس نماز کے بارے میں رسول ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہو، مجھے اس سے مطلع کیجیے۔" حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: "اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کی سند پر میں تم کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ البتہ اگر مجھے یہ پیش کش کی جائے کہ اس نماز کے ترک کرنے پر میرے مرحوم والد زندہ واپس آجائیں گے تب بھی میں اس نماز کو ترک نہیں کروں گی۔" [33]

عبداللہ بن عون نے حسن سے اور انھوں نے اپنی والدہ سے، اور انھوں نے حضرت امّ سلمہؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ امّ سلمہؓ نے فرمایا: "میں غزوۂ خندق کا وہ واقعہ نہیں بھول سکتی جب آپؐ لوگوں کو دودھ تقسیم کررہے تھے۔ آپؐ کے سینے کے بال خاک آلود تھے اور آپؐ یہ فرماتے جاتے تھے: "اصل خیر تو آخرت کا خیر ہے۔ اللہ انصار اور مہاجرین سے درگزر فرمائے۔" [34]

عبدالحمید بن عبدالوحید راوی ہیں: "امّ جنوب بنت نمیلہ نے مجھ سے روایت کی، انھوں نے اپنی والدہ سویدہ بنت جابر سے اور انھوں نے اپنی والدہ عُقیلہ بنت اسمر ابن مضرّس سے اور انھوں نے اپنے والد سمر ابن مضرّس سے کہ اسمر نے کہا: "میں رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ سے بیعت کی۔ آپؐ نے فرمایا: "جو کوئی ایسے پانی کے ذخیرے کو پائے جہاں اس سے قبل کوئی مسلمان نہ پہنچا ہو تو وہ پانی اس کا ہے۔" [35]

کثیر بن فرقد نے عبداللہ بن ملک بن حذیفہ سے، انھوں نے اپنی والدہ عالیہ بنت سبیع سے روایت کی ہے کہ عالیہ نے کہا: "میری بھیڑیں کوہِ احد پر تھیں اور ان میں سے چند مرگئیں۔

میں ام المومنین حضرت میمونہؓ کے پاس حاضر ہوئی اور اس کا ذکر ان سے کیا۔ میمونہؓ نے مجھ سے کہا: ''اگر تم ان کی کھال اتار لیتیں تو وہ تمہارے کام آتی۔'' عالیہ نے دریافت کیا: کیا مردہ جانور کی کھال حلال ہے؟ میمونہؓ نے جواب دیا: ''چند اہل قریش رسول اکرم ﷺ کے قریب سے گزرے۔ وہ اپنی مردہ بکری کو ایسے گھسیٹ رہے تھے جیسے گدھے کو گھسیٹتے ہیں۔ آپؐ نے ان سے فرمایا: ''تم اس کی کھال اتار لیتے''۔ انھوں نے کہا: یہ بکری تو مری ہوئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''دباغت سے اس کی کھال پاک ہو جائے گی۔'' [36]

تابعین میں حضرت عمرہ بنت عبد الرحمٰن بطور فقیہہ اور راویہ مشہور تھیں۔ ان کے راویوں میں ان کے بیٹے ابو الرجال محمد بن عبد الرحمٰن الانصاری شامل ہیں، جن کی سند پر بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے متعدد احادیث درج کی ہیں۔ [37]

عالمہ خواتین کے آداب واطوار

بعد کے ادوار کی محدثات سے متعلق مآخذ ان کے آداب واطوار کی تفصیلات سے عاری ہیں۔ ان کا تذکرہ متعین طور پر نہیں ملتا، بلکہ عمومی الفاظ میں ان کے تقویٰ، علم وفضل، ذہانت وذکاوت اور سخاوت کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ کس فیاضی سے وہ اپنا وقت اور مال ودولت علم حدیث کی خدمت میں صرف کرتی تھیں اور طلبِ علم میں کس درجہ صبر اور تحمل کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ بعض محدّثات کے علمی مقام ومنزلت کی صراحت ملتی ہے، مثلاً مسندہ کے طور پر ان کا لقب یا ان کے ممتاز تلامذہ کے حوالے سے ان کے فتاویٰ کا تذکرہ۔ اس کے برعکس صحابہ اور تابعین کے دور کے علماء کے متعلق تفصیلی معلومات دست یاب ہیں کہ کس طرح انھوں نے اپنا علم وفضل اپنے تلامذہ کو منتقل کیا۔ ہر چند کہ ان علماء کی تعداد قلیل تھی، لیکن ان کے تلامذہ کثرت سے تھے۔ مآخذ میں ان کی صفات متعین طور پر درج ہیں، جب کہ خواتین اساتذہ کے باب میں ان تفصیلات کا فقدان ہے، گو کہ ان کے آداب اور اطوار اپنے پیش رو علماء سے مشابہ تھے۔

حدیث کے متن اور اسناد کے مطالعہ کے بعض تکنیکی پہلو میں علماء ان پر بہ آسانی عبور حاصل کر لیتے ہیں۔ سنّت محض ایک علمی کاوش نہیں، بلکہ ایک طرز زندگی کی نمائندہ ہے۔

محدثین، خواہ مرد ہوں یا خواتین، اس حقیقت سے بہ خوبی آگاہ تھے کہ ان کی بنیادی ذمہ داری اپنے علم اور روایات کو دیانت داری کے ساتھ محفوظ رکھنا اور بیان کرنا ہے۔ انھوں نے بہترین انداز میں اپنا سرمایۂ علم اپنے تلامذہ کو منتقل کیا۔ انھوں نے رسول اکرم ﷺ کے افکار، اقوال اور اعمال کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ منتقل کیا۔ وہ اپنے اس فریضے سے باخبر تھے کہ ان کے ذمہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی ترسیل ہے، اس کے پس پشت کوئی سیاسی یا مسلکی مقصد نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح حبِّ جاہ اور منصب بھی مقصود نہیں ہونا چاہیے۔ علمائے حق محض اپنی اخلاقی عظمت پر قانع رہتے تھے اور انھوں نے اپنے ذاتی عمل اور کردار میں دیانت داری، اخلاص اور بے لوث خدمت کا وافر ثبوت دیا۔

محدثات کی صفات عالیہ کا ایک مظہر تابعیہ حضرت امّ الدرداء ہیں۔ ابراہیم بن عبلہ راوی ہیں کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور ان کو بتایا کہ فلاں شخص نے ام الدرداء پر عبدالملک بن مروان خلیفۂ وقت کے سامنے نکتہ چینی کی تھی۔ انھوں نے جواب دیا: اگر ہم اس عیب کے لیے موردِ تنقید ہیں جو ہم میں ہے ہی نہیں، تو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اکثر ہماری ان صفات کا تذکرہ ہوتا ہے جن سے ہم تہی دامن ہیں۔'' [38] اس روایت سے واضح ہے کہ انھوں نے کس حکمت اور لطافت سے اس شکایت کنندہ کو شرم سار کیا۔ اس جواب میں خلیفہ کی ہیبت اور قوت سے خائف ہونے کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ درحقیقت عبدالملک بن مروان دمشق میں امّ الدرداء سے فقہ کا درس لیتے تھے اور ان کے دیگر شاگردوں کی مانند ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے تھے۔ [39] اسماعیل بن عبداللہ راوی ہیں: ''عبدالملک بن مروان قبۃ الصخرۃ، یروشلم پر نشست رکھتے تھے اور وہاں امّ الدرداء ان کو درس دیتی تھیں۔ جب مغرب کی اذان کی صدا بلند ہوتی وہ اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا سہارا لیتے ہوئے امّ الدرداء بھی کھڑی ہوجاتیں اور ان کے سہارے مسجد میں داخل ہوتیں، پھر وہ خواتین کی صف میں شامل ہوجاتیں اور عبدالملک آگے بڑھ کر امامت کا فریضہ انجام دیتے۔'' [40]

امّ الدرداء اپنے ورع، تقویٰ، خشیت الٰہی اور عجز و انکسار کی بدولت ہر شخص کے لیے موجب احترام و اکرام تھیں۔ عون بن عبداللہ راوی ہیں: ''ہم امّ الدرداء کی مجلس میں حاضر

ہوتے اور ذکر الٰہی میں منہمک ہوجاتے۔'' [41] درس و تدریس کے علاوہ امّ الدرداء عبادت سے اشتغال کے لیے بھی مشہور تھیں۔ یونس بن میسرہ راوی ہیں: ''خواتین امّ الدرداء کے ہمراہ عبادت کرتیں۔ جب وہ قیام کرتے ہوئے پست ہوجاتیں تو رسّی کا سہارا لیتیں۔'' [42] دیگر خواتین اساتذہ کو بھی عبادات کی ادائیگی سے گہرا شغف تھا۔ حافظ السّلفی نے ابوالرجال فتیان بن نصر اللہ الازدی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے بتایا: ''میرے بچوں کی والدہ یعنی میری بیوی نے مجھ سے روایت کی، اس نے خدیجہ بنت الفقیہ ابی العباس الرازی کو بسا اوقات پوری رات عبادت میں مشغول دیکھا اور جب تک وہ نیند سے بالکل مغلوب نہ ہوجاتیں، سوتی نہ تھیں اور برابر عبادت میں مشغول رہتی تھی۔'' [43]

ان اساتذہ کی خدمات راہ خدا میں عظیم قربانی کی مماثل ہیں۔ جس طرح ماں اپنے بچے کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھتی ہے۔ اسی طرح یہ اپنی شاگردوں کی ہر ضرورت پوری کرتیں۔ عثمان بن حیان (م105) راوی ہیں: ''ایک مرتبہ ہم امّ الدرداء کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے سے قبل ہم بسم اللہ کرنا بھول گئے۔ امّ الدرداء نے کہا: ''اے میرے بچو! اپنے کھانوں کو ذکرِ الٰہی کی نعمت سے محروم نہ رکھو۔ کھاتے وقت اللہ کی حمد وثنا کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کے بغیر کھانا کھایا جائے۔'' [44] عبد ربہ بن سلیمان بن عمیر بن زیتون کی روایت ہے کہ ''امّ الدرداء حکیمانہ اقوال مجھے سکھاتیں اور میری تختی پر لکھتی بھی تھیں۔'' [45] غالباً عبد ربہ اس وقت اتنے صغیر سِن تھے کہ وہ خود لکھنے پر قادر نہ تھے۔ ان کی یہ روایت بھی ہے کہ امّ الدرداء ان سے کہا کرتیں: اس کم عمری میں تحصیل حکمت کرو، تاکہ بڑے ہونے پر اسے استعمال کرو۔'' [46] سلیمان بن عامر روایت کرتے ہیں: ''میں یروشلم کے لیے عازم سفر ہوا اور امّ الدرداء کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے مجھے مشروب پلایا اور ایک دینار عطا کیا۔'' [47] محدثات میں یہ صفت عام اور مشترک تھی کہ وہ اپنا مال اور وقت فیاضی کے ساتھ طلبہ کی نذر کرتیں۔ عائشہ بنت طلحہ کی سند پر موسیٰ بن عبداللہ روایت کرتے ہیں: ''لوگ ہر مقام سے امّ المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر ہوتے۔ وہ ان کو اپنے شہروں سے خطوط بھی روانہ کرتے۔ میں حضرت عائشہؓ کے سامنے بیٹھتا اور بتاتا کہ خالہ یہ خط فلاں کا ہے اور یہ ہدیہ فلاں کی جانب سے ہے، حضرت

عائشہؓ مجھ سے کہتیں: ''میرے بچے! ان کو جواب روانہ کردو اور ان کو انعام بھیج دو۔ اگر تمہارے پاس انعام میں دینے کو کچھ نہیں ہے تو میں انہیں دوں گی۔ پھر وہ مجھے ان افراد کے انعام کے لیے کچھ عطا کرتیں۔'' [48]

بعض خواتین اساتذہ کے درس و تدریس سے انہماک کا یہ حال تھا کہ وہ پورا دن اس کی نذر کردیتیں اور بغیر آرام کیے طویل مجالس درس منعقد کرتیں۔ دن بھر درس و تدریس میں مشغولیت اور قوت عمل کے لیے ممتاز محدثہ ست الوزراء بنت منجّا (م716) مشہور تھیں۔[49] وہ صحیح بخاری کی تدریس دمشق میں کرتی تھیں۔ پھر ان کو قاہرہ مدعو کیا گیا اور وہاں کی جامع مسجد اور دیگر مقامات پر انھوں نے درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔ ان کی مجالسِ درس میں شہر کے معززین اور علماء شریک ہوتے تھے۔ ان کی عمر نوے برس سے متجاوز تھی۔[50] اپنی درازیٔ عمر کے باوصف وہ آخری لمحے تک درس و تدریس میں مصروف رہیں۔[51]

ست الوزراء کے ایک شاگرد ذہبی کا بیان ہے: ''وہ مستقل مزاج اور صابر اور شاکر خاتون تھیں۔ یہ صفات ان کی طویل مجالسِ درس میں نمایاں رہتیں۔[52] ان کے دروس کی طوالت کا ایک سبب یہ تھا کہ دُور دراز مقامات سے آئے ہوئے طلبہ مختصر وقت میں ان سے زیادہ سے زیادہ احادیث کے سماع اور کتبِ حدیث کے مطالعے کے حریص ہوتے۔ اس کے لیے اساتذہ کو غیر معمولی صبر اور تحمل سے کام لینا پڑتا۔ مزید برآں ان دروس میں طلبہ کی کثیر تعداد ہوتی۔ ذہبی ایک اور معلّمہ زینب بنت الکامل (م740) کے بارے میں بیان کرتے ہیں: ''وہ ایک متقی اور سخی خاتون تھیں اور متعدد کتب کا درس دیا کرتی تھیں۔ طلبہ کا ہجوم ان کے ارد گرد لگا رہتا اور ان کے سامنے ضخیم کتب کی قرأت کرتا۔ وہ انتہائی اعلیٰ کردار کی حامل اور صابر خاتون تھیں۔ اکثر طلبہ دن بھر ان کے زیرِ نگرانی مطالعہ کرتے، لیکن اپنی کریم النفسی اور شرافت کے باعث ان پر گراں نہ گزرتا۔'' [53] ابن رافع (م774) نے ان کے بارے میں بیان کیا ہے: ''وہ ضخیم اور اہم کتب کا درس دیتیں۔ ان تک رسائی آسان تھی۔ وہ طالبانِ حدیث سے غیر معمولی محبت کرتیں۔ وہ ایک شریف النفس اور نیک خاتون تھیں۔'' [54]

امّ الدرداء کے بارے میں عون بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے ان

(امّ الدرداء) سے دریافت کیا: ''ہم آپ کے لیے باعثِ تعب تو نہیں؟'' انھوں نے جواب دیا: ''تم اور باعثِ تعب! مجھے ہر فعل میں عبادت کی لذّت محسوس ہوتی ہے۔ علماء کی صحبت اور ان سے علمی تبادلۂ خیال سے زیادہ فرحت بخش شئے میرے لیے کوئی اور نہیں۔'' [55] طلبہ کے ذہن میں علم راسخ کرنے کے لیے لازم تھا کہ ان سے اعادہ کرایا جائے۔ ذہبی نے اپنی استاذ زینب بنت عبد الرحمٰن (م 704) کے بارے میں لکھا ہے کہ اعادہ کرانے میں ان کو غیر معمولی ملکہ حاصل تھا۔[56]

بعض اوقات یہ محدثات درس اور تدریس کے سنجیدہ موضوعات سے گریز کرتے ہوئے اور طلبہ کی فرحت کے لیے ان کو دلچسپ کہانیاں سناتیں۔ ست الفقہاء الحمویہ (م 720) کی اس باب میں خاص شہرت تھی[57]۔ صحابہ کے حالات سے بھی مذکورہ بالا نکتے کی تائید ہوتی ہے کہ وہ بھی کبھی طلبہ سے ہنسی مذاق کرلیا کرتے تھے۔ عبد الرحمٰن بن الاسود راوی ہیں: ''میں جب بچہ تھا تو میرے والد مجھے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجتے۔ میں ان کے پاس حجرے کے اندر حاضر ہوتا۔ البتہ جب میں سنِ بلوغ کو پہنچا تو میں پردے کے پیچھے ہی رہتا۔ میں نے ان سے دریافت کیا: ''اے امّ المومنین! غسل کب فرض ہوتا ہے؟''۔ انھوں نے جواب دیا: ''اچھا تو تم یہ فعل انجام دے چکے ہو۔ یالکع! جب دونوں شرم گاہوں کا اتصال ہو تو غسل واجب ہوتا ہے۔'' [58]

اگر طلبہ سے غلطی ہوجاتی تو محدثات اس کی اصلاح کرتیں اور ہلکی تنبیہ بھی کرتیں اور اگر بعض اوقات ضرورت ہوتی تو سختی سے پیش آتیں۔ یزید بن اصم راوی ہیں: ''جب ام المومنین حضرت عائشہؓ مکہ سے واپس آئیں تو ان کے بھتیجے اور میں نے ان کا استقبال کیا۔ ہم نے مدینہ کے ایک باغ میں گھس کر کچھ پھل توڑے تھے۔ عائشہؓ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنے بھتیجے سے مخاطب ہوئیں، اسے ڈانٹا اور پھر مجھے تنبیہ کی اور کہا: ''کیا تمھیں یہ احساس نہیں کہ اللہ نے تمھاری پرورش رسول اکرم ﷺ کے گھر میں کی ہے؟ واللہ، اب میمونہؓ کا انتقال ہوچکا ہے اور تمھاری زندگی خود تمھارے کاندھوں پر ہے (یعنی اب تمھارا کوئی سرپرست نہیں اور تم کو خود ہی راہِ ہدایت پر گام زن رہنا چاہیے)۔ غور سے سنو! ہم میں میمونہؓ سب سے زیادہ خشیتِ الٰہی کی

حامل اور اپنے اعزّا کا سب سے زیادہ خیال رکھنے والی تھیں۔'' [59] اسی طرح امّ الدرداء نے جب اپنے ایک طالب علم کی بے ادبی کا مشاہدہ کیا تو بجا طور پر اس سے سختی سے پیش آئیں۔ اس واقعہ کی روایت ابن ابی زکریا الخزاعی نے کی ہے: ''ہم امّ الدرداء کے ہمراہ سفر میں تھے۔ ایک شخص ہمارے قافلے میں شامل ہوگیا۔ امّ الدرداء نے اس سے دریافت کیا: ''اپنے ہمراہیوں کی مانند تم تلاوت قرآن مجید اور ذکر الٰہی کیوں نہیں کرتے؟'' اس نے جواب دیا: ''مجھے قرآن مجید کی صرف ایک سورہ یاد ہے اور میں نے اس کا ورد اتنی مرتبہ کیا ہے کہ اب مزید نہیں کرسکتا۔'' امّ الدرداء نے کہا: ''کیا قرآن مجید ترک کرنے کی شئے ہے؟ میں تمہارے ساتھ ہم رکاب نہیں رہ سکتی۔ تم آگے چلے جاؤ یا پھر ہمارے بعد آؤ''۔ وہ شخص اونٹ پر سوار ہوکر رخصت ہوگیا۔ [60] اسماعیل بن عبداللہ راوی ہیں: ''امّ الدرداء نے مجھ سے کہا: ''اے اسماعیل! اگر کسی شخص کے تکیے کے نیچے دس ہزار رکھے ہوں تو اسے نیند کیسے آسکتی ہے؟'' اسماعیل نے جواب دیا: ''اگر کسی کے تکیے کے نیچے دس ہزار نہ رکھے ہوں تو بھلا اسے نیند کیسے آسکتی ہے؟'' امّ الدرداء نے کہا: ''سبحان اللہ! مجھے خدشہ ہے کہ کہیں دنیاداری تمہارے لیے آزمائش نہ بن جائے۔'' اور واقعتاً اسماعیل کو اس آزمائش سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ [61] زید بن اسلم روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے امّ الدرداء کو مدعو کیا۔ وہ ان کے مکان میں مہمان رہیں۔ ایک شب عبدالملک نے اپنے خادم کو طلب کیا۔ اس کے حاضر ہونے میں کچھ تاخیر ہوئی۔ عبدالملک نے اس پر لعنت بھیجی۔ اگلی صبح امّ الدرداء نے عبدالملک سے کہا: ''گزشتہ شب میں نے آپ کو اپنے خادم پر لعنت بھیجتے ہوئے سنا ہے۔ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن لعنت بھیجنے والے اشخاص شفاعت یا شہادت کے اہل نہ ہوں گے۔'' [62]

اعزازی درس وتدریس اور قبول ہدایا

بیش تر خواتین بغیر کسی معاوضہ کے درس وتدریس کا کارخیر انجام دیتی تھیں۔ البتہ بغیر کسی مطالبے کے اگر ان کا کوئی شاگرد انہیں ہدیہ پیش کرتا تو اسے قبول کرلیتی تھیں۔ عثمان بن حیان نے امّ الدرداء سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''کچھ لوگ کہتے ہیں: اے اللہ! ہمیں

رزق عطا کر۔'' لیکن ان کو علم ہے کہ اللہ کسی پر سونا چاندی نہیں برساتا، بلکہ وہ اپنے بندوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ رزق عطا کرتا ہے۔ لہٰذا جب تمہیں کچھ دیا جائے تو تمہیں اسے قبول کرلینا چاہیے۔ اگر کوئی شخص دولت مند ہے تو اسے اپنا مال ضرورت مندوں کو دینا چاہیے اور غرباء کو اپنی ضروریات پر خرچ کرنا چاہیے۔'' [63] ابراہیم بن ابی عبلہ کا بیان ہے: ''میں نے امّ الدرداء کو یروشلم میں نادار خواتین کی معیت میں دیکھا۔ ایک شخص وہاں آیا اور اس نے کچھ رقم ان خواتین میں تقسیم کی۔ اس نے امّ الدرداء کو بھی ایک فلس (تانبے کا سکّہ) دیا۔ امّ الدرداء نے اپنی باندی سے کہا کہ اس رقم سے اونٹ کا گوشت خرید لاؤ۔ اس نے دریافت کیا کہ کیا یہ رقم صدقہ نہیں ہے؟ انھوں نے جواب دیا: یہ رقم بغیر کسی مطالبے کے ہم کو ملی ہے۔'' [64] ان مآخذ سے اس امر کا علم ہوتا ہے کہ متعدد محدثات نادار تھیں اور جب ان کے طلبہ کو یہ معلوم ہوتا تو وہ ممکنہ حد تک ان کی ضروریات کو پورا کرتے۔ سخاوی اپنی معلّمہ عائشہ بنت الزین (م880) کے بارے میں رقم طراز ہیں: ''وہ بہت غریب تھیں۔ ان کی ناداری کا یہ عالم تھا کہ وہ کچھ عرصہ امّ الزینی بن مظہر کی رباط میں مقیم رہیں۔ کفاف کی حد تک اپنے شاگردوں سے مدد قبول کرتیں۔ اپنی دوسری معلّمہ سارہ بنت عمر الحمویہ کے بارے میں وہ تحریر کرتے ہیں: ''سارہ نے متعدد احادیث روایت کیں، جن کا سماع ائمہ حدیث نے کیا ہے۔ میں نے ان کی شاگردی میں جو مطالعہ کیا وہ اپنے حجم کے باعث بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ انتہائی متقی اور نادار تھیں۔ اسی سبب ہم ان کی اعانت کیا کرتے تھے۔ ذہانت، اعلیٰ ذوق، طلبہ سے فرط تعلق اور درس و تدریس میں صبر اور تحمل ان کی نمایاں صفات تھیں۔'' [65]

محدثات کے طلبہ کی تعداد

بعض خواتین اساتذہ کے شاگردوں کی تعداد کم تھی اور بعض کی بہت زیادہ۔ امّ المومنین حضرت عائشہؓ کے راویوں کی کثیر تعداد کا ذکر سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔ بعد کے ادوار میں طلبہ کی تعداد نقشہ نمبر 2 میں درج ہے۔ اس نقشے میں شہدہ بنت ابی نصر احمد بن الفرج البغدادیۃ (م574) [66] کے ان شاگردوں کا ذکر ہے جو بعد میں بہ طور علماء، فقہاء، قضاۃ اور صوفیہ معروف ہوئے۔ [67] ان محدثات کے درس میں شامل کثیر تعداد میں طلبہ کی تصویر کشی کے

لیے میں نے ایک درس کے سماع سے متعلق ایک صفحہ نقل کیا ہے اوراس میں مندرج طلبہ کے نام تحریر کیے ہیں۔ 14 خواتین اساتذہ میں مشہورترین زینب بنت الکمال (م740) تھیں۔ ان کا یہ درس یکم رجب 718 کو جامع المظفری، قاسیون، دمشق میں ہوا۔ اس درس میں جزء انتخاب الطبرانی لابنی ابی ذر عُلی ابن فراس زیر مطالعہ تھا۔ اس کا سماع انھوں نے احمد بن عبد الدائم سے، اور انھوں نے ابو نُعیم الاصبہانی سے اور انھوں نے اس کی سماعت براہ راست اس کے مصنف طبرانی سے کی تھی۔ اس درس میں طالبات کی تعداد قلیل تھی۔

نقشہ نمبر 2: شہدہ بنت ابونصر احمد الفرج البغدادیۃ کے نام ور تلامذہ کی فہرست

طالب علم کا نام اور دور	متعلق مقامات
ابواسماعیل ابراہیم بن عبدالواحد المقدسی الدمشقی (م614، دمشق)	دمشق
شیخ ابراہیم بن المظفر البغدادی (م622، موصل)	موصل، سنجر
ابوالمعالی احمد بن عمر النہروانی (م629، بغداد)	بغداد
ابوالعبّاس احمد بن یعقوب المارستانی الصوفی (م639، بغداد)	بغداد
ابومحمد اسماعیل بن الحسین الازجی المامونی	
ابومحمد اسماعیل بن علی الجوہری (م631، بغداد)	بغداد
شیخ ابوالفضل الیاس بن جامع الاربلی الشروطی (م601، اربل)	اربل
ابوعبداللہ الحسین بن عمر الموصلی (م622، موصل)	موصل، اربل
ابوطاہر الخلیل بن احمد الصرصری (م633، صرصر)	بغداد، صرصر
ابواحمد داؤد بن علی الحمّامی	
ابوالمعالی سعید بن علی البغدادی الواعظ	
ابومحمد طلحہ العلثی الحنبلی (م593، العلث)	العلث
ابوبکر عبداللہ بن احمد الطحان (م623، بغداد)	بغداد

ابو جعفر عبداللہ بن نصر اللہ الھاشمی (م 622، بغداد)	بغداد
ابو الفتح عبداللہ بن ابی غالب السامرّی (م 636، بغداد)	بغداد
ابو القاسم الضیاء عبدالرحمٰن بن محمد القرشی (م 616، قاہرہ)	قاہرہ
ابو بکر عبدالرحمٰن بن محفوظ الحنبلی (م 630، بغداد)	بغداد
ابو الفرج عبدالرحمٰن بن نجم الانصاری (م 634، دمشق)	دمشق
ابو القاسم عبدالرحیم بن عبدالرزّاق بن عبدالقادر الجیلی (م 606، بغداد)	بغداد
ابو محمد عبدالعزیز بن دلف البغدادی (م 637، بغداد)	بغداد
ابو طالب عبداللطیف بن محمد بن القبیطی (م 641، بغداد)	بغداد
الموفق ابو محمد عبداللطیف بن یوسف الموصلی (م 629، بغداد)	بغداد، دمشق
ابو منصور عبدالمالک بن عبدالوہاب بن سکینہ (م 602، قنا، مصر) (حلب، یروشلم، مصر)	بغداد، مکہ، مدینہ
ابو بکر عبیداللہ بن علی البغدادی	
ابو المعالی عبیداللہ بن علی النغوبی (م 622، بغداد)	بغداد
ابو القاسم عبیداللہ بن المبارک الازجی (م 619، بغداد)	بغداد
ابو الفتوح عثمان بن ابی نصر البغدادی المسعودی (م 636، بغداد)	بغداد
ابو القاسم علی بن افضل الہاشمی (م 625، مکّہ)	بصرہ
ابو الحسن علی التلمسانی المالکی (م 599، صعید، مصر)	مصر
ابو الحسن علی بن حافظ ابی الفرج عبدالرحمٰن الجوزی (م 630، بغداد)	بغداد
ابو الحسن علی بن محمد السلامی (م 602، حمص) [دمشق]	بغداد، مصر
ابو الحسن علی بن نابت الازجی (م 618، رأس العین)	رأس العین

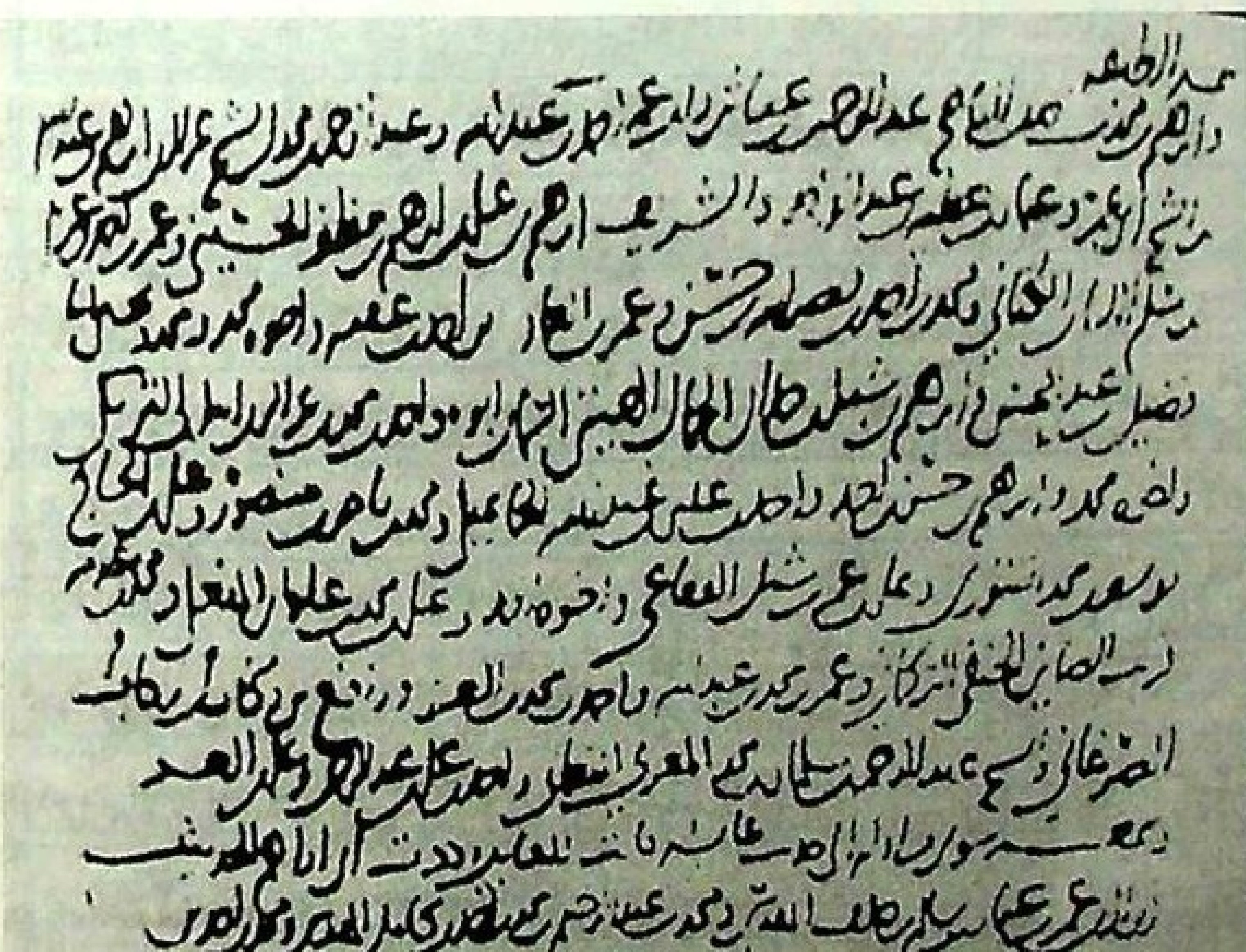
ابوحفص عمر بن ابراہیم الترکستانی الصوفی (م602، شیراز)[الجزیرہ، دیار بکر، خراسان]	واسط، حجاز
ابوحفص عمر بن یوسف بن عبداللہ بن بندار الدمشقی (م600، قاہرہ)	مصر، دمشق
قیصر بن کمشتکین (م607، تستر)	بغداد
ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم الفرغانی (م623، بغداد)	بغداد
ابوالمناقب محمد بن احمد الطالقانی (م623، دمشق)[مصر]	قزوین، بغداد
ابوالمعالی محمد بن احمد الجیلی البغدادی (م627، بغداد)	بغداد
ابونصر محمد بن ابی بکر بن مشق البغدادی البیع (م593)	بغداد
ابوالحسن محمد بن اسماعیل الاربلی (م618، اربل)	اربل، مصر
ابوالحسن محمد بن عبدالرحمٰن الیوسفی (م640، بغداد)	بغداد
ابوعبداللہ محمد بن عثمان الزبیدی (م608، جزیرہ کیش)	بغداد
ابوالبرکات محمد بن علی الانصاری (م600، اسیوط)	اسیوط، موصل
ابوالحسن محمد بن علی البغدادی الضریر (م617)	بغداد
ابوعبداللہ محمد بن عماد الحرّانی (م632، اسکندریہ)	حرّان، اسکندریہ
ابوعبداللہ محمد بن عمر الظفری (م627، بغداد)	بغداد
ابوعبداللہ محمد بن ابی عبداللہ النوقانی (م637، قاہرہ)	نیشاپور، قاہرہ
ابوسعود محمد بن محمد بن جعفر البصری (م629، بصرہ)	بصرہ
ابوسعد محمد بن ابی محمد النفیس الحنبلی (م604، بغداد)	بغداد
محمد بن یحیٰی البغدادی (م639، بغداد)	بغداد
ابوصالح نصر بن عبدالرزّاق الجیلی (م633، بغداد)	بغداد
ابوالفتوح نصر بن محمد البغدادی (م634، بغداد)	بغداد
ابوالفضائل ھبۃ اللہ بن سلامہ بن المسلّم اللخمی الشافعی (م607، قاہرہ)	قاہرہ

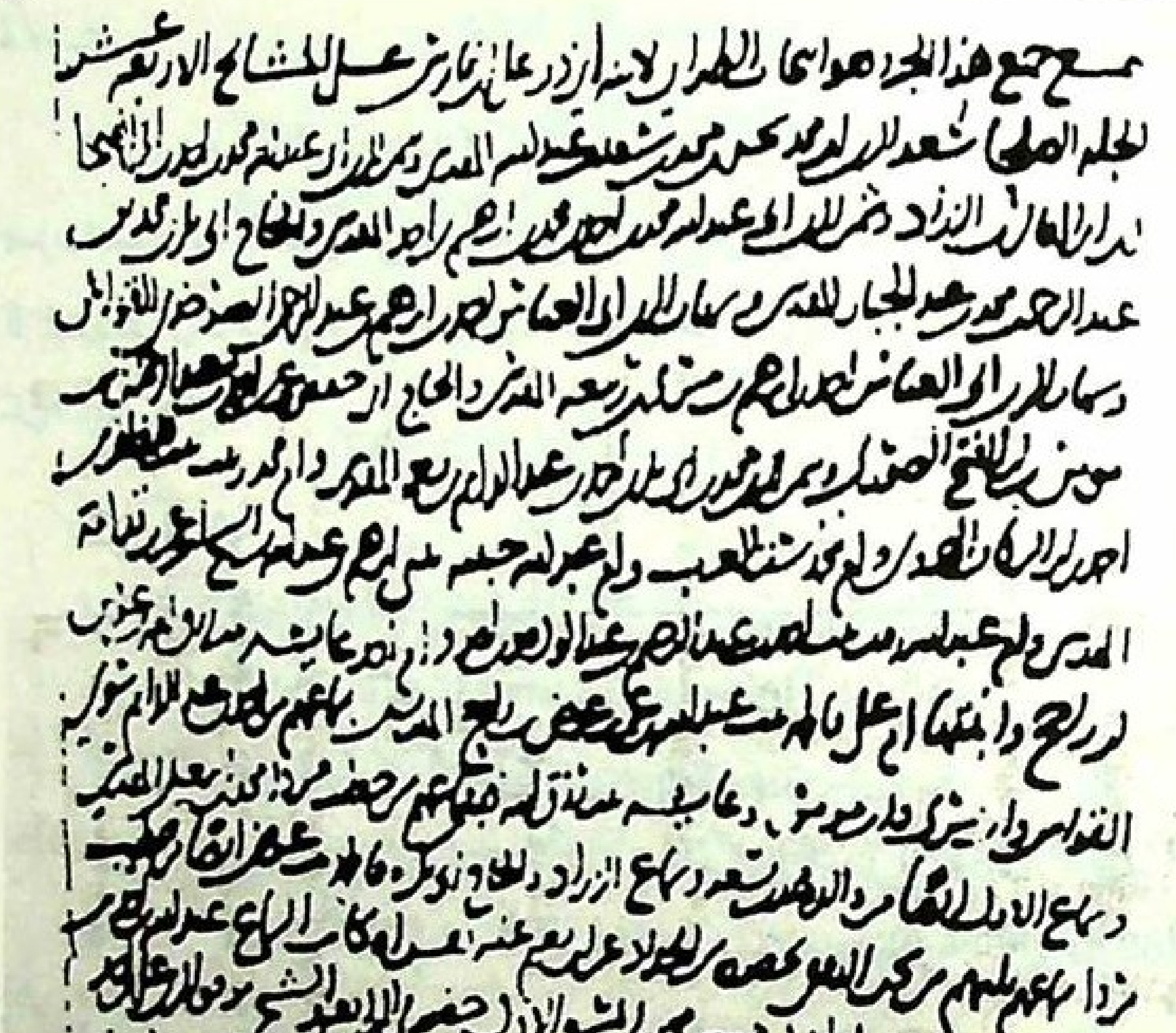
ابوالمجد یحییٰ بن ابی الوفی الماردینی (م 620، مردین) [دمشق]	مردین، دمشق
ابوالمکارم یعش بن ریحان بن مالک الانباری (م 622، بغداد)	بغداد
ابوالولید یوسف بن عمر الباقلانی (م 625، بغداد)	بغداد
ابومحمد یونس بن سعید القطّان (م 630، بغداد)	بغداد

زینب بنت الکمال (م 740) کے درس از جزء انتخاب الطبرانی لابنہٖ ابی ذر علی بن فارس جامع المظفری، قاسیون، دمشق یکم رجب 718۔

زینب بنت الکمال کے درس کے سماع سے متعلق تاریخی تحریر

اس دستاویز میں، جس کا عکس ذیل میں مذکور ہے، زیرِ مطالعہ کتاب کا عنوان موجود ہے۔





اس کے بعد ان 14 شیوخ کا ذکر ہے جو اس درس کے معلم تھے، ان میں زینب بنت الکمال کا بھی نام ہے۔ مصنف اور اس کی اسناد اور طلبہ کے نام بھی مندرج ہیں۔ اس صراحت کے ساتھ کہ کون طلبہ تمام مجالس درس میں شریک رہے اور کون جزوی طور پر۔ درس کا مقام اور تاریخ بھی

مذکور ہے۔

زینب بنت الکمال (م740) کے درس کے سماع کی جزوی دستاویز زیر مطالعہ کتاب **جزء انتخاب الطبرانی لابنہٖ ابی ذر علی بن فارس** اور یہ درس جامع المظفری، قاسیون، دمشق یکم رجب 718 کو دیا گیا۔ اس درس میں شامل چند طالبات کے نام جلی حروف میں دیے گئے ہیں:

طلبہ کے نام

۱۔ محمد بن سعد الدین ابو محمد یحییٰ بن محمد بن سعد بن عبداللہ المقدسی

۲۔ شیخ موفق الدین علی بن احمد بن علی بن حسّان الفرّاء

۳۔ ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عمر بن سلمان البالسی

۴۔ جمال الدین عبداللہ بن یعقوب بن سیدھم الاسکندری (م754، اسکندریہ)

۵۔ احمد بن الشیخ ابی عبداللہ محمد بن احمد بن تمام بن حسّان الحنبلی (م 760، دمشق)

۶۔ ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم بن ابی الحسن علی بن محمد بن بقا البغدادی (م759، دمشق)

۷۔ ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عبداللہ بن عمر بن عوض المقدسی۔

۸۔ ابراہیم بن احمد بن العزّ عمر بن احمد بن عمر

۹۔ ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم بن محمد الملقّین

۱۰۔ عمر بن عبدالرحمٰن بن عیّاش

۱۱۔ اسماعیل بن سلطان بن غنائم الخبّاز، نصر اللہ بن عیّاش کے پوتے

۱۲۔ ابراہیم بن عمر بن عتیق النجم بن عبّاس العطّار

۱۳۔ علی بن زین عبدالرحمٰن بن اسماعیل بن احمد بن عبداللہ بن موسیٰ

۱۴۔ احمد بن محمد ابی الحرام السنبوسالی

۱۵۔ محمد بن محمد بن احمد بن محمد بن الاطباقی التاجر۔

۱۶۔ علی بن ناصر بن عبداللہ بن الخبّاز النسّاج

۱۷۔ عبداللہ ایبک عتیق بن سبیع المجانین

۱۸۔ عمر بن حمزہ بن یقنس بن حمزہ الاربلی العدوی (م 782، سفد)

۱۹۔ عمر بن سعد بن عوسجہ المعذری

۲۰۔ محمد بن حسن بن عبدالمحسن

۲۱۔ ابراہیم بن محمد بن احمد بن الناصح عبدالرحمٰن بن عیاش۔

۲۲۔ احمد بن عبداللہ

۲۳۔ عبدالرحمٰن بن محمد بن الشیخ عزّ الدین ابراہیم بن عبداللہ بن الشیخ ابی عمر

۲۴۔ عثمان بن عطیہ بن عبدالواحد

۲۵۔ الشریف ابراہیم بن علی بن ابراہیم بن مظفر الحسینی (م 776، دمشق)

۲۶۔ عمر بن احمد بن عمر بن مسلّم الکتّانی (م 777، دمشق)

۲۷۔ محمد بن احمد بن نصر اللہ بن حسن

۲۸۔ عمر بن العماد بن احمد بن عقبہ

۲۹۔ محمد بن العماد بن احمد بن عقبہ

۳۰۔ محمد بن فضیل بن عبدالمحسن

۳۱۔ یحیٰ بن فضیل بن عبدالمحسن

۳۲۔ ابراہیم بن شبل بن حمدان الحمال العیتی السمّان

۳۳۔ احمد بن محمد ابن عزّ الدین ایبک التریکی۔

۳۴۔ محمد بن محمد بن عزّ الدین ایبک التریکی

۳۵۔ ابراہیم بن حسن بن احمد

۳۶۔ احمد بن عیسیٰ بن عبداللہ الجمعیلی

۳۷۔ محمد بن ناصر بن منصور

۳۸۔ علی بن الحاج یوسف بن محمد التنوری

۳۹۔ علی بن عمر بن شبل الفقاعی

۴۰۔ احمد بن عمر بن شبل الفقاعی

۴۱۔ علی بن محمد بن علوان

۴۲۔ محمد بن عبداللہ، سائن الحنفی الترکمانی کے ایک رشتہ دار

۴۳۔ عمر بن محمد بن عبداللہ

۴۴۔ احمد بن محمد بن العز

۴۵۔ رفیع بن رکاب بن رکاب الصرغانی۔

۴۶۔ الشیخ عبدالرحمٰن بن سلمان بن محمد المعمر ی النعمانی

۴۷۔ احمد بن علی بن عبدالرحمٰن

۴۸۔ علی بن العزّ

۴۹۔ زین الدین عمر بن عثمان بن سالم بن خلف المقدسی

۵۰۔ محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن کامل المقدسی

۵۱۔ محمد بن احمد بن احمد بن الفقیر الا تحمیمی

۵۲۔ عبدالسلام بن علی بن عبدالرحمٰن المتعیش

۵۳۔ حسین بن اقش بن شردہ الکردی

۵۴۔ محمد بن عالم الدین الخیّاط

۵۵۔ علی بن محمد بن ابراہیم

۵۶۔ عمر بن محمد بن عبداللہ

۵۷۔ محمد بن محب عبداللہ المقدسی

۵۸۔ اس کی بہن خدیجہ

۵۹۔ اس کی ماں دنیا بنت یمان بن المسعود بن جان محمد

۶۰۔ ابراہیم

۶۱۔ عبدالرحمٰن

۶۲۔ زینب، محبّ عبداللہ المقدسی کے بھائی اور بہن

۶۳۔ زینب اور محمد اور ان کے بھائی کی اولاد

۶۴۔ ان کی ماں فاطمہ بنت محبّ بن المحبّ

۶۵۔ الامام امین الدین ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم بن محمد بن احمد الوانی (م735، دمشق)، اس کا بیٹا عبداللہ

۶۶۔ بہاء الدین عبداللہ بن محمد بن ابی بکر بن خلیل المکّی

۶۷۔ جمال الدین عبداللہ بن یعقوب بن سیدھم الاسکندری (م754، دمشق)، اس کے بچے محمد، احمد اور عائشہ

۶۸۔ شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد بن رُشیق المصری المالکی

۶۹۔ شمس الدین محمد بن نصر اللہ بن ابی العزّ الزینی اور اس کا بیٹا محمد

۷۰۔ عمر اور خدیجہ، عبدالرحمٰن بن الحافظ جمال الدین المزّی کی اولاد اور ان کی چچی زینب

۷۱۔ عبداللہ ایبک عتیق بن سبع المجانین

۷۲۔ علی بن محمد بن حازم بن عبدالغنی المقدسی

۷۳۔ ابراہیم بن سلیمان بن ابی الحسن الدیرقانونی

۷۴۔ حسین بن عبدالرحمٰن بن متاع التکریتی

۷۵۔ عبدالرحمٰن بن داؤد بن الخضر الطحان

۷۶۔ محمد بن عبدالحسن بن تامر الخیّاط الدلّی

۷۷۔ عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن الصالحی

۷۸۔ محمد بن احمد بن محمد القیّم القطّان

۷۹۔ عمر اور احمد، احمد بن ابی بکر بن محمد بن طرخان کے بیٹے اپنے والد کے ساتھ

۸۰۔ محمد اور احمد، شمس الدین الطرخان کے بیٹے، ان کے غلام ایدمر

۸۱۔ محمد بن ابراہیم بن محمد بن سلامہ الخیّاط

۸۲۔ رسلان بن احمد بن الموفق اسماعیل الذھبی (م796، دمشق)

۸۳۔ ابراہیم بن سلیمان بن عبدالرحیم بن عبدالرزّاق بن ابی العبّاس العطّار

۸۴۔ عبداللہ بن محمد بن نعمہ بن سالم النابلسی

۸۵۔ تقی الدین احمد بن العالم بن محمود بن عمر الحرّانی (م742، دمشق)، اس کے

بچے خدیجہ اور محمد، ان کی دادی زینب بنت علی بن اسرائیل الکنانی

۸۶۔ شرف الدین محمد بن احمد بن الامام زین الدین ابی بکر بن یوسف بن ابی بکر المزّی

۸۷۔ عثمان بن الزین عمر بن محمد بن بیان

۸۸۔ ابراہیم بن عبدالعزیز بن علی بن محمد الموصلی الخبّاز، اس کی بیٹی زاہدہ

۸۹۔ عبدالرحیم بن عبداللہ بن سلمان الجمّاعیلی، اس کا بیٹا عبدالقادر

۹۰۔ الحاج عثمان بن خلف بن عیسیٰ الحرانجی، اس کا بیٹا عبدالرحمٰن

۹۱۔ الصارم محمد بن علی بن عمر بن مسلم الکنانی، اس کا بھائی حسن اور اس کے عم زاد بھائی

۹۲۔ احمد اور محمد جو عثمان کے بیٹے ہیں

۹۳۔ سلامہ بن عامر بن نجوان الفزاری

۹۴۔ فیّاض بن فیّاض بن عبدالعزیز الفندقی

۹۵۔ علی بن ابی بکر بن عبدالغنی الصمادی

۹۶۔ احمد بن الزین بن الشہاب الحلبونی

۹۷۔ محمد بن عمر بن احمد بن یعقوب المعرّی

۹۸۔ عبدالرحمٰن اور احمد، شیخ ابراہیم بن علی بن محمد بن بقا الملقّین کے بیٹے

۹۹۔ محمد بن شمس الدین محمد بن ابی بکر بن عبدالدائم

۱۰۰۔ احمد بن محمد بن غازی بن علی بن بشیر الترکمانی

۱۰۱۔ محمد بن احمد بن مانع البیطار

۱۰۲۔ ابوالثناء بن موسیٰ بن عبدالجلیل الفراوی، اس کا بیٹا محمد

۱۰۳۔ عبدالغفار بن محمد بن عبدالغفار

۱۰۴۔ عبدالحمید

۱۰۵۔ شیخ ابراہیم بن برکات ابوالفضل البعلبکی کے بچے ابوبکر اور عائشہ

۱۰۶۔ عبداللہ عتیق العراقی

۱۰۷۔ محمد بن شدّاد بن عثمان القطّان کے بچے محمد اور فاطمہ

۱۰۸۔ محمد بن ابی بکر بن سلیمان الورّاق

۱۰۹۔ فاطمہ بنت عبدالرحمٰن بن علی بن احمد الحجادی

۱۱۰۔ احمد بن عمر بن الثقہ الورّاق

۱۱۱۔ محمد بن احمد بن عبدالعزیز بن احمد بن المعلّم الشاغوری البلبلخی العطّار، اس کا بیٹا محمد

۱۱۲۔ محمد بن عبدالرحمٰن بن الشہاب احمد بن محسن الماوردی، اس کا بیٹا محمد

۱۱۳۔ شہاب الدین احمد بن محمد بن یوسف المرشدی

۱۱۴۔ زین الدین عمر بن عبدالعزیز بن الشیخ زین الدین عبداللہ بن مروان الفارقی

۱۱۵۔ علی بن عمر بن احمد بن عمر بن مؤمن

۱۱۶۔ علی بن محمد ابن عمر بن نصر الحرّانی النساج

۱۱۷۔ علی بن محمد بن عبدان الدقاق

۱۱۸۔ صالح بن ابراھیم الحافظی کے بیٹے یوسف اور خلیل

۱۱۹۔ عبدالرحمٰن بن عثمان بن الصفی بن عقبہ

۱۲۰۔ علی بن عبداللہ بن عبدالقادر الموصلی الذھبی

۱۲۱۔ محمد بن الشیخ شہاب الدین احمد بن الطنبا بن عبداللہ بن الحلبیہ اوراس کے بھائی

۱۲۲۔ محمد بن طغرل بن عبداللہ بن الصیرفی۔

محدثات کی روایت احادیث

گزشتہ ابواب میں اس امر کا بخوبی مشاہدہ کیا گیا کہ مردوں کی مانند خواتین نے بھی علم حدیث اور سنّت کی تحصیل کی۔ بطور اساتذہ بھی وہ مردوں کے شانہ بشانہ نظر آتی ہیں۔

کلمات :- روایت حدیث کی اعلیٰ ترین شکل یہ ہے کہ استاذ زبانی اپنے کلمات اپنے تلامذہ کو منتقل کرے۔ اس نکتے کی صراحت اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ تأثر باقی نہ رہے کہ خاتون ہونے کے باعث تدریس حدیث سے ان کا تعلق کم تھا، یا ان کا علم وفضل مطلوبہ پایہ کا نہ تھا، یا انھیں الفاظ اور کلمات کو حفظ کرنے کا خیال نہ تھا، یا خاتون ہونے کے سبب ان کی روایت بالواسطہ اور فاصلے سے ہوتی، یا ان کے تلامذہ ان سے براہ راست سماعت نہ کرتے تھے۔ حسب

معمول براہ راست سماع اور ترسیل کی روایت صحابہ کے دور میں قائم ہوئی۔ ذیل میں ایسی چند مثالیں پیش ہیں جو اس کا مظہر ہیں کہ خواتین کے شاگردوں نے ان سے روایات کا سماع براہ راست کیا کیوں کہ ان روایات کے مختلف الفاظ محفوظ ہیں، یا ان کے زبانی ہونے کے سبب ان کے معنیٰ کی تشریح اور توضیح کی گئی ہے، یا کسی روایت کے بعض الفاظ کے سلسلے میں سوالات اٹھائے گئے ہیں، تاکہ ان کی تصدیق اور توثیق ہو۔

نافع نے صفیہ بنت ابی عبید کی سند پر روایت کی ہے: صفیہ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''کسی عورت کے لیے جائز نہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر یقین رکھتی ہو کہ وہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور وفات پا جانے والے کا سوگ تین دن سے زیادہ کرے۔'' یا آپؐ نے یہ الفاظ ادا فرمائے: ''جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہو۔'' [69]

نافع نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت بیان کی ہے: ''حفصہؓ نے مجھ سے بیان کیا اور اس کا تعلق رسول اکرم ﷺ کے اوقاتِ تخلیہ سے ہے کہ آپؐ صبح ہونے سے قبل دو رکعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔ حفصہؓ کی مراد اس سے یہ تھی کہ جب مؤذن اذان دیتا تھا۔'' [70]

عبداللہ بن ابی سعید المزنی راوی ہیں: حضرت حفصہؓ نے مجھ سے روایت کرتے ہوئے کہا: ''ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی ران پر کپڑا پھیلا ہوا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے انھیں اجازت دے دی اور آپؐ بدستور اسی حال میں رہے۔ پھر حضرت عمرؓ آئے اور یہی ہوا، پھر دیگر صحابہ بھی آئے اور آپؐ بدستور اسی حال میں رہے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے داخلے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے انھیں اجازت عطا کی، مگر کپڑے کو مکمل طور پر پہن لیا۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد سب رخصت ہو گئے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ اور آپؐ کے دیگر صحابہ آئے اور آپؐ اپنی سابقہ حالت میں بدستور رہے (یعنی کوئی تبدیلی نہ کی)، البتہ جب عثمانؓ آئے تو آپؐ نے پورے کپڑے پہن لیے۔ آپؐ نے جواب دیا: ''کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔'' [71]

سالم بن عبد اللہ ابوالجراح کی سند پر روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت امّ حبیبہؓ نے ابوالجراح سے کہا: میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اگر یہ امر میری امت کے لیے تنگی کا باعث نہ ہوتا تو میں حکم دیتا کہ ہر نماز کے وقت جب وہ وضو کریں تو اپنے دانت بھی صاف کریں۔'' [72]

زہری نے علی بن حسین سے روایت کی ہے کہ امّ المومنین حضرت صفیہؓ نے علی بن الحسین سے بیان کیا: ''میں رسول اللہ کے پاس حاضر ہوئی اور آپؐ سے گفتگو کی۔ آپؐ اس وقت مسجد میں معتکف تھے۔ وہ میرے ساتھ اٹھے اور مجھے میرے گھر تک پہنچا گئے۔ راستہ میں دو انصار ملے۔ جب انھوں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا تو ان کو حیا آئی اور وہ واپس پلٹے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا: ''آگے آؤ۔ یہ صفیہؓ ہیں، میری اہلیہ''۔ ان لوگوں نے کہا: ''ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں، اللہ ہر حمد وثنا کا سزاوار ہے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''میں یہ نہیں کہتا کہ تمہارے دل میں کوئی برا خیال آیا، لیکن مجھے بخوبی علم ہے کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح پیہم موجود رہتا ہے۔'' [73]

قتادہ کی روایت ہے: عبد اللہ بن الحارث بن نوفل نے مجھ سے عبد اللہ بن عباسؓ کی سند پر یہ روایت بیان کی کہ حضرت معاویہؓ نے عصر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد ابن الزبیرؓ کھڑے ہوئے اور انھوں نے عصر کی نماز کے بعد نماز ادا کی۔ معاویہؓ نے دریافت کیا: اے ابن عباسؓ! یہ دو رکعتیں کیسی ہیں؟ ابن عباسؓ نے جواب دیا: ''یہ ایک بدعت ہے اور اس کا مرتکب ایک بدعتی شخص ہے۔'' پھر ابن الزبیرؓ ان کی جانب متوجہ ہوئے اور دریافت کیا: ''تم نے کیا کہا؟''۔ انھوں نے جواب دیا: ''ہم اس معاملہ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔'' ابن الزبیرؓ نے جواب دیا: ''میں کسی بدعت کا مرتکب نہیں ہوا، مجھے میری خالہ حضرت عائشہؓ نے اس نماز کے بارے میں بتایا تھا۔'' حضرت معاویہؓ نے کسی شخص کو حضرت عائشہؓ کے پاس اس بارے میں دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے جواب دیا: ''ابن الزبیرؓ درست کہتے ہیں۔ مجھے اس بارے میں امّ سلمہؓ نے بتایا تھا۔'' پھر حضرت معاویہؓ نے کسی شخص کو حضرت امّ سلمہؓ کے پاس

اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ حضرت عائشہؓ نے آپ کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے۔ انھوں نے جواب دیا: ''حضرت عائشہؓ کی بات صحیح ہے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپؐ نے عصر کی نماز کے بعد پھر نماز ادا کی۔ میں نے آپؐ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے مجھ سے دریافت کیا کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے جواب دیا: ''اے اللہ کے رسول! میں نے آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھا، لہٰذا میں نے بھی آپؐ کے ساتھ نماز ادا کی۔'' آپؐ نے فرمایا: ''زکوٰۃ کے ایک محاسب آ گئے تھے اور میں ان کے ساتھ مشغول رہا۔'' [74]

شعبی کی ایک روایت ہے: ''جب بھی مسروق امّ المومنین حضرت عائشہؓ سے کوئی روایت بیان کرتے وہ اس کی ابتدا اس طرح کرتے تھے۔ مجھ سے روایت کی ایک صادقہ خاتون نے، ایک صادق باپ کی بیٹی نے، اس خاتون نے جس کی پاک بازی کا اعلان قرآن مجید نے کیا اور جو اللہ کے محبوب کی محبوب تھی۔'' [75]

جہاں تک ازواجِ مطہرات کے علاوہ دیگر صحابیات کا تعلق ہے، کلیب کا قول ہے:

''زینب نے مجھ سے یہ روایت بیان کی۔ میں نے ان سے دریافت کیا: ''مجھے بتایئے کہ کیا رسول اکرم ﷺ مضر کے خلف میں سے تھے؟''۔ انھوں نے جواب دیا: ''مضر کے علاوہ وہ کس کی نسل کے تھے؟ آپؐ نضر بن کنانہ کی اولاد میں سے تھے۔'' [76]

دجال سے متعلق طویل حدیث کی ایک روایت حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے مروی ہے۔ عامر الشعبی اس حدیث کی مختلف روایات سے واقف تھے۔ مندرجہ ذیل بیان میں انھوں نے اس ضمن میں معمولی لفظی اختلافات کا بھی ذکر کیا ہے: ''میری ملاقات محرز بن ابی ہریرہؓ سے ہوئی تو میں نے ان سے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت بیان کی۔ انھوں نے کہا'' میں اپنے والد (ابوہریرہ) کی شہادت پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے یہ روایت جس طرح مجھ سے بیان کی بعینہٖ اسی طرح حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے یہ روایت تم سے بیان کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دجّال مشرق کی سمت میں ہے۔ پھر میری ملاقات قاسم بن محمد سے ہوئی اور

میں نے ان سے حضرت فاطمہؓ کی روایت بیان کی۔ انھوں نے کہا: ''میں حضرت عائشہؓ کی شہادت پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے وہی روایت بیان کی ہے جو فاطمہ بنت قیسؓ نے تم سے بیان کی ہے۔ البتہ حضرت عائشہؓ نے یہ بھی کہا تھا: ''مکّہ اور مدینہ کے حرم اس کے لیے ممنوع ہیں۔'' [77]

سفیان بن عیینہ کی روایت ہے: ''عبیداللہ بن ابی یزید نے ہم سے روایت کی کہ ان کے والد نے ان سے یہ بیان کیا تھا: ''میں حضرت امّ ایوبؓ کا مہمان ہوا، رسول اللہ ﷺ بھی ان کے مہمان تھے۔ امّ ایوب نے مجھے یہ حدیث سنائی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص کھانا تیار کیا، جس میں کچھ ترکاریاں بھی تھیں (پیاز اور لہسن)۔ انھوں نے آپؐ کے سامنے کھانا پیش کیا۔ آپ کو یہ کھانا پسند نہیں آیا۔ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا: اسے کھاؤ، میں تمہاری مانند نہیں ہوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں میرے رفیق (یعنی فرشتۂ وحی جبرئیلؑ) مجھ سے ناراض نہ ہو جائیں۔'' [78]

اس روایت پر بعد کے ادوار میں بھی عمل ہوتا رہا۔ طلبہ براہ راست اپنے اساتذہ سے احادیث کا سماع کرتے اور ان کی روایات کو محفوظ رکھتے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کتب کی صراحت کی ہے جن کا مطالعہ انھوں نے خدیجہ بنت ابراہیم البعلبکیہ کی نگرانی میں کیا تھا۔ اس بارے میں وہ رقم طراز ہیں: ''اور قاسم بن مظفر سے مسدّد کی **مسند** کا، گو براہ راست سماع کے ذریعہ نہیں اس کا اجازہ عبدالعزیز بن دلاف اور زہرہ بن محمد بن حاضر سے تھا، اور شہدہ سے عبدالعزیز کی سماعت ثابت ہے۔'' [79]

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہے کہ عبدالعزیز نے مسدّد کی **مسند** کی سماعت براہ راست شہدہ سے کی تھی۔ شہدہ کا شمار اس کے ممتاز راویوں میں ہے۔ ابن حجرؒ نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ ابراہیم بن محمد بن الخیر نے شہدہ سے براہ راست **أمالی أبی بکر أحمد النجار** کی سماعت کی تھی۔ [80] انھوں نے یہ بھی اطلاع دی ہے کہ نصر بن عبدالرزاق بن عبدالقادر، عبدالعزیز بن دلوف، محمد بن ابی البدر بن فتیان، ابراہیم بن محمود بن الخیر اور دیگر حضرات نے بھی شہدہ سے **مشیخہ شہدہ** کا سماع کیا۔ [81]

اساتذہ کے سامنے قرأت

شیخ یا شیخہ سے زبانی سماع کے اعلیٰ ترین مقام کے بعد درجہ ہے ان کے رؤ برو قرأت کا۔ بعد کے ادوار میں جب کتب اور ناقلوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا تو قرأت کا طریقہ زیادہ مقبول ہوا۔ کریمہ المروزیہ کے بارے میں ابن الجوزیؒ رقم طراز ہیں کہ خطیب البغدادی، ابن المطلب، سمعانی اور ابو طالب الزینی جیسے ائمہ نے ان کے سامنے قرأت کی۔ [82] سمعانی کے مطابق خطیب نے مکمل **صحيح البخاری** کی قرأت کریمہ المروزیہ کے سامنے پانچ دن میں کی۔ [83] اسی طرح ابو الوقت عبد الاول بن عیسیٰ بن شعیب الھروی نے **جزء بيبا بنت عبد الصمد الحرثمية** کی قرأت کریمہ کے سامنے کی۔ [84] ست الوزراء بنت المنجا کے تذکرے میں ذہبی رقمطراز ہیں: ''میں نے ان کے سامنے **صحيح البخاری** اور **مسند الشافعی** کی قرأت کی۔'' [85] محمد الوانی نے ان کے سامنے **ثلاثیات البخاری**، **صحيح البخاری** کی **کتاب التوحید** اور پھر مکمل **صحیح** کی قرأت کی۔ اس کے علاوہ میں نے ان کتب کی بھی قرأت کی: عبد الرحمٰن بن عمر بن نصر الدمشقی کی **فوائد** کا جزء خامس، 120 احادیث پر مشتمل **مسند الشافعی** کا ایک جزء، خطیب البغدادی کی **أمالی** کے تین حصے۔ [86] مزید برآں، ان کی موجودگی میں مجالس قرأت میں یہ حضرات شریک ہوتے تھے:

- ☆ احمد بن ابی بکر عبد الہادی [87]
- ☆ ابو ہریرہ بن الذہبی [88]
- ☆ علی بن محمد بن ابی المجد الدمشقی [89]
- ☆ فاطمہ بنت محمد بن المنجا التنوخیہ [90]
- ☆ محمد بن محمد بن علی صلاح الدین الزفتاوی [91]
- ☆ احمد بن عبد اللہ بن احمد بن الناصح الحنبلی [92]
- ☆ محمد بن عبد اللہ بن احمد الصامت [93]
- ☆ محمد بن عمر بن محمد الشافعی [94]

اسی طرح بہت سے علماء نے زینب بنت الکمال کے سامنے قرأت کی۔ [95] فاطمہ بنت محمد بن عبد الہادی کے بارے میں ابن حجر تحریر کرتے ہیں: ''میں نے ان کے سامنے متعدد کتب اور اجزاء کی قرأت صالحیہ میں کی۔'' [96] تقی الدین الفاسی نے بھی ان کے سامنے بہت سی

کتب کی قرأت کی۔[97]

خط وکتابت

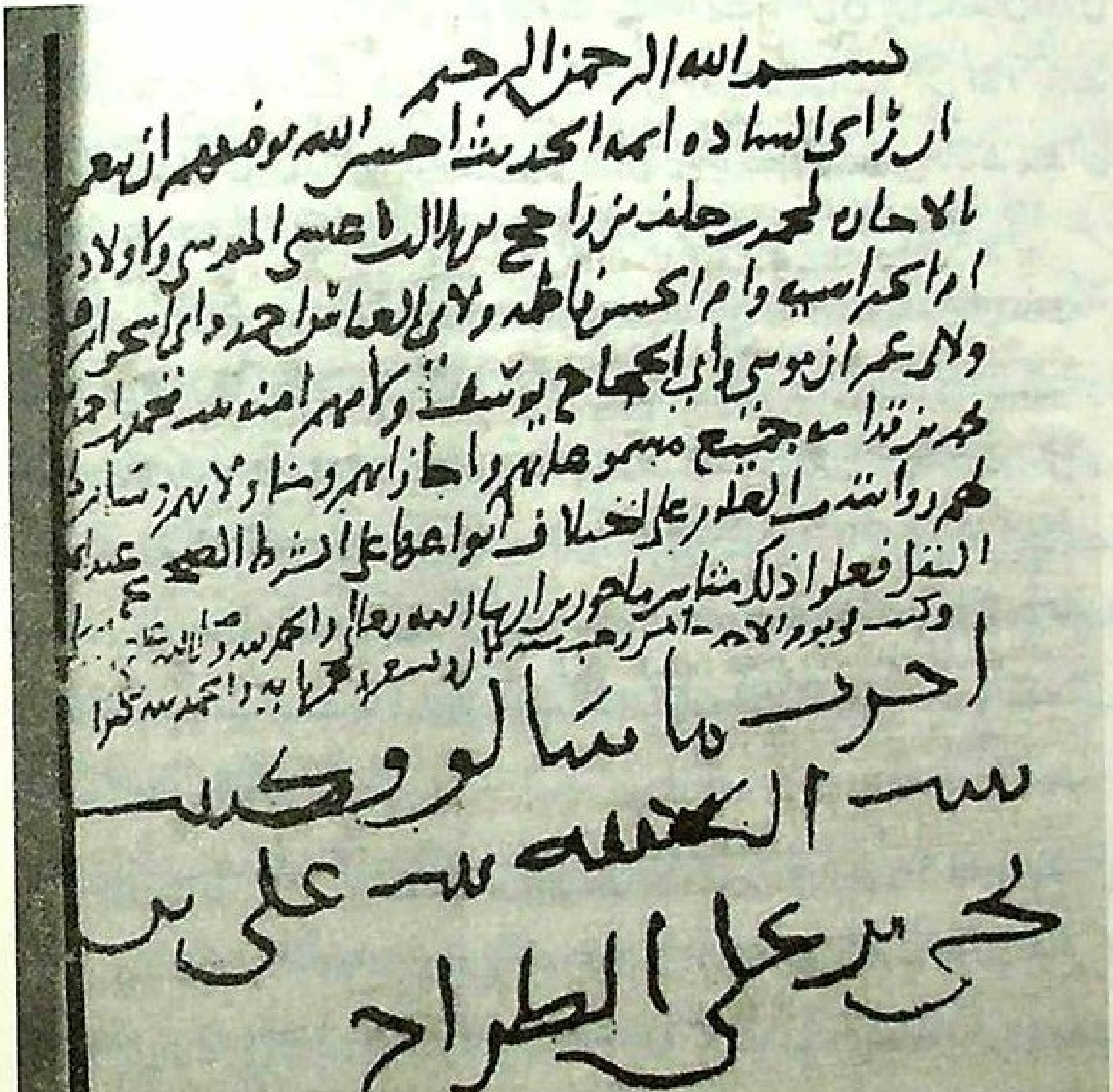
خط وکتابت کے ذریعہ بھی طلبہ نے محدثات سے احادیث حاصل کی ہیں۔ابتدائی دور کی ایک مثال یہ ہے کہ علماء نے سبیعہ الانصاریہ سے ان کی مروی حدیث کے متعلق خط وکتابت کی۔عامر ابن الشعبی کی روایت ہے کہ مسروق اور عمر بن عتبہ نے سبیعہ بنت الحارث سے ان کے معاملہ میں خط وکتابت کی۔اپنے جواب میں انھوں نے اپنی مروی حدیث کا یہ پس منظر بیان کیا:''میرے شوہر کے انتقال کے 25 دن بعد میرے ہاں ولادت ہوئی اور میری عدت ختم ہوگئی۔لیکن ابوالسنابل میرے پاس آئے اور انھوں نے مجھ کو بتایا کہ میں نے اس معاملے میں عجلت سے کام لیا اور مجھے چار مہینے دس دن کی معروف عدت گزارنا چاہیے تھی۔مجھے فکر ہوئی کہ کہیں مجھ سے غلطی تو نہیں سرزد ہوگئی۔میں رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور آپؐ سے معافی اور مغفرت کی درخواست کی۔آپؐ نے فرمایا:''بھلا ایسا کیوں؟'' میں نے آپؐ کو پورا واقعہ بتایا۔آپؐ نے مجھ سے کہا کہ میری عدت مکمل ہوگئی اگر مجھے مناسب رشتہ مل جائے تو میں نکاح کرلوں۔''[98]

احادیث حاصل کرنے کے لیے محدثات سے خط وکتابت کی روایت اسلام میں خاصی مستحکم ہے۔حافظ عبدالعظیم منذری نے متعدد محدثات اور عالمات کو خطوط تحریر کیے۔اس کا تذکرہ انھوں نے اپنی تصنیف **التکملة لوفیات النقلة** میں کیا ہے۔ایک اور مثال سیدہ بنت موسیٰ المارانیہ (م695) کی ہے۔وہ مصر سے شام منتقل ہوگئیں اور ذہبی کو ان سے براہ راست حدیث کی روایت نہیں پہنچی۔ان کو اس موقع کے ضائع ہونے کا بڑا ملال ہوا۔بعد میں خط وکتابت کے ذریعہ انھوں نے سیدہ سے احادیث حاصل کی۔[99]

اجازہ

اجازہ سے مراد جیسا کہ اس سے قبل واضح کیا گیا، علم حدیث اور سنت کی روایت اور ترسیل کا معروف طریقہ ہے۔بعد کے ادوار میں اسے قبول عام حاصل ہوا۔محدثات نے زبانی اور

تحریری طور پر اجازے دیے۔ ذیل میں ست الکتبہ بنت علی بن یحیٰی بن الطراح کے ایک اجازے کا عکس پیش کیا جارہا ہے۔


بسم الله الرحمن الرحيم

اجزت ما سألوه وكتبت
ست الكتبة بنت علي
بن يحيى بن علي
الطراح

اجازہ کے حصول کے لیے درخواست کو استدعا کہا جاتا تھا۔ اساتذہ اس استدعا پر اپنے اجازے مرحمت کردیتے۔ بعض صورتوں میں یہ استدعا صرف کسی ایک شیخ یا شیخہ کی خدمت میں پیش ہوتی۔ اوپر محمد بن خلف بن راجح کے اس استدعا کی عکسی نقل پیش کی گئی ہے، جس میں انھوں نے اپنے اور اپنے بیٹوں، بیٹیوں اور اہلیہ کے لیے اجازے کی استدعا کی ہے۔ اس کے جواب میں شیخہ نے تحریر فرمایا: ''جن کے لیے استدعا کی گئی میں نے انھیں اجازہ دیا۔'' تحریر پر

ان کے دستخط اس طور پر ثبت ہیں: ست الکتبہ بنت علی بن یحیٰ بن علی الطرّاح۔"[100]

عملی شکل یہی تھی کہ استدعا متعدد افراد کی جانب سے مختلف اساتذہ کی خدمت میں کی جائے۔ جن افراد کو یہ اساتذہ اجازہ مرحمت کرتے ان کے نام ایک دستاویز میں درج کر لیتے۔ بعض اوقات یہ طلبہ کے ناموں کی ایک طویل فہرست ہوتی۔ مثال کے طور پر دمشق میں 694 میں تحریر ایک استدعا کے جواب میں ام محمد زینب بنت احمد بن عمر المقدسیہ (م720) نے درج ذیل افراد کو اجازہ عطا کیا۔ یہ فہرست اپنی طوالت کے لحاظ سے دلچسپی کا باعث ہے:

اسماعیل بن ابراہیم بن سالم بن رکاب بن سعد الانصاری، اس کے بچے محمد، زینب اور عائشہ، اس کی ماں فاطمہ بنت عمر بن اسماعیل بن ابراہیم الحریزی، ان کے بھائی محمد اور علی، ان کی ماں مدللہ بنت ابی بکر بن معالی بن المختبر الشوبکی، اس کا بھائی محمد، اس کی بہن کی بیٹیاں ہاجر اور عائشہ، جو یوسف بن اسماعیل البعلی السمّان کی بیٹیاں تھیں، ابوبکر، محمد، زاہدہ اور نفیسہ، محمد بن محمود بن ابی الفتح الطحاوی کے بچے اور ان کی بہن دنیا۔

علی اور ست الرضا، احمد بن علی بن محمد الادمی کے بچے۔

عظیم محدث عالم الدین ابوالقاسم بن بہاء الدین محمد بن یوسف بن محمد البرزالی، اس کے والد کے غلام بلبل بن عبداللہ۔

علی بن ابراہیم الخباز کے دونوں بچے محمد اور زاہدہ، شامہ کے بچے محمد احمد اور فاطمہ۔

فخر الدین عمر بن الج یوسف بن طالب العربیلی، اس کی بہنیں دیفہ، خدیجہ اور ست النسب: خدیجہ کے بچے محمد، علی اور ملوک (الج العربیلی کے بچے)؛ دیفہ کے بچے محمد ست الجمیع اور آسیہ (محمد العربیلی کے بچے)۔

شرف الدین علی بن عبداللہ السراج کے بچے محمد اور فاطمہ۔

ابوالعبّاس احمد بن مظفر بن محمد النبلوسی۔

ابوبکر بن احمد بن عمر الخباز۔

فاطمہ بنت محمد بن نصر المقدیسی المؤذّن، اس کی ماں نفیسہ بنت ابراہیم بن سالم الانصاری، اس کا بھائی ابوبکر احمد بن ابراہیم۔

عبدالرحمٰن بن یوسف بن عبدالرحمٰن بن یوسف المزّی۔

احمد بن قاضی القضاۃ شرف الدین حسن بن شرف الدین ابی بکر عبداللہ بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامہ المقدسی۔

محمد بن حسن المزدانی الخیاط، اس کی ماں آمنہ بنت احمد بن نصراللہ بن عمر بن الرکاب الشاغوری۔

عبدالرحمٰن بن احمد بن عبدالرحمٰن المنجّا۔

صلاح الدین محمد بن علی الشہرزوری کے بیٹے علی اور ابوبکر۔

یوسف بن محمد بن یوسف بن یحییٰ بن محمد بن علی بن محمد بن یحییٰ القراشی۔

احمد بن عبدالبرّ بن محمد بن الحسین بن رزین الحموی الشافعی۔

محمد بن احمد بن اسماعیل بن احمد بن ابراہیم الشرائحی۔

محمد بن عمر بن محمد بن عمر بن الحسوب کے بیٹے عمر اور محمد، ان کے غلام مسعود بن عبداللہ، ان کی چچی زینب اور خاتون (البدر حسن بن بلبن السلوقی کی بیٹیاں)۔

محمد بن یحییٰ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن القویرہ الحنفی السلمی۔

محمد بن علی بن عبداللہ، دارالحدیث الظاہریّہ کے متولّی۔

محمد بن علی بن عبدالعزیز الانصاری الزجّاج اور اس کی بہنیں جو ان کے ساتھ رہتی تھیں۔

مروان بن عبدالرحمٰن بن مروان النجّار۔

محمد بن عمر بن یونس النجّار۔

محمد بن احمد بن عمر۔

محمد بن احمد بن یونس، محمد بن ایدّیق بن علی بن عبد الجبار، اس کی بہن دیفہ اور اس کی بہنیں جو اس کے ساتھ رہائش پذیر تھیں۔

محمد بن محمود بن محمد بن علی بن عبد الجبار احمد بن داؤد بن علی الدمشقی۔

محمد بن محمد بن عبداللہ۔

عزّ الدین ایبک بن عبداللہ الرشیدی الصالحی کے بیٹے محمد اور علی۔

احمد بن محمد بن عمر التاجر۔

علاء الدین علی بن محمد بن معتوق الشافعی المؤدّب بن اللحام اور اس کے باحیات بچے، عماد الدین احمد کے بچے محمد، علی اور احمد اور ان کی بہنیں جو ان کے ساتھ رہتی تھیں۔

محمد بن غازی بن محمد۔

حسن بن ابراہیم الدقّاق۔

علی بن عمر بن عمر۔

محمد بن یوسف بن عامر التدمری۔

محمد بن عبد الرحمٰن الموصلی اور اس کی بہن۔

محمد بن اقوش بن عبداللہ القباقبی۔

محمد بن عبد الحامد بن عبد الرحیم المحدث اور اس کے باحیات بھائی، ان کے عم زاد محمد بن احمد بن عبد الرحیم اور اس کے بھائی اور بہنیں۔

علی بن الشجاع علی بن عبد الرحیم اور اس کا بھائی، محمد بن عبد الرحیم بن عمر الحلبی۔

محمد بن مجاہد بن محمد الصحر اوی۔

محمد بن احمد بن محمد الصحر اوی۔

علاء الدین الزہری کا غلام ازبک بن عبداللہ۔

داؤد بن خزیمہ الخبّاز کے بچے محمد، احمد اور علی۔

یقظان بن غزوان الدقاق السمتی کے بیٹے محمد اور علی۔

ابوبکر بن محمد بن ابراہیم السمتی الخبّاز۔

احمد بن محمد بن احمد۔

احمد بن ابوبکر بن محمد الدقاق۔

ناصر بن صالح الشوی کے بیٹے محمد اور علی۔

احمد بن عمر بن شرف الدقاق۔

احمد بن محمد کے بیٹے موسیٰ اور محمد۔

موسیٰ الحمیدی کے بیٹے محمد اور علی۔

محمد بن احمد بن محمد الحمیدی۔

ابوبکر بن احمد بن محمد الدقاق۔

علی بن محمد بن عبدالغنی الحربی، یوسف بن محمد بن ابراہیم التاجر۔

احمد بن محمد بن علی النساج۔

احمد بن یوسف بن احمد السمان۔

احمد بن عبدالرحمٰن بن احمد بن عبدالرحمٰن المقدسی۔

محمد بن علی بن علی الفامی۔

احمد بن معتوق بن احمد الحمامی۔

علی بن محمد بن احمد الخیاط۔

محمد بن علی بن عبدالرحمٰن العطّار۔

محمد بن حسن بن علی النساج۔

ابراہیم بن شرف بن یعقوب الدمشقی۔

منصور بن محمد بن عثمان فاخوری۔

احمد بن ابی بکر بن محمد الجاموس۔

علی بن عبدالرحمٰن بن علی الطحاوی۔

محمد بن علی بن عبدالقاضیر القطّان۔

ابوبکر بن محمد بن ابراہیم الدمشقی۔

محمد بن محمود بن احمد الدمشقی۔

محمد بن عبدالمجیب بن ابی الفتوح الحریری۔

علی بن حسن بن عبداللہ الجمال۔

عمر بن محمد بن علی النساج۔

احمد بن محمد الموصلی الجندی کے بیٹے احمد اور حسن۔

عمر بن عثمان بن الشہاب احمد الخشّاب۔

ابراہیم بن یحییٰ بن ابراہیم التیّاح۔

محمد بن علی بن محمد۔

ابراہیم بن احمد بن ثمالہ بن منہال المعربد۔

العزّ عمر بن حسن بن عبداللہ بن حبیب التاجر۔

یوسف بن شمس الدین محمد بن تمام الدمشقی المعذّن۔

فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن امین الدین محمد بن ابی بکر الدمشقی، اس کی بہن فاطمہ۔

کمال الدین علی بن القلانیسی کے بیٹے محمد اور نصر اللہ، ان کی بہن زاہدہ۔

محمد بن بدر الدین لؤلؤ بن عبداللہ المبازری، اس کی بہن عائشہ۔

امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن یوسف البعلی، اس کے بچے، شمس الدین محمد بن ابی الفتح کے بیٹے محمد اور احمد۔

الحاج احمد بن عمر بن عثمان الدمشقی الانصاری کے بچے عمر، علی اور فاطمہ۔

ابراہیم بن محمد بن یوسف المقری۔

فاطمہ بنت الجمال یوسف بن یعقوب الغمری المالکی، اس کی بہن زینب بنت سراج بن محمد بن سعود المشعرانی۔

شمس الدین محمد بن ابراہیم المہندس، اس کے بیٹے عبدالرحمٰن اور عبداللہ۔

شہاب الدین احمد بن اسامہ بن کوکب الطائی السوادی کے بچے عبدالرحمٰن اور خدیجہ، ان کے والد۔

شیخ عفیف الدین محمد بن عبداللہ بن الحسین الاربلی الشافعی کے بچے محمد اور امۃ الرحمٰن۔

امام جمال الدین ابراہیم بن علی بن شاور الحمیری العدوی کے بچے محمد، فاطمہ اور زینب۔

شیخ فتح الدین احمد بن عبدالواحد بن عبدالکریم الانصاری الزملکانی کے بیٹے حسن اور علی۔

محمد بن شرف الدین محمد۔

خدیجہ بنت الرئیس جمال الدین احمد بن محمد بن محمد بن نصر اللہ بن القلانیسی ۔

سلیمان بن شمس الدین محمد بن جمال الدین عبد الکافی بن عبد المالک بن عبد الکافی الشافعی۔

محمد بن عزّ الدین عبدالعزیز بن محمد بن عبدالحق بن خلف۔

محمد بن علاء الدین علی بن محمد بن غالب الانصاری۔

محمد بن ناصر الدین محمد بن ابراہیم بن عبدالغنی الانصاری بن البعلبکّی ۔

شہاب الدین محمد بن تاج الدین علی بن ابی بکر الفاخوری الرقّی ۔

محمد بن شرف الدین احمد بن ابراہیم الفز اری۔

اسماعیل بن القاضی نجم الدین اسحاق بن اسماعیل قاضی الرحبہ، احمد، علی اور ان کی باحیات اولاد (عماد الدین اسماعیل بن ابراہیم بن سلمان بن غنیم کے بچے)۔

ابو بکر بن الحسین بن احمد بن القاضی الفاضل ابی علی کے بیٹے محمد اور عبداللہ۔

شیخ مجد الدین ابو اسحاق ابراہیم بن ابی بکر بن ابراہیم الجزری کے بیٹے شمس الدین محمد، شہاب الدین احمد، عبداللہ اور اسماعیل۔ [101]

روایات اور تدریس کی مجالس

محدثات روایت اور تدریس کی مجالس اپنے مکان یا دوسروں کے مکانوں میں منعقد کرتی تھیں، یا پھر یہ مجالس مساجد، مدارس اور دیگر مقامات پر منعقد ہوتیں، مثلاً رباط یا باغات میں۔ ان کا انعقاد حسب سہولت ہوتا تھا۔ خواتین کی ان مجالسِ تدریس پر میرے علم کی حد تک صحابہ یا

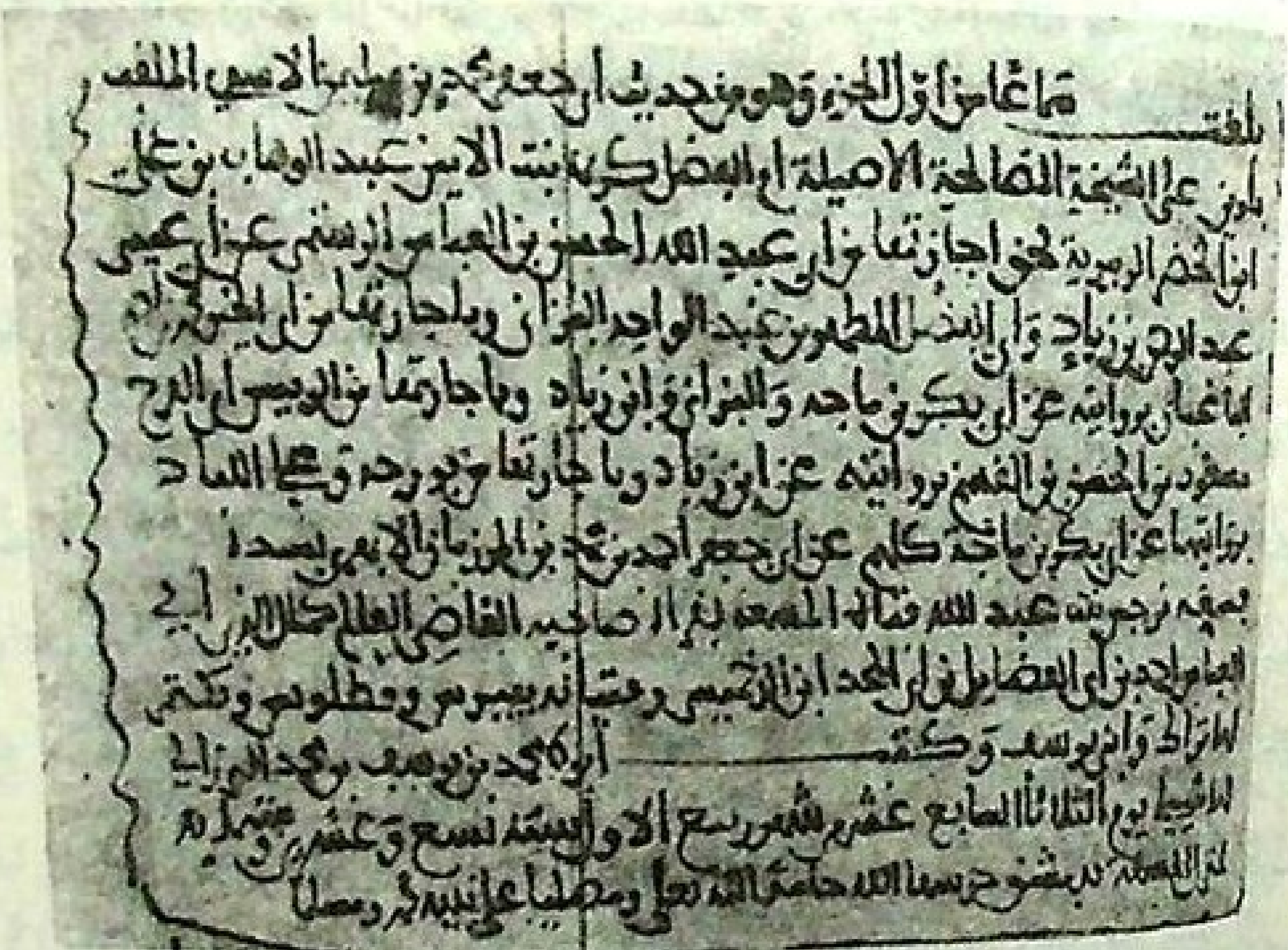
فقہایا متأخر محدثین نے کوئی قدغن عائد نہیں کی، بلکہ اس کے برعکس ان مجالس میں فقہاء اور علماء شریک ہوا کرتے تھے۔[101]

مکانات

امّ المومنین حضرت عائشہؓ کی مجالس درس ان کے اپنے مکان میں ہوتی تھیں اور بصرہ میں عبداللہ بن خلف کے مکان پر، جہاں وہ صفیہ بنت حارث بن طلحہ بن ابی طلحہ العبر دی کی مہمان ہوتی تھیں۔ اسی طرح دیگر ازواج مطہرات اور صحابہ اپنے اپنے مکانوں میں درس دیتے تھے۔ یہ روایت بعد میں بھی برقرار رہی۔ چھٹی صدی کی محدثات میں فاطمہ بنت علی بن الحسین اپنے مکان میں درس دیا کرتی تھیں۔ ابن عساکر ان کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ انھوں نے ان سے احادیث اخذ کیں۔ ان سے حدیث روایت کرنے سے قبل وہ یہ صراحت کرتے ہیں کہ امّ ابیہ فاطمہ بنت علی بن الحسین نے یہ روایت ہم سے اپنے مکان میں بیان کی۔ اس وقت میں ان کے سامنے قرأت کر رہا تھا۔"[102] حافظ ضیاء الدین المقدسی رقم طراز ہیں: "اصفہان میں 4 یا 5 صفر 599 میں مَیں نے **فوائد الحج** کے اجزاء اول، دوم اور سوم کی سماعت امّ الفخر جمعہ بنت ابی سعد رجاء بن ابی نصر الحسین بن سالم الاصبہانیہ سے ان کے مکان میں کی۔"[103] محمد بن یوسف بن محمد البرزالی تحریر کرتے ہیں: "صالحہ شیخہ امّ الفتیان حنتمہ بنت الشیخ ابی الفتح المفرج بن علی بن مسلمہ سے **الفوائد المنتقاۃ و الغرائب الحسان عن الشیوخ العوالی المعروف بالخلعیات** کے جزو ششم کا مطالعہ میں نے شیخہ کے مکان پر 18 جمادی الاول 630 میں دمشق میں کیا۔"[104] زینب بنت العالم احمد بن کامل بن عمر المقدسی (م 687) کے احوال میں یہ درج ہے کہ ابن رشید نے ان کے مکان قاسیون میں 684 میں ان سے حدیث اخذ کی۔[105] زینب بنت موفق الدین عبداللطیف اللغوی کے بارے میں ابن رشید رقم طراز ہیں: "میں نے یک شنبہ 29 رجب 689 کو امّ الفضل کے مکان پر ان کو **حدیث ابن اسحاق ابراهیم بن الحسین بن الفرج الهمذانی** کا ایک جزو سنایا۔[106]

زینب بنت عبداللہ بن عبدالجبار المقدسیہ کی موجودگی میں چہارشنبہ 23 شعبان 718 کو

حدیث عبد الوهاب الکلابی کا مطالعہ کیا گیا۔[107] ابو سعید المفضل بن محمد بن ابراہیم الجندی الیمانی (م308) کی فضائل المدینة ام احمد خدیجہ بنت احمد بن عبد الدائم المقدسی کے سامنے ان کے بھائی کے مکان پر سہ شنبہ 12 ربیع الآخر 683 کو پڑھی گئی۔[108] زینب بنت اسماعیل بن الخباز کے ایک شاگرد احمد بن سعید بن عمر الصوفی کے مکان پر چہار شنبہ 24 جمادی الآخر 744 کو زینب کے سامنے حدیث هبة الله الاكفانی کا مطالعہ کیا گیا۔[109]



مذکورہ بالا تحریر حدیث لوین کے سماع کے بارے میں ہے۔ اس میں استاد کے طور پر نام شیخہ، صالحہ، الاصیلہ ام الفضل کریمہ بنت الامین عبد الوہاب بن علی بن الخضر الزبیریہ کا درج ہے۔ اس کے بعد ان کی اسناد کا سلسلہ کتاب کے مصنف سے ثابت کیا گیا ہے۔ مرد اور خواتین شرکاء کی فہرست اور اس مجلس کی تاریخ اور مقام مرقوم ہیں۔ یہ درس ام الفضل کے مکان پر دمشق میں سہ شنبہ 17 ربیع الاول 629 کو ہوا تھا۔[110]

مساجد

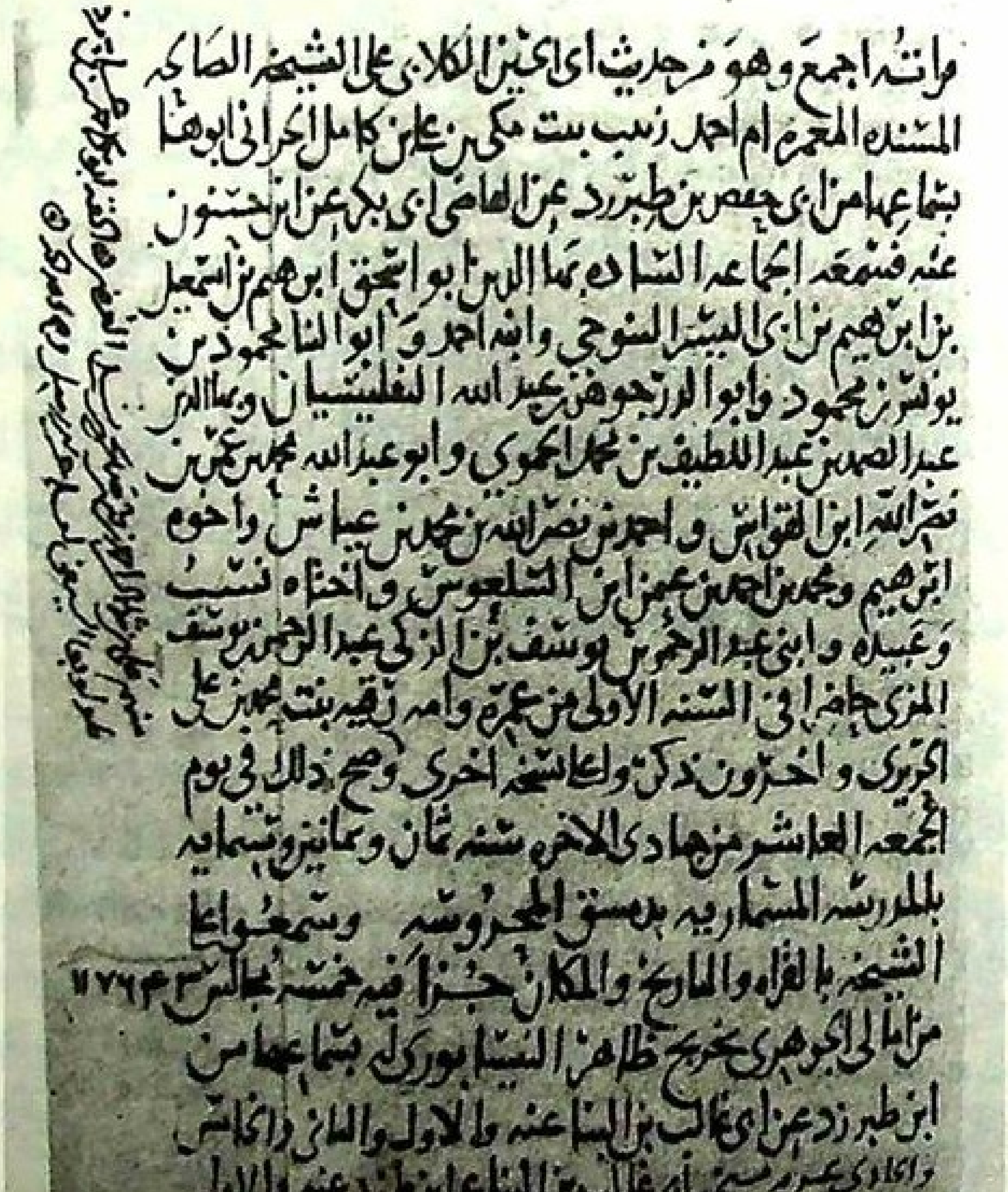
محدثات کی مجالسِ درس مساجد میں بھی ہوتی تھیں۔ دمشق اور یروشلم کی مساجد میں ام الدرداء

کی تدریس معروف ہے۔ ان مجالسِ درس میں مرد اور خواتین فقہاء اور محدثین شریک ہوتے تھے، حتیٰ کہ خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان پابندی سے ان مجالس میں شامل ہوتا۔ ایک اور روشن مثال عابدہ اور زاہدہ شیخہ امّ الخیر فاطمہ بنت ابراہیم بن محمد بن جوہر البعلبکی البطائحی (م711) کی ہے۔ ذہبی ان کے تذکرے میں رقم طراز ہیں: ''امّ الخیر نے **صحیح البخاری** کا سماع ابن الزبیدی سے، **صحیح مسلم** کا ابوالثناء محمود بن الحصیری سے کیا۔ وہ ابوالقاسم بن رواحہ کی بھی شاگرد تھیں۔ انھوں نے طویل عمر پائی اور ان کی مرویات معتدبہ ہیں۔[111] حافظ ابن القیم نے علم حدیث کا اکتساب ان سے کیا۔[112] ذہبی کا قول ہے: ''میرے بیٹے سبکی، سراج الدین ابن الکویک، تقی بن ابی الحسن اور متعدد طلبہ نے ان سے کسبِ فیض کیا۔''[113] انھوں نے مسجد نبوی، مدینہ منورہ میں درس حدیث دیا۔ ابن رُشید کی روایت ہے: ''وہ شامی قافلے کے ہمراہ بطور زائرآئیں۔ میری ان سے ملاقات مسجد نبوی میں ہوئی۔ میں نے ان کو مدفن رسول کی دیوار کا سہارا لے کر درسِ حدیث میں مشغول دیکھا۔ انھوں نے میرے اور دیگر افراد کے لیے اجازے بقلم خود تحریر کیے۔''[114] ابن رُشید نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ انھوں نے بعض احادیث فاطمہ سے اخذ کیں۔ ایسے مقدس اور متبرک مقام پر تدریسِ حدیث امتِ مسلمہ میں ان کے بارے میں عزت اور احترام پر دلالت ہے۔ ان کو قابل رشک حد تک احترام اور اکرام حاصل تھا۔ دمشق میں خواتین متعدد مساجد میں درس دیتی تھیں، مثال کے طور پر الجامع المظفری (جامعہ الحنابلہ) اور جامع بنی امیہ میں حافظ ابن ناصر الدین دمشقی، عائشہ بنت عبدالہادی (م816) کے بارے میں رقم طراز ہیں: ''مسجد بنوامیہ میں ان کا تقرر بحیثیت استاد حدیث ہوا تھا۔''[115]۔

مدارس

عالمات مدارس میں بھی درس دیا کرتی تھیں۔ ان کی مجالس درس میں علم حدیث کے طلبہ اور طالبات دونوں شامل ہوتے۔ اس باب میں مآخذ کثیر بھی ہیں اور واضح بھی۔ ابوالقاسم حمزہ بن محمد بن علی الکنانی (م357) کی **مجالس البطاقة** کی قرأت زینب بنت الکامل کی موجودگی میں پنج شنبہ 28 صفر 733 کو مدرسہ المسماریہ میں ہوئی۔[116] اسی مدرسہ المسماریہ میں 19

طلبہ کی ایک جماعت کے سامنے 688 میں دمشق میں بکر بن احمد الشیر ازی کی حدیث کی سماعت زینب بنت مکّی الحرّانی کی موجودگی میں ہوئی۔[117] حنبل بن اسحاق الشیبانی (م273) کی کتاب الفتن کی قرأت 16 طلبہ کی جماعت کے سامنے شنبہ 16 ربیع الاول 699 میں مدرسہ الحنابلہ میں کی گئی۔[118] سہ شنبہ 4 محرم 793 کو المدرسہ الخاتونیہ میں عائشہ بنت سیف الدین کے سامنے ابوبکر قوالیجی کی فوائد ابی احمد الحاکم کا مطالعہ کیا گیا۔[119]


قرأته اجمع وهو من حديث ابي الحسين الكلابي على الشيخة الصالحة
المسندة المعمرة ام احمد زينب بنت مكي بن علي بن كامل الحراني ابوها
بسماعها من ابي حفص بن طبرزد عن القاضي ابي بكر عن ابن خشنون
عنه فسمعه الجماعة السادة بها الدين ابو اسحق ابرهيم بن اسمعيل
بن ابرهيم بن ابي اليسر التنوخي وابنه احمد و ابو الثنا محمود بن
يونس بن محمود وابو الرجا وهو عبد الله البعلبكيان وبها الدين
عبد الصمد بن عبد اللطيف بن محمد الحموي وابو عبد الله محمد بن عثمن بن
نصر الله ابن القواس و احمد بن نصر الله بن محمد بن عياش واخوه
ابرهيم ومحمد بن احمد بن عثمن ابن السلعوس و اخناه نسب
وعبيده و ابني عبد الرحمن يوسف بن الزكي عبد الرحمن يوسف
المزي جاعلا في السنة الاولى من عمره وامه رقية بنت محمد بن علي
الحريري و اخرون ذكرو ولهم نسخة اخرى وصح ذلك في يوم
الجمعة العاشر من جمادى الاخرة سنة ثمان وثمانين وستمائة
بالمدرسة المسمارية بدمشق المحروسة وسمعوا على
الشيخة بالقراءة والتاريخ والمكان جزءا فيه خمسة مجالس
من امالي الجوهري تخريج ظاهر النيسابوري لها بسماعها من
ابن طبرزد عن ابي غالب بن البنا عنه والاول والثاني والخامس
والحادي عشر من مشيخة ابي غالب بن البنا عن ابن طبرزد عنه والاول
والسابع من امالي القاضي عن ابن طبرزد عنه

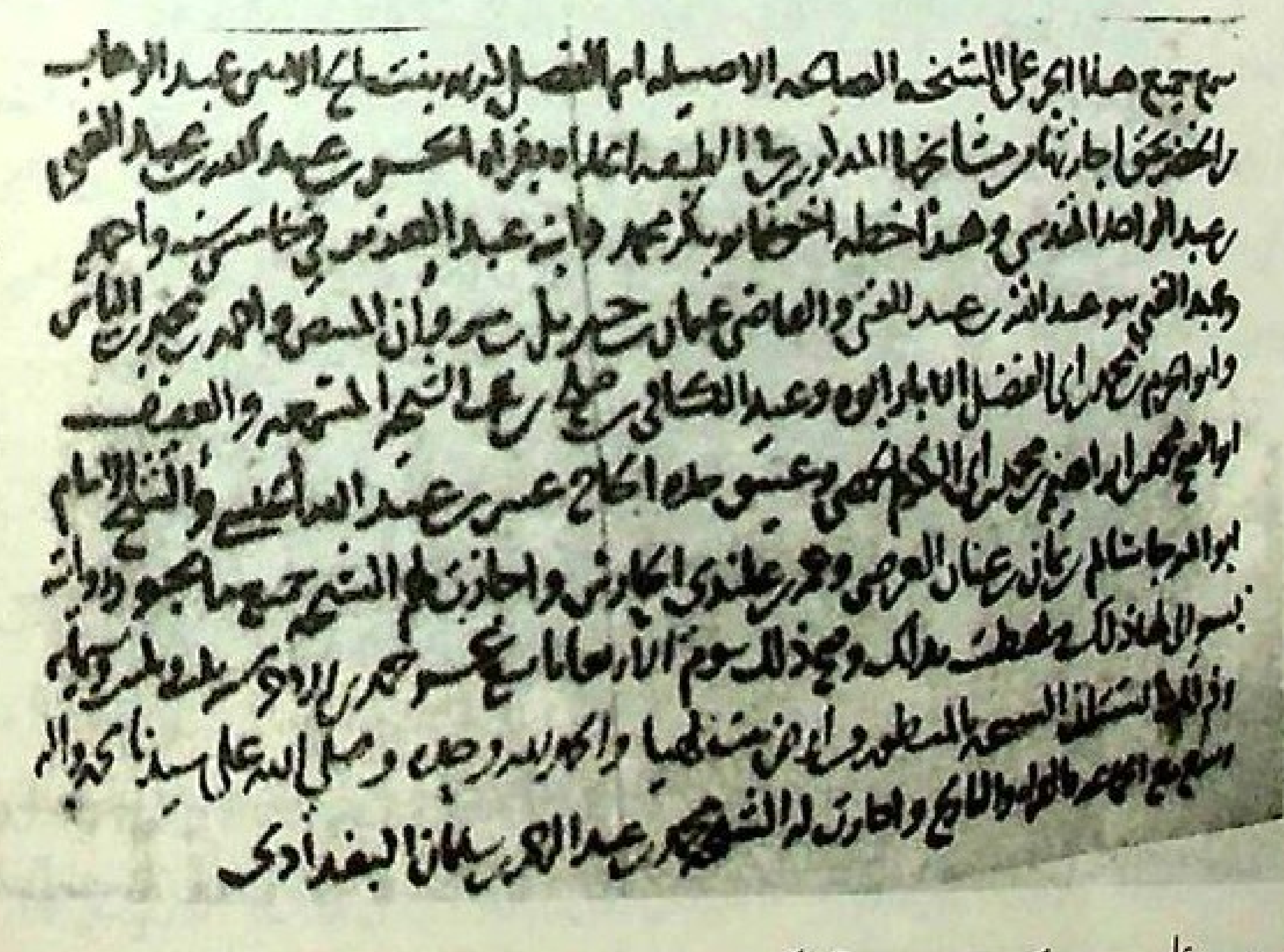
ذیل میں حدیث ابی الحسین الکلابی کی سماع کے بارے میں ایک واضح دستاویز کی نقل درج ہے۔ اس سماع میں بطور استاذ شیخہ، عابدہ اور زاہدہ اور عالی اسناد کی حامل معمر امّ احمد زینب

بنت مکّی بن علی بن کامل الحرانی تھیں۔[120]

وہ ان اساطین علم وفضل کی استاد تھیں: مزنی، ابن تیمیہ، ذہبی، البرزالی وغیرہ۔ مذکورہ بالا دستاویز میں کتاب کے مصنف اور امّ احمد کے مابین اسناد بھی درج ہیں، اور اس مجلس کے شرکاء کے نام بھی۔ یہ صراحت بھی ہے کہ أمالی الجوھری پر پانچ مجالسِ درس ہوئیں۔ اس میں جمعہ 10 جمادی الاخری 688 کی تاریخ مذکور ہے اور مقام المدرسۃ المسماریہ، دمشق بیان کیا گیا ہے۔ حاشیہ پر ایک ساقط نام کا اضافہ ہے اور ایک اور شخص کی جانب سے اس اضافے کی توثیق ہے۔

دیگر مقامات

ماخذ میں یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ خواتین کی مجالس درس رباطوں اور باغوں میں بھی منعقد ہوتی تھیں۔[121] مثال کے طور پر ابو عمر عثمان بن محمد بن احمد بن محمد السمر قندی (م345) کی حدیث کا سماع رباط ابن قلانسی، قاسیون میں سہ شنبہ یکم ذوالحجہ 743 میں زینب بنت الکمال کی موجودگی میں ہوا اور اس مجلس میں 31 طلبہ نے شرکت کی۔[122] ان ہی کے سامنے حنبل بن اسحاق کے جزو کا مطالعہ دمشق کی ایک رباط میں 733 میں ہوا۔ جس میں کثیر



تعداد میں طلبہ شامل ہوئے۔[123] ابو علی الحسن بن احمد بن ابراہیم بن شاذ (م426) کی حدیث کا سماع رباط بلدق، دمشق میں 722 میں زینب بنت الخطیب محب الدین الحرستانی کی موجودگی میں ہوا۔[124] حسن بن محمد الخلال کی **کرامات الأولیاء** کا مطالعہ قاسیون کی ایک رباط میں 723 میں ست الفقہاء الواسطیۃ کے سامنے کیا گیا۔[125]

مسند عبد اللہ بن عمر کی قرأت شیخہ عظیم اور مشہور محدثہ کریمہ بنت عبد الوہاب الزبیریۃ (م641) کے باغ میں 639 میں ہوئی۔[126]۔زینب بنت الکمال کی موجودگی میں **کرامات الأولیاء** کا مطالعہ امین الدین الوانی کے الازہ کے قطعۂ زمین پر 728 میں ہوا۔[127] ابو جعفر محمد بن سلیمان المصصی (م245) کی **حدیث لوین** کا سماع المیطور، بیت لہیاء میں ایک باغ میں 633 میں امّ الفضل بنت امین عبد الوہاب بن علی بن الخضر الزبیریۃ کی موجودگی میں ہوا۔ ذیل میں اس سماع سے متعلق دستاویز کا عکس دیا جارہا ہے، جس میں ان امور کی صراحت کی گئی ہے: شیخہ کا اسم گرامی، مصنف سے ان کے اسناد کی تفصیل اور مرد اور خواتین شرکاء مجلس کے نام- دستاویز میں یہ بھی مذکور ہے کہ استدعا پر شیخہ نے شرکاء مجلس کو زبانی طور پر اجازہ عطا کیا۔ یہ مجلس سماع چہار شنبہ، 19 جمادی الاول 633 کو بیت لہیاء، میطور کے ایک باغ میں منعقد ہوئی تھی۔[128]

حواشی

1۔ ذہبی، **سیر أعلام النبلاء**، جلد 23، ص 133۔

2۔ المزّی، **تہذیب الکمال**، جلد 35، ص 33-228۔

3۔ ایضاً، ص 317۔

4۔ ایضاً، ص 154۔

5۔ ایضاً، ص 313۔

6۔ ابن عبد البرّ، **الاستیعاب**، جلد 2، ص 726۔

7۔ ابن بشکوال (م578)، **غوامض الأسماء المبہمۃ**، جلد 1، ص

272-73۔

8۔ ابن حجر، الاصابة فی تمييز الصحابة، جلد 4، ص 299۔

9۔ ابن الاثیر، اُسد الغابه، جلد 7، ص 190۔

10۔ المزّی، تهذیب الکمال، جلد 35، ص 236۔

11۔ خطیب البغدادی، تاریخ بغداد، جلد 14، ص 432۔

12۔ ایضاً، ص 443۔

13۔ ابوداؤد، سنن، صلاة، باب متیٰ يؤمرُ الغلام بالصلاة۔

14۔ ابن حجر، تهذیب التهذیب، جلد 12، ص 475۔

15۔ المزّی، تهذیب الکمال، جلد 35، ص 159۔

16۔ البخاری، صحیح، لباس، باب الوصل فی الشعر؛ مسلم، صحیح، لباس، باب تحریم فی الواصلة و المستوصلة والواشمة؛ النسائی، سنن، زینت، باب لعن الواصلة و المستوصلة؛ ابن ماجہ، سنن، نکاح، باب الواصلة والمستوصلة۔

17۔ البخاری، صحیح، ذبائح، باب النحر و الذبح؛ مسلم، صحیح، الصيد و الذبائح، باب فی أكل لحوم الخيل؛ النسائی، سنن، الضحایا، باب الرخصة فی نحر ما يذبح؛ ابن ماجہ، سنن، ذبائح، باب لحوم الخيل۔

18۔ البخاری، صحیح، زکوٰۃ، باب التحريض على الصدقة؛ مسلم، صحیح، زکوٰۃ، باب حث على الانفاق و كراهة على الاحصاء؛ النسائی، سنن، زکوٰۃ، باب الاحصاء فی الصدقة۔

19۔ البخاری، صحیح، طهاره، باب من لم يتوضأ الّا من الغشى المثقل؛ مسلم، صحیح، باب ما عرض علیٰ النبی ؐ فی صلوٰة الكسوف۔

20۔ عبدالقادر القرشی، الجواهر المضيئة فی طبقات الحنفية، جلد 4، ص 4۔

21. الشوکانی، البدر الطالع، جلد 2، ص 24۔

22۔ الحبشی ،معجم النساء الیمنیّات،ص149۔
23۔ مسلم، صحیح، طہارہ، باب حکم بول الطفل الرضیع و کیفیّة غسله۔
24۔ ایضاً، صلاه، باب أمر الأئمة بتخفیف الصلاة فی تمام۔
25۔ الحاکم، مستدرک، جلد4، ص265۔
26۔ الوشّا، الظرف و الظرفاء، ص54۔
27۔ ابونُعیم الاصبہانی، حلیة الأولیاء، جلد2، ص256۔
28۔ بحشل، تاریخ واسط، ص109۔
29۔ البخاری، صحیح، احادیث الانبیاء، باب قصّة یاجوج و ماجوج، فتن، باب ویلٌ للعرب من شرٍّ قد اقترب ؛ مسلم، صحیح، فتن و اشراط الساعة، باب اقتراب الفتن ؛ ابوداوٗد، سنن، الفتن و الملاحم، باب ذکر الفتن و دلائلها ؛ الترمذی، جامع، فتن، باب ما جاء فی خروج یاجوج و ماجوج؛ ابن ماجہ، سنن، فتن، باب ما یکون من الفتن ؛ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، تراجم النساء، ص 71-72۔
30۔ ابوداوٗد، سنن، صلاة، باب مقام الامام من الصفّ۔
31۔ المزّی، تهذیب الکمال، جلد35، ص132-131۔
32۔ ابن ماجہ، سنن، ادب، فضل لا اله الّا اللّٰه۔
33۔ المزّی، تهذیب الکمال، جلد35، ص180۔
34۔ ابونُعیم، حلیة الاولیاء، جلد3، ص49۔
35۔ ابوداوٗد، سنن، خراج، باب فی اقطاع الارضین۔
36۔ ایضاً، لباس، باب فی اهاب المیتة۔
37۔ المزّی، تهذیب الکمال، جلد35، ص242۔
38۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، تراجم النساء، ص432۔

39۔ ابن کثیر، البداية و النهاية، ص82۔
40۔ الذھبی، سیر أعلام النبلاء، جلد 4، ص279۔
41۔ ایضاً، جلد 4، ص278۔
42۔ ایضاً۔
43۔ ابوطاہر، معجم السفر، ص83۔
44۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، تراجم النساء، ص433۔
45۔ ایضاً، ص428۔
46۔ ایضاً، ص433۔
47۔ ابوزرعہ الدمشقی، التاریخ، جلد 1، ص333۔
48۔ البخاری، الأدب المفرد، باب الكتابة الى النساء و جوابهن۔
49۔ ابن حجر، الدرر الكامنة، جلد 2، ص129۔
50۔ ابن کثیر، البداية و النهاية، ص79۔
51۔ ذہبی، معجم الشيوخ، جلد 1، ص292۔
52۔ ذہبی، الجزء المفقود من سير أعلام النبلاء، ص421۔
53۔ ابن حجر، الدرر الكامنة، جلد 2، ص117۔
54۔ ابن رافع، الوفيات، جلد 1، ص318۔
55۔ المزّی، تهذيب الكمال، جلد 35، ص355۔
56۔ ذہبی، معجم الشيوخ، جلد 1، ص258۔
57۔ ایضاً، جلد 1، ص290۔
58۔ ذہبی، سير أعلام النبلاء، جلد 5، ص11۔
59۔ ایضاً، جلد 2، ص44-243۔
60۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، تراجم النساء، ص431۔
61۔ ایضاً، جلد 39، ص452۔

62۔ ایضاً، تراجم النساء، ص435۔

63۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، جلد 4، ص279۔

64۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، تراجم النساء، ص430۔

65۔ السخوی، الضوء اللامع، جلد 12، ص52۔

66۔ ذہبی، تاریخ الاسلام (580-571)، ص146۔

67۔ المنذری، تکملة لوفیات النقلة۔ اس میں شھدہ کے طلبہ کا تذکرہ ہے۔

68۔ مطیع الحافظ، الجامع المظفری، ص46-445۔ مخطوطہ۔ M105-Q239۔

69۔ مسلم، صحیح، طلاق، باب وجوب الاحداد فی عدّة الوفاة وتحریمه فی غیر ذلک الّا ثلاثة ایّام؛ النسائی، سنن، طلاق، باب عدّة المتوفّیٰ عنها زوجها؛ ابن ماجہ، سنن، طلاق، باب هل تحدّ المرأة علی غیر زوجها۔

70۔ البخاری، صحیح، صلاہ، باب الاذان بعد الفجر، باب الرکعتین قبل الظهر، باب التطوّع بعد المکتوبة؛ مسلم، صحیح، صلاۃ، باب استحباب رکعتی الفجر والحثّ علیهما؛ الترمذی، جامع، صلاۃ، باب ما جاء انّهٗ یُصلّیها فی البیت؛ النسائی، سنن، صلاۃ، باب وقت رکعتی الفجر و ذکر الاختلاف علی نافع؛ باب رکعتی الفجر، باب تأخیر المغرب؛ ابن ماجہ، سنن، صلاہ باب ما جاء فی الرکعتین قبل الفجر۔

71۔ ابن حنبل، مسند، مسند النساء۔

72۔ ایضاً۔

73۔ البخاری، صحیح، اعتکاف، باب هل یخرج المعتکف لحوائجه الی باب المسجد؛ ادب، باب التکبیر و التسبیح عند التعجب؛ بدأ الخلق، باب صفة ابلیس و جنوده؛ مسلم، صحیح، استئذان، باب بیان انّهٗ یستحبّ لمن رؤی خالیاً بامرأةٍ و کانت زوجتهٗ أو محرماً أنُ یقول هٰذهٖ فلانة لیدفع ظنَّ السوء به؛

ابوداؤد، سنن، صوم، باب المعتکف یدخل البیت لحاجتہٖ؛ ادب، باب من حسن الظن؛ ابن ماجہ، سنن، صیام، باب فی المعتکف یزوره اهلهٗ فی المسجد؛ ابونُعیم الاصبہانی، معرفۃ الصحابۃ، جلد5، ص168۔

74۔ ابن ماجہ، سنن، صلاۃ، باب فی من فاتته الرکعتان بعد الظهر۔

75۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد8، ص64۔

76۔ البخاری، التاریخ الصغیر، جلد1، ص12۔

77۔ ابن حنبل، مسند، مسند النساء؛ مسلم، صحیح، فتن، باب قصّة الجسّاسة؛ ابوداؤد، سنن، الملاحم، باب فی خبر الجسّاسة؛ الترمذی، سنن، فتن، باب (حدیث تمیم الداری)؛ ابن ماجہ، سنن، فتن، باب فتنة الدجّال۔

78۔ الترمذی، سنن، الطعمۃ، باب ما جاء فی الرخصة فی الثوم مطبوخاً؛ ابن ماجہ، سنن، الطعمۃ، باب اکل الثوم؛ المزّی، تهذیب الکمال، جلد35، ص 331-32۔

79۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد1، ص ص 576-475۔

80۔ ایضاً، جلد2، ص241۔

81۔ ایضاً، جلد1، ص ص 45-144۔

82۔ ابن الجوزی، المنتظم، جلد8، ص270۔

83۔ دیکھئے سیر أعلام النبلاء، جلد18، ص277۔

84۔ ابن الرشید السبتی، ملء العیبة، جلد5، ص ص 02-301۔

85۔ ذہبی، معجم الشیوخ، جلد1، ص292۔

86۔ کحّالہ، أعلام النساء، جلد2، ص173۔

87۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد1، ص267۔

88۔ ایضاً، جلد2، ص، 145۔

89۔ ایضاً، جلد2، ص273۔

90۔ ایضاً، جلد 2، ص 389۔

91۔ ایضاً، جلد 2، ص 469۔

92۔ ایضاً، جلد 2، ص 594۔

93۔ ایضاً، جلد 2، ص 646۔

94۔ ایضاً، جلد 2، ص 651۔

95۔ ذہبی، الجزء المفقود من سیر أعلام النبلاء، ص 546۔

96۔ ابن حجر، انباء الغمر، جلد 4، ص 314۔

97۔ تقی الدین الفاسی، ذیل التقیید، جلد 2، ص ص 91-390۔

98۔ ابن ماجہ، سنن، طلاق، باب انقضاء عدّة المتوفیٰ عنها زوجها، وغیرها بوضع الحمل۔

99۔ ذہبی، معجم الشیوخ، جلد 1، ص 294۔

100۔ مطع الحافظ، المدرسة العمیریة، ص 103۔ مخطوطہ، دار الکتب الظاہریّہ، 4565۔

101۔ مجموعہ الاجازات، مخطوطہ، مدرسۃ الضیائیہ، قاسیون۔

102۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، تراجم النساء، ص 297۔

103۔ ضیاء الدین الدمشقی، ثبت المسموعات، ص 160۔

104۔ صالح بن غالب العوجی، مقدمة الفوائد المنتقاة الغرائب عن الشیوخ العوالی (مقالہ برائے ایم۔اے۔ جامعہ امّ القریٰ)

105۔ ابن القاضی، دُرّة الحجال، جلد 1، ص 278۔

106۔ ابن الرُشید، ملء العیبة، جلد 3، ص 319۔

107۔ معجم السماعات الدمشقیة، ص 95,316۔

108۔ ابوسعید المفضّل، فضائل المدینة، ص 55۔

109۔ معجم السماعات الدمشقیة، ص 120,312۔

110۔ معجم السماعات الدمشقية، ص402۔

111۔ ذہبی، معجم الشیوخ، جلد2، ص103۔

112۔ الداؤدی، طبقات المفسرین، جلد2، ص91۔

113۔ ذہبی، الجزء المفقود من سیر أعلام النبلاء، ص394۔

114۔ ابن الرشید السبتی، ملء العیبة، جلد5، ص21۔

115۔ الانتصار لسمع الحجّار فی مجموع فیہ رسائل الحافظ ابن ناصر الدین الدمشقی، ص413۔

116۔ سماعات فی مجلس البطاقة من أمالی حمزة الکنانی، مخطوطہ، دار الکتب الظاہریہ، دمشق۔

117۔ معجم السماعات الدمشقیة، ص215, 50۔

118۔ ایضاً، ص 317, 103۔

119۔ ما اتّصل الینا من فوائد أبی أحمد الحاکم، ص100۔

120۔ معجم السماعات الدمشقیة، ص463۔

121۔ یہ رباط مطالعہ اور تعلیم کے لیے استعمال ہوتی تھیں اور عام طور پر یہ بڑے شہروں کے مضافاتی علاقوں میں ہوتی تھیں۔ یہ اصطلاح قلعوں کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے، لہٰذا اس باب میں خلطِ مبحث نہیں ہونا چاہیے۔

122۔ مطیع الحافظ، معجم السماعات الدمشقیة، ص312, 110۔

123۔ دیکھئے جزء حنبل کے آخری جز کی سماعت۔

124۔ معجم السماعات الدمشقیة، ص ص315,60۔

125۔ ایضاً، ص319,41۔

126۔ ایضاً، ص482,69۔

127۔ ایضاً، ص311,41۔

128۔ ایضاً، ص402۔

باب ہفتم

خواتین سے مروی احادیث اور روایات

اس باب میں ان احادیث نبوی کا ذکر کیا جائے گا، جو صحابیات سے مروی ہیں اور ان کی خاص تعداد صحاح ستہ میں درج ہے۔ یہ وہ احادیث ہیں جن کی راوی صرف خواتین ہیں اور ان میں وہ احادیث بھی شامل ہیں جن کی بنیاد پر فقہی احکام مرتب ہوئے۔ اس تذکرے کے بعد میں نے حدیث کے اہم مجموعوں کی روایت اور ترویج میں خواتین کے کردار کو نمایاں کیا ہے۔ باب کے اختتام پر ان تصانیف کا جائزہ ہے جن کا موضوع خواتین کی مرویات ہیں اور ان سے مروی احادیث اور روایات میں علماء کے اشتغال کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

صحاح ستہ میں خواتین سے مروی روایات

صحاح ستہ تمام احادیثِ نبوی کو محیط نہیں۔ ان میں تمام مرد اور خاتون راویوں کا بھی احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے باوصف احادیث کے ان مجموعوں کو جو قبول عام حاصل ہوا ہے وہ کسی اور مجموعۂ حدیث کو نہیں ملا۔ اس کتاب میں صحاح ستہ پر توجہ فطرتاً زیادہ ہے۔ صحاح ستہ کی خاتون راویوں میں صحابیات، تابعیات اور دوسری صدی کے اختتام تک موجود دیگر خواتین شامل ہیں۔

محدثات کا جو تذکرہ میں نے تالیف کیا ہے ان میں دو ہزار صحابیات کے کوائف ہیں۔ 130 صحابیات سے مروی احادیث صحاح ستہ میں شامل ہیں۔ بعض صحابیات سے صرف ایک یا دو احادیث مروی ہیں اور بعض کو سینکڑوں احادیث روایت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ صحیح بخاری میں ایسی 31 صحابیات کا تذکرہ کیا ہے۔ امام مسلم نے 36، اور امام ابو داؤد نے 75

صحابیات کی روایات بیان کی ہیں۔ کُل خاتون راویوں کی تعداد تقریباً 1200 ہے، جن میں صحابیات، تابعیات اور دوسری صدی کے اختتام تک موجود خواتین ہیں۔ صحاح ستہ میں خواتین سے مروی احادیث کی کُل تعداد 2764 ہے، جن میں سے 2539 صحابیات سے مروی ہیں۔ مرد راویوں کی طرح خاتون راویوں سے مروی احادیث کے متن میں جزوی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض احادیث یکساں طور پر مرد اور خاتون راویوں نے بیان کی ہیں۔ بعض صرف مردوں سے، یا صرف خواتین سے مروی ہیں۔ خواتین سے مروی احادیث کا تذکرہ موضوعات کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ زیرِ نظر جائزے میں حضرت عائشہؓ سے مروی احادیث کو حذف کردیا گیا ہے، کیوں کہ ان سے مروی احادیث معروف ہیں۔ ان سے مروی بعض احادیث کا تذکرہ درایتِ حدیث اور فقہ کے باب میں کیا جائے گا۔ اسی طرح صرف خواتین سے مروی احادیث کا جائزہ ایک علیٰحدہ ذیلی باب میں کیا گیا ہے۔ ایمان کے بارے میں خواتین سے متعدد معروف احادیث مروی ہیں۔ اس کی ایک مثال ہم اس سے قبل صفحہ 147 پر پیش کرچکے ہیں یہ حدیث سعداء المریّہ سے مروی ہے اور اس کی روایت ان کے بیٹے یحییٰ بن طلحہ نے کی ہے۔

طہارت کے موضوع پر وہ احادیث صرف خواتین سے مروی ہیں، جن کا تعلق خواتین سے مخصوص مسائل سے ہے۔ البتہ ان خاتون راویوں نے دیگر موضوعات پر بھی روایات بیان کی ہیں۔ مثال کے طور پر ربیع بنت معوذ کی وہ روایت جس میں رسول اکرم ﷺ کے وضو کرنے کا بیان ہے۔ دور دراز کے مقامات سے علماء نے ربیع سے اس حدیث کی سماعت کے لیے سفر اختیار کیا۔ عبداللہ بن محمد بن عقیل ابن ابی طالب رقم طراز ہیں ''علی بن حسین زین العابدین نے ربیّع بنت معوذ کے ہاں اس مقصد سے بھیجا کہ میں ان سے رسول اکرم ﷺ کے وضو کرنے کا حال دریافت کروں۔ ربیّع نے اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا، پھر انھوں نے مجھ سے کہا: تمہارے عم زاد عبداللہ بن عباسؓ بھی میرے پاس آئے تھے اور مجھ سے رسول اکرم ﷺ کے وضو کی کیفیت دریافت کی تھی۔'' [1]۔ غرض یہ کہ ممتاز صحابی اور رسول اللہؐ کے عم زاد حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو اپنے علم وفن اور فقہ پر عبور کے لیے معروف ہیں اور علی زین العابدین، جو کہ تابعین میں ایک ممتاز عالم اور حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے پوتے ہیں، ان دونوں حضرات نے ایک

خاتون ربیعؓ سے حضور اکرم ﷺ کے وضو کے متعلق رجوع کیا۔

نماز کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں خواتین سے احادیث مروی ہیں یہاں صلوٰۃ خسوف کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جس کی روایت ہشام بن عروہ نے اپنی بیوی فاطمہ کی سند پر کی ہے۔ فاطمہ نے یہ روایت اپنی دادی حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے سنی تھی: ''ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کے دور میں سورج گرہن پڑا۔ جب میں داخل ہوئی تو میں نے دیکھا کہ عائشہؓ نماز پڑھ رہی ہیں تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ سب لوگ نماز کیوں پڑھ رہے ہیں؟ انھوں نے اپنے سر سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے پھر دریافت کیا کہ کیا یہ کوئی نشانی ہے؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔ بعد میں انھوں نے تفصیل سے اس نماز کے بارے میں بتایا۔'' [2]

احکامِ تدفین سے متعلق حدیث کی روایت ان خواتین نے کی ہے: امّ عیسیٰ الجزار نے امّ جعفر بنت محمد بن جعفر بن ابی طالب اور انھوں نے اپنی دادی حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے: ''میں صبح سو کر اٹھی۔ یہ اس صبح کا ذکر ہے جب میرے شوہر جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت ہوئی۔ رسول اکرم ﷺ تشریف لائے۔ میں نے چالیس کھالوں کی دباغت کی تھی اور آٹا گوندھ رکھا تھا۔ میں نے اپنے بیٹوں کے منھ دھوئے اور ان کو تیل لگایا۔ رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا: اے اسماء! جعفر کے بیٹے کہاں ہیں؟ میں نے ان کو آپؐ کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ نے انھیں گلے لگایا، آپؐ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپؐ رونے لگے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے پاس جعفرؓ سے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے؟ آپؐ نے جواب دیا: ہاں۔ ان کی شہادت ہوگئی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں روتے ہوئے اٹھی اور خواتین میرے ارد گرد جمع ہوگئیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اے اسماء! کوئی غلط بات زبان سے نہ نکالنا اور سینہ کوبی نہ کرنا۔'' پھر آپؐ واپس تشریف لے گئے اور اپنی بیٹی فاطمہؓ کے یہاں گئے۔ وہ بھی چچا کو یاد کرکے رو رہی تھیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ان سے کہا: جعفرؓ جیسے شخص کی شہادت پر رونا بجا ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: جعفر کے اہلِ خانہ کے لیے کھانا تیار کرو، کیوں کہ وہ غم سے نڈھال ہیں۔'' [3]

روزے سے متعلق خواتین سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی

روایت ہے کہ ایک جمعہ کو جب رسول اکرم ﷺ اپنی اہلیہ حضرت جویریہ بنت حارثؓ کے یہاں تشریف لے گئے تو آپؐ نے دیکھا کہ وہ روزے سے ہیں۔ آپؐ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تم کل بھی روزے سے تھیں؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا۔ آپؐ نے پھر دریافت کیا: کیا تمہارا کل بھی روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟ اس کا بھی جواب انھوں نے نفی میں دیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: پھر اپنا روزہ توڑ دو۔'' [4] اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ صرف جمعہ کے دن روزہ، جب کہ لوگ ملاقات کے لیے آجا رہے ہوں، جائز نہیں۔

زکوٰۃ اور صدقہ کے بارے میں خواتین سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ محمد بن عمر بن الحارث بن ابی جرار نے اپنی خالہ حضرت حمراء بنت الحارث بن ابی جرارؓ سے یہ روایت اخذ کی ہے: ''رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: یقیناً یہ دنیا بڑی سرسبز اور پُر لطف ہے۔ جو کوئی بھی اس سے حلال طریقہ سے کچھ حاصل کرتا ہے اس کے لیے برکت ہے، مگر کتنے لوگ ایسے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی دولت کا ناجائز استعمال کرتے ہیں۔ ایسے افراد کے لیے جہنم کی آگ ہے۔'' [5]

مناسکِ حج سے متعلق خواتین سے مروی بعض احادیث کا تذکرہ اس سے قبل کیا جاچکا ہے۔ ایک مثال اور درج کی جاتی ہے۔ یہ روایت منصور بن عبدالرحمٰن نے اپنی والدہ صفیہ بنت شیبہ سے اور انھوں نے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے اخذ کی ہے: ''ہم حالتِ احرام میں تھے تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس ہدی کا جانور ہے وہ بہ دستور احرام میں رہے اور جس کے پاس ہدی کا جانور نہیں ہے، وہ حالتِ احرام سے خارج ہے۔ اسماءؓ نے کہا: میرے پاس ہدی کا جانور نہیں ہے تو میں اپنے شوہر کے لیے حلال ہوں، مگر میرے شوہر زبیرؓ کے پاس ہدی کا جانور ہے تو وہ میرے لیے حلال نہیں ہیں۔ پھر میں نے اپنے عمدہ کپڑے پہنے اور احرام ترک کر دیا۔ پھر میں زبیرؓ کے سامنے آئی۔ انھوں نے مجھ سے کہا: ''مجھ سے دور رہو''۔ میں نے کہا: کیا آپ کو خدشہ ہے کہ میں آپ کے اوپر ٹوٹ پڑوں گی؟'' [6]

گزشتہ ابواب میں طعام، لباس، تجارت، امارۃ اور جہاد سے متعلق خواتین کی مروی احادیث کا تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ نکاح وطلاق اور متعلقہ مسائل کے بارے میں خواتین سے

مروی احادیث اگلے باب میں درج کی جائیں گی۔ میراث سے متعلق امّ سعد کی حدیث کو داؤد بن حسین نے ان الفاظ میں اخذ کیا ہے: ''میں امّ سعد بنت الربیع سے قرآن مجید پڑھتا تھا۔ انھوں نے مجھے میراث سے متعلق ایک حدیث سنائی۔'' [7]

صحابیات سے متعدد احادیث فتن (فتنہ کی جمع) سے متعلق مروی ہیں۔ حضرت اسماء بنت یزید الانصاریہؓ نے دجّال سے متعلق ایک طویل حدیث روایت کی ہے اور دجّال سے منسلک واقعات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے حضرت تمیم الداریؓ سے مروی وہ مفصل حدیث روایت کی ہے جس میں جسّاسہ اور دجّال کا حال بیان کیا گیا ہے۔ [8] امّ المومنین حضرت حفصہؓ سے حضرت عبد اللہ ابن صفوانؓ نے مندرجہ ذیل احادیث اخذ کی ہیں: ''میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''ایک فوج کعبہ پر حملہ کی نیت سے پیش قدمی کرے گی اور جب وہ بیضاء تک پہنچے گی تو اس فوج کا وسطی حصہ زمین میں دھنس جائے گا اور اس کی اگلی صفیں چیخ چیخ کر پچھلی صفوں کو مطلع کریں گی اور اس فوج میں صرف ایک شخص زندہ بچے گا، جو اس کی اطلاع لوگوں کو دے گا۔'' [9]

موت، عذاب قبر، روز قیامت، جنت اور جہنم کے بارے میں کثیر تعداد میں خواتین سے احادیث اخذ کی گئی ہیں۔ ابن ابی ملیکہ نے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں حوض پر تم میں سے ان افراد کو تلاش کروں گا جو حوض کے پانی کے خواہاں ہوں گے، البتہ کچھ لوگوں کو مجھ سے دور لے جایا جائے گا۔ میں عرض کروں گا یا رب! یہ میری امّت کے افراد ہیں۔ فرشتہ کہے گا: آپ کو علم نہیں کہ آپؐ کے بعد انھوں نے کیا کرتوت کیے، یہ اپنے عہد و پیمان سے پھر گئے تھے۔'' [10]

اسی طرح ہجرت، غزوات، عذاب اور طبّ نبویؐ کے بارے میں خواتین سے خاصی احادیث مروی ہیں۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے شمائل، صفات عالیہ اور حلیہ مبارک کے بارے میں متعدد احادیث ان سے اخذ کی گئی ہیں۔ صحابہ کے مناقب کے بارے میں سدیسہ نے حضرت حفصہؓ کی سند پر یہ روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''حضرت عمرؓ کے

قبولِ اسلام کے بعد شیطان کبھی ان کے سامنے نہیں آیا، بلکہ وہ منھ کے بل گر پڑا۔" [11]

روایات کی فصاحت اور بلاغت

خواتین سے مروی احادیث کی فصاحت اور بلاغت ان کا ایک امتیازی وصف ہے۔ ان سے مروی احادیث میں بیانیہ کا تسلسل، الفاظ کا حسن وانتخاب، مناسبت اور برجستگی دیگر امتیازی صفات ہیں۔ ان کی احادیث میں زیب وزینت بڑھانے، یا اصل معاملہ سے گریز اور انحراف کی مثالیں نہیں ملتیں، بلکہ اس کے برخلاف یہ احادیث جامعیت اور سلاست سے پُر ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انھیں ان احادیث سے متعلق تفصیلات پر عبور اور معاملات کا فہم تھا۔ غرض یہ کہ جو بھی ان احادیث پر غور وفکر کا خواہاں ہو اس کے لیے ان کے معانی و مطالب اخذ کرنا آسان ہے۔ چوں کہ یہ احادیث اصلاً عربی زبان میں ہیں، لہٰذا ان امتیازی صفات کا بیان کسی غیر زبان میں ممکن نہیں، البتہ ان کی فصاحت وبلاغت کا اندازہ ان احادیث کے تراجم سے بھی ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر گزشتہ صفحات میں حضرت اسماء بنت عمیسؓ کی مروی حدیث اس کی روشن مثال ہے۔ اپنے شوہر کی شہادت کی خبر پر ان کے تاثرات قابل ذکر ہیں۔ اس حدیث کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے: "میں اس صبح بیدار ہوئی جس دن جعفر اور ان کے رفقاء کی شہادت ہوئی۔" اس بیان میں کسی گلے شکوہ کا انداز نہیں، نہ کسی بے چینی اور پریشانی کا مبالغہ انگیز ذکر ہے، بلکہ انھوں نے دانستہ طور پر اپنی روزمرّہ زندگی کا نقشہ کھینچا ہے کہ کس طرح رسول اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل انھوں نے گھر کے کام کاج نپٹائے۔ جہاں تک ان کے صبر وضبط کا تعلق ہے وہ اسی پائے کا ہے جس کا مظاہرہ موتہ کے میدانِ جنگ میں مجاہدین اور شہداء نے کیا۔ ان کا بیان براہ راست ہونے کے باعث مزید مؤثر ہے اور اس کی دو خصوصیات بہت نمایاں ہیں:

(ا) کس نرمی اور شفقت سے رسول اکرم ﷺ نے اہل خانہ کے سامنے ان کی شہادت کی خبر سنائی اور اس نازک موقع پر بھی آپؐ نے تعلیم اور تربیت کا پہلو نظر انداز نہیں کیا۔ اس موقع پر آپؐ نے دور جاہلیت میں گریہ و ماتم کے مبالغہ آمیز طریقہ کو ختم کیا کہ ماتم کے اس انداز سے

اللہ کے فیصلہ کے خلاف احتجاج اور عدم قبولیت کا تاثر پیدا ہوتا تھا۔اس حدیث کے آخری حصے میں بھی صبر وضبط کا امتزاج نظر آتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ صدمہ سے دوچار ہوئے اور آپؐ نے اس کا اظہار اس طور پر کیا کہ مرضیٔ الٰہی آپ کو قبول ہے۔اس طرح آپؐ نے اس دور کے رسوم وروایات میں اصلاح کی۔اسی حدیث کی بنیاد پر مسلمانوں میں یہ روایت ہے کہ تعزیت کی ذمہ داری صرف اہل خانہ پر نہیں، بلکہ ان کے اعزا اور اقارب پر بھی عائد ہوتی ہے۔حضرت اسماءؓ کی حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس طرح عمل درآمد کیا اور خود اپنے خاندان میں اس طرح اصلاح نافذ کی۔اس حدیث کی روشنی میں آپؐ کی شخصیت ایک ایسے شفیق شخص کے طور پر ابھرتی ہے جس کی تعلیم وتربیت میں شفقت ومحبت کا رنگ غالب تھا۔ایسے شخص کی نصیحت پر بھلا کون برضا ورغبت عمل نہ کرے گا۔

دوسری مثال ام المومنین حضرت عائشہؓ کے واقعۂ افک کی ہے۔ یہ حدیث اتنی طویل ہے کہ اسے مکمل نقل کرنا دشوار ہے۔حضرت عائشہؓ بلاشبہ کم سنی سے ذہانت اور ذکاوت کا پیکر تھیں۔ اس واقعہ کے وقت ان کی عمر غالباً 13 سے 19 سال کے درمیان ہوگی۔ انھوں نے جب یہ روایت بیان کی، اس وقت تک عقل ودانش، زبان وبیان اور اپنے منصب کے لحاظ سے انتہائی لائق وفائق تھیں۔ یہ ان کا منصب تھا کہ امّت کو آگاہ کریں اور ان کی رہبری کریں۔ان سے مروی حدیث میں اس دور کے معاشرتی، تاریخی اور قانونی پہلو بھی سامنے آتے ہیں اور ان کے اپنے شدید ذاتی تاثرات بھی کہ کس طرح ایک مومنہ کی حیثیت سے انھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے اپنا تعلق برقرار رکھا۔وقت گزرنے کے بعد بھی ان کے بیان کی شدّتِ تاثیر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، البتہ ان کے اس بیان میں یہ احساس یقیناً رچا بسا ہوا ہے کہ اس حادثہ سے نبرد آزما ہونے سے ان کو اللہ پر انحصار اور توکل کا براہ راست تجربہ ہوا اور اس کی ضرورت کا احساس ہوا۔اسی باعث جب ان کی برأت کا اعلان ہوا تو انھوں نے واضح الفاظ میں اپنے شوہر کے پاس جانے سے انکار کردیا۔ حالاں کہ ان کی والدہ نے اس پر اصرار کیا تھا۔ اس کے جواب میں انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں ان کے پاس نہیں جاؤں گی، میں صرف اللہ کی حمد وثنا کروں گی۔"

حدیث کے بعض اجزاء، جن کا اقتباس ذیل میں درج نہیں ہے، ان سے بھی ہمیں بہت

کچھ علم ہوتا ہے، مثلاً یہ کہ جب قرآن مجید کی متعلقہ آیات نازل ہوئیں اور اس واقعہ کے زمانے میں اس طرح رسم و رواج میں تبدیلی آئی اور پھر ان امور کا بیان۔ اس حدیث سے ہمیں یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مدینہ کے مقامی مسلمان یعنی انصار اس وقت تک اسلام کے پرچم تلے مکمل طور پر متحد اور یکسو نہیں ہوئے تھے، بلکہ ان پر اب بھی قبائلی اور خاندانی عصبیت کا غلبہ تھا اور کیسے مدینہ میں موجود ایک گروہ نے اس بہتان کو ہوا دی۔ اس گروہ کی نظر میں اسلام مدینہ میں ایک روز افزوں سیاسی طاقت تھا، جس سے ان کے وقار اور اقتدار پر ضرب پڑ رہی تھی۔ ان کا قبولِ اسلام محض ایک وقتی اور موقع پرستی کا فیصلہ تھا۔ وہ اس کے منتظر تھے کہ واقعات اور حالات کوئی نیا رخ اختیار کریں۔ البتہ مومنین کاملین نے جب اس بہتان کی خبر سنی تو وہ اس مخمصہ میں گرفتار ہو گئے کہ ان کا ردِّ عمل کیا ہو؟ اور وہ اس بارے میں گفتگو کرنے لگے، کیوں کہ رسول اکرم ﷺ ذاتی طور پر اس واقعہ سے حد درجہ متاثر تھے اور آپ کے اہل خانہ بھی۔ اس واقعہ نے مسلمانوں کو یہ سبق دیا کہ بہتان اور افواہ بازی کس قدر تباہ کن ہے اور یہ گناہ کتنا شدید اور سنگین ہے۔

صرف چند افراد ہی نے حضرت عائشہؓ کی بے گناہی پر یقین کیا۔ زیادہ تر لوگ اس معاملہ میں غیر جانب دار رہے۔ غالباً اس کا سبب خود رسول اکرم ﷺ کا رویہ تھا۔ آپؐ اگر حضرت عائشہؓ کی بے گناہی کا اعلان بھی کرتے تو اس سے بہتان لگانے والوں کی شیطنت میں کوئی فرق نہ آتا۔ آپؐ حضرت عائشہؓ سے قبل ہی اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ اللہ کی براہ راست نصرت سے ہی اس فتنہ کی سرکوبی ہو سکتی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی روایت میں بے لاگ دیانت داری سے لوگوں کے اقوال کا ذکر کیا ہے اور بحران کے دور میں ان افراد کے بارے میں ان کا تاثر جو تھا اس کا بے تکلف ذکر کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ اس روایت کا سب سے مؤثر جزو وہ ہے جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ اُن کے محبوب اور ان سے بے حد محبت کرنے والے شوہر (رسول اکرم ﷺ) ان کی علالت کے دوران اس طرح محض رسمی طور پر ان کی خیریت دریافت کرتے، مثلاً یہ کہ تمہارا کیا حال ہے؟ انھوں نے اپنے والدین کا ذکر بھی انتہائی تأثر کے ساتھ کیا ہے کہ وہ اپنی اس کاوِش میں کیسے ناکام رہیں کہ ان کے والدین ان کی بے گناہی کا اعلان کریں۔ شدّتِ جذبات سے مغلوب ہو کر اس روایت میں ان کے ذہن سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا

نام بھی ساقط ہوگیا، کیوں کہ انھوں نے ان کو ابو یوسف کی کنیت سے یاد کیا ہے۔

اس حدیث کے متعدد امتیازات ہیں: اس کا سب سے نمایاں وصف اس حقیقت کو عیاں کرنا ہے کہ وحی کی نعمت سے اللہ صرف اپنے رسول کو سرفراز کرتا ہے۔ اس نزول کا تعلق کسی کی ضرورت مندی یا اہلیت سے ان معنوں میں مراد نہیں جن سے انسان معروف ہیں۔ قرآن مجید اپنے اوّلین ترین ارتباط کا مظہر تھا اور اسی ارتباط میں اس کی ابدیت مضمر ہے، البتہ قرآن مجید کا نزول اور نفوذ ماوراء ہے، کیوں کہ یہ من جانب اللہ ہے۔ اللہ کی آفاقیت کے صحیح فہم پر انسانی دعا کا کمال منحصر ہے اور انسان کو اپنی ضرورت کا اسی وقت صحیح معنیٰ میں اندازہ ہوتا ہے جب یہ حقیقت اس پر آشکار ہو جائے کہ مدد صرف اللہ ہی کی جانب سے ہے، اس کے سوا کوئی مرجع وماویٰ نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول سے ایک مومن کے تعلق کی بہترین مثال واقعۂ افک سے متعلق حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔ یہ روایت اس امر کی غماز ہے کہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے کے باعث بھی انسان علائقِ دنیوی سے بے تعلق نہیں رہ سکتا، بلکہ اس صورتحال میں وہ اپنی سمت کھوئے بغیر یا اپنی اَنا کو مجروح کیے بغیر بہتر طور پر نبرد آزما ہوسکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے بے لاگ طور پر اللہ اور اس کے رسول کے درمیان تفریق کی ہے۔ اللہ نے ان کی برأت کی، چنانچہ وہ اس کی حمد وثنا میں رطب اللسان ہوگئیں۔ ان کے بیانیہ سے ان کی ذہنی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ کیسے ان کو یہ احساس ہوا کہ ہر فرد کس طرح اپنے خالق کے سامنے تنہا اور بے بس ہے اور کیسے اس کو اس منصف عالی اور ارحم الراحمین پر مکمل توکل اور انحصار کرنا چاہیے۔ توکل الٰہی وہ وصف اور وہ مأخذ ہے جس سے انسان کی صحیح معنیٰ میں ترقی ہوتی ہے۔

ان تمام حقیقتوں کا ادراک صرف رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ہی ممکن تھا اور اس حدیث سے ان کے پیغمبری کے منصب کی توثیق ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ خلیفہ اوّل ابو بکرؓ کی بیٹی تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ کی ایمانی کیفیت خلیفۂ دوم حضرت عمر بن خطابؓ کی ایمانی کیفیت سے قدرے مختلف تھی۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے تجربہ، عقل، ضمیر اور حکمت کی روشنی میں کسی فیصلہ پر پہنچتے اور اگر

انہیں یہ علم ہو جاتا کہ اس سے مماثل معاملہ میں رسول اکرم ﷺ نے ان سے مختلف فیصلہ کیا تھا تو وہ معاً اپنا فیصلہ ترک کر دیتے اور آپؐ کے فیصلے پر پوری خوش دلی اور دل جمعی کے ساتھ کاربند ہوتے اور اگر ضرورت ہوتی تو وہ دیگر افراد کو بھی اس کی تلقین کرتے۔ جہاں تک حضرت ابوبکرؓ کا معاملہ ہے، ان کے بارے میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ان کا ایمان رسول اکرم ﷺ کے ایمان سے مکمل طور پر ہم آہنگ تھا، لہٰذا ان کو اپنے کسی فیصلے پر نظر ثانی کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ حضرت عائشہؓ کا ایمان ان کے طبائع ذہن اور مزاجی کیفیت کے باوصف مذکورہ بالا دونوں مثالوں کے بین بین تھا۔ ایک حد تک ان کی ایمانی کیفیت ان کے اپنے والد سے حضرت عمرؓ کی بہ نسبت زیادہ مماثل تھی۔ جب حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے حضرت عمرؓ کی فرط محبت کی بنا پر حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ کی اس درخواست کو منظور کر لیا کہ ان کو رسول اکرم ﷺ سے متصل دفن کیا جائے، جب کہ تدفین کا یہ مقام حضرت عائشہؓ نے خود اپنے لیے محفوظ رکھا تھا۔

مذکورہ حدیث کے دیگر اجزاء سے قطع نظر، جن کا ہم نے اختصار سے ذکر کیا، اصل حدیث درج ذیل ہے:

''مدینہ پہنچ کر میں بیمار ہو گئی اور تقریباً ایک ماہ صاحبِ فراش رہی۔ لوگوں نے بہتان کا بازار گرم کر رکھا تھا، جب کہ میں اس معاملہ سے قطعاً لاعلم تھی۔ البتہ یہ مجھے کھٹکتا تھا کہ رسول اکرم ﷺ کی وہ توجہ اور لطف میری جانب نہ تھا جو میری علالت کے زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔ جب آپ تشریف لاتے تو سلام کرتے اور محض یہ دریافت کرتے: ''تمہارا کیا حال ہے''؟ اور پھر واپس چلے جاتے۔ اس سے میرے شک و شبہ میں اضافہ ہوا لیکن جب تک میں باہر نہیں نکلی، مجھے اس فتنہ کا اندازہ نہ ہوا۔ میں ابھی علیل ہی تھی کہ ایک روز میں امّ مسطح کے ساتھ باہر نکلی۔ انھوں نے مجھے واقعۂ افک کا سارا قصہ سنایا۔ میری علالت میں اس بہتان سے اور اضافہ ہو گیا۔ جب میں گھر پہنچی تو رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اور مجھے سلام کرنے کے بعد مجھ سے میرا حال دریافت کیا۔ میں نے آپؐ سے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت طلب کی۔ میں اپنے والدین سے اس خبر کی تصدیق کرنا چاہتی تھی۔ آپؐ نے مجھے اجازت دے دی۔ میں نے گھر پہنچ کر اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ لوگ کیا بہتان باندھ رہے ہیں۔ انھوں نے جواب

دیا: اس کے بارے میں زیادہ پریشان نہ ہو، اللہ کی قسم! جب بھی کوئی عورت جو خوب صورت ہو، اپنے شوہر سے محبت کرتی ہو اور شوہر کی محبوب ہو اور اس کے شوہر کی دیگر بیویاں بھی ہوں تو لوگ اس کے خلاف اسی طرح کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ میں نے کہا: سبحان اللہ۔ کیا واقعی لوگ اس طرح کا بہتان باندھ رہے ہیں؟ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں پوی شب روتی رہی۔ میرے آنسو نہ تھمتے تھے اور میں ایک لمحہ کے لیے نہ سوئی۔ صبح ہوتے ہی میں نے پھر رونا شروع کر دیا۔

ابھی وحی الٰہی کے نزول میں تاخیر تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے علی بن ابی طالبؓ اور اسامہ بن زیدؓ کو طلب کیا اور ان سے اپنی بیوی (عائشہؓ) سے علیٰحدگی کے بارے میں مشورہ کیا۔ اسامہ بن زیدؓ نے آپؐ کے اہل خانہ کی پاک دامنی کے بارے میں کلمۂ خیر کہا کہ ان کے دل میں ان کے لیے بڑی عزت تھی۔ اسامہ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ کی بیوی میں بھلائی کے سوا ہم نے کوئی چیز نہیں پائی۔'' جہاں تک علیؓ کا تعلق ہے، انھوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! اللہ نے آپ پر کوئی پابندی عائد نہیں کی ہے۔ عائشہؓ کے علاوہ بہت سی عورتیں ہیں، خدمت گار لونڈی کو بلا کر حالات دریافت کریں۔ وہ آپ کو حقیقت بتائے گی''۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے بریرہ کو طلب کیا اور دریافت کیا: ''اے بریرہ! کیا تو نے کبھی کوئی ایسی چیز دیکھی جس سے تمہیں کوئی شک وشبہہ ہو۔'' بریرہ نے جواب دیا: ''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے ان میں کوئی چیز نہ دیکھی جس کی میں پردہ پوشی کروں۔ اتنا ضرور ہے کہ وہ نوجوان ہیں، گندھا ہوا آٹا چھوڑ کر جلد سو جاتی ہیں اور بکری آ کر وہ آٹا کھا جاتی ہے۔''

اس دن حضور اکرم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور صحابہ سے عبداللہ بن ابی کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: ''مسلمانو! کون ہے جو اس شخص کے حملے سے میری عزت بچائے جس نے میرے گھر والوں پر الزامات لگا کر مجھے اذیت پہنچائی ہے۔ اللہ کی قسم۔ میں نے تو اپنی بیوی میں کوئی برائی نہیں دیکھی ہے اور وہ شخص کبھی میری غیر موجوگی میں میرے گھر نہیں آیا''۔ بنو عبدالاشہل قبیلہ کے رکن حضرت سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول اللہ! میں آپ کو اس سے نجات دوں گا۔ اگر وہ قبیلۂ اوس کا ہے تو میں اس کی گردن ناپ دوں گا اور اگر وہ ہمارے بھائی یعنی قبیلۂ خزرج کا ہے تو ہمیں حکم دیں، ہم آپ کے حکم کو بجا لانے کے

لیے حاضر ہیں۔ اس مرحلے پر ایک خزرجی کھڑے ہوئے۔ وہ حضرت سعدؓ کی بات پر اس قدر مشتعل تھے کہ دونوں لڑنے پر تیار تھے، گو کہ رسول اکرم ﷺ اس وقت منبر پر جلوہ افروز تھے۔ آپؐ نے ان کو صبر وسکون سے کام لینے کی تلقین کی جس سے وہ لوگ خاموش ہو گئے۔

میں سارا دن روتی رہی۔ میرے آنسو رکتے ہی نہ تھے اور میں ایک لمحہ کے لیے بھی نہ سوئی۔ صبح میرے والدین میرے گرد جمع ہوئے، لیکن دو راتیں اور ایک دن میں مسلسل روتی رہی اور سو بھی نہ سکی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ مستقل رونے سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ اس وقت، جب کہ میرے والدین میرے قریب بیٹھے تھے اور میں بہ دستور رو رہی تھی، ایک انصاری خاتون نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ وہ آ کر بیٹھ گئی اور میرے ساتھ رونے لگی۔

میں اسی حال میں تھی کہ رسول اکرم ﷺ تشریف لائے، ہمیں سلام کیا اور تشریف فرما ہوئے۔ جب سے یہ فتنہ اٹھا تھا آپؐ میرے پاس اب تک اس طرح نہ بیٹھے تھے۔ ایک مہینہ گزر چکا تھا اور میرے معاملے میں آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ جب آپ تشریف فرما ہوئے تو پہلے کلمۂ شہادت پڑھا اور فرمایا: امّا بعد! عائشہ! مجھے تمہارے متعلق فلاں فلاں بات پہنچی ہے۔ اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ جلد تمہاری پاک دامنی کا اعلان کر دے گا اور اگر تم نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو اللہ سے معافی مانگو اور اس سے مغفرت طلب کرو۔ جب کوئی بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو وہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے"۔

جب رسول اللہ ﷺ کی گفتگو ختم ہوئی تو میرے آنسو رک گئے۔ ایک آنسو بھی نہیں ٹپکا۔ میں نے اپنے والد سے کہا: میری جانب سے رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا جواب دیں جس کے بارے میں انھوں نے گفتگو کی ہے۔ میرے والد نے کہا: اللہ کی قسم، مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں ان کو تمہاری جانب سے کیا جواب دوں۔ تب میں نے اپنی والدہ سے کہا: آپ میری جانب سے جواب دیں۔ انھوں بھی یہی کہا کہ مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں ان کو تمہاری جانب سے کیا جواب دوں؟

حالاں کہ میں اس وقت نوجوان تھی اور میں نے قرآن مجید کا زیادہ مطالعہ نہیں کیا تھا۔ پھر

بھی میں نے کہا: اللہ کی قسم۔ آپ لوگوں نے یہ گفتگو سنی اور مجھے یقین ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ آپ کے دل پر نقش ہو گیا ہے اور آپ لوگوں نے اسے حقیقت تسلیم کرلیا ہے۔ اب اگر میں کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ یقین نہیں کریں گے اور اگر میں کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ میرا اعترافِ گناہ قبول کرلیں گے۔ تو آپ کے اور میرے درمیان ابو یوسف (یعنی یعقوب علیہ السلام) کی مثال صادق آتی ہے: ''اور وہ اس کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔ اس نے کہا کہ (نہیں!) بلکہ یہ تو تمہارے جی کی ایک گھڑی ہوئی بات ہے'' (سورۃ یوسف 12:18)۔ پھر میں نے اپنا رخ دوسری جانب کرلیا اور لیٹ گئی۔

اللہ کو میری بے گناہی کا علم تھا اور مجھے توقع تھی کہ اللہ ضرور میری برأت کا اعلان کرے گا، لیکن اللہ کی قسم! یہ میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اللہ میرے معاملہ کے بارے میں وحی نازل کرے گا، جس کے جزو قرآن ہونے کے باعث تاقیامت تلاوت ہوتی رہے گی۔ میں اپنے آپ کو اس کا بالکل اہل نہ سمجھتی تھی کہ اللہ میرے معاملہ میں اپنی وحی سے مجھے سرفراز کرے گا۔ مجھے یہ خیال البتہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ کو خواب میں اللہ میری پاک دامنی کے بارے میں مطلع کرے گا۔

لیکن اللہ کی قسم، یہ وحی نازل ہوئی اور رسول اکرم ﷺ اور میرے اہل خانہ اپنی نشست پر بیٹھے تھے جب آپؐ پر وحی کی وہی مخصوص کیفیت طاری ہوئی جس کا نزولِ وحی کے وقت آپ کو تجربہ ہوتا تھا۔ آپؐ کے جسم سے پسینہ کے قطرے ایسے بہہ رہے تھے گویا موتی جھڑ رہے ہوں۔ ہر چند کہ یہ موسم سرما کا ایک دن تھا، لیکن وحی کی جلالت کے باعث آپ پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ جب آپ کی یہ کیفیت دور ہوئی تو آپ مسکراتے ہوئے کھڑے ہوئے اور آپؐ کی زبان سے پہلا لفظ یہ نکلا: ''اے عائشہ! اللہ کی حمد بیان کرو۔ اس نے تمہاری بے گناہی کا اعلان کر دیا ہے۔'' اس پر میری والدہ نے مجھ سے کہا: اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ۔ میں نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں آپ کے پاس نہیں جاؤں گی اور سوائے اللہ کے کسی کی حمد و ثنا نہ کروں گی۔'' غرض یہ کہ اللہ نے سورۂ نور کی دس آیات واقعۂ افک سے متعلق نازل کیں: ''جن لوگوں

نے فتنۂ افک برپا کیا وہ تمہارے ہی اندر کا ایک گروہ ہے۔ تم اس چیز کو اپنے لیے بری نہ خیال کرو بلکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے جو گناہ کمایا وہ اس کے حساب میں پڑا اور جو اس فتنہ کا اصل بانی ہوا ہے اس کے لیے تو ایک عذاب عظیم ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ بات سنی تو مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کی بابت نیک گمان کرتے، اور کہہ دیتے کہ یہ تو ایک کھلا ہوا بہتان ہے! آخر یہ لوگ اپنے اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے چار گواہ کیوں نہ لائے؟ تو جب یہ لوگ گواہ نہیں لائے تو لازماً اللہ کے نزدیک یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، دنیا و آخرت میں، تو جس چیز میں تم ملوث ہو گئے تھے اس کے باعث تم کو ایک عذاب عظیم آ پکڑتا۔ خیال کرو، جب تم اپنی زبانوں سے وہ بات نقل کر رہے تھے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کی بابت تمہیں کوئی علم نہیں تھا اور تم اس کو معمولی بات خیال کر رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ ایک بہت بڑی بات ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس کو سنتے ہی تم نے کہہ دیا ہوتا کہ ہمیں کیا حق ہے کہ ہم ایسی بات زبان پر لائیں! معاذ اللہ! یہ تو ایک بہت بڑا بہتان ہے! اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو ایسی بات تم سے پھر کبھی صادر نہ ہو۔ اور اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کیے دے رہا ہے، اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔ بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں ایک دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور اللہ شفیق و مہربان نہ ہوتا (تو تم ایک آفت میں پھنس جاتے)'' (سورہ نور 24 : 20-11)۔ ان آیاتِ قرآنی نے میری بے گناہی کو ثابت کر دیا۔'' [12]۔

خواتین سے مروی فقہ

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، بعض احادیث ایسی ہیں جن کا ماٴخذ صرف خواتین ہیں۔ ان میں سے متعلق احادیث کی بنیاد پر احکام و فتاوے مرتب کیے گئے ہیں۔ صحابہ کے دور سے ہی فقہا اور علماء کو کبھی کوئی حجاب نہ ہوا کہ وہ خواتین کے پاس محفوظ علم اور فضل سے استفادہ کریں۔ باب دہم میں اس کی ایک نمائندہ مثال تفصیل سے درج کی جائے گی۔ یہ حدیثِ بریرہ کے طور پر

موسوم ہے۔ بریرہ حضرت عائشہؓ کی آزاد کردہ باندی تھیں۔ بریرہؓ سے مروی حدیث سے فقہاء نے متعدد احکام اور نکات اخذ کیے ہیں۔ معروف مالکی عالم ابوحسین بن زرقون نے اس حدیث سے متعلق ایک مکمل کتاب تحریر کی ہے، جس کا عنوان ہے **فقہ حدیث بریرۃ** [13]۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رقم طراز ہیں: ''بعض ائمہ نے اس حدیث سے مفید نکات اخذ کیے ہیں اور ان نکات کی تعداد 300 سے زائد ہے۔ میں نے فتح الباری میں اس کو مختصراً بیان کیا ہے۔ [14]

سبیعہ الاسلمیہ سے مروی حدیث

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیوہ کی عدّت کا حکم بیان کیا ہے کہ وہ چار ماہ دس دن سے قبل دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔ حاملہ بیوہ کی عدّت بچہ کی ولادت تک ہے۔ بعض فقہاء کی رائے میں عدّت کی مدت بہرصورت کم از کم چار ماہ دس دن ہونا چاہیے، ہر چند کہ بیوہ حاملہ کے یہاں ولادت اس مدت سے قبل ہوگئی ہو۔ سبیعہ الاسلمیہ نے روایت کی ہے کہ ان کے شوہر کے انتقال کے چند دن بعد ان کے یہاں بچہ کی ولادت ہوئی۔ انھوں نے آں حضرتؐ سے مسئلہ دریافت کیا۔ آپؐ نے انھیں دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔ خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ نے سبیعہؓ سے اس امر کی توثیق کی کہ ان سے مروی روایت کیا ہے، پھر اس کی روشنی میں اپنا فیصلہ کیا۔ سلیمان بن یسعیٰ راوی ہیں کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور عبداللہ بن عباسؓ اور ابوہریرہؓ ایک جگہ اکٹھا تھے اور حاملہ بیوہ کی مدّتِ عدّت کے بارے میں گفتگو کررہے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کا موقف یہ تھا کہ بچہ کی ولادت اور چار مہینہ دس دن کے مابین جو مدت طویل تر ہو وہی اس کی عدت ہوگی۔ ابوسلمہ کا اصرار تھا کہ ولادت کے معاً بعد عدت ختم ہوجاتی ہے۔ ان کے درمیان جب اختلاف رائے ہوا تو ابوہریرہؓ نے کہا: میں اپنے بھتیجے ابوسلمہؓ کی رائے سے متفق ہوں تب انھوں نے حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ کریب کو امّ سلمہؓ کے پاس حقیقت دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت امّ سلمہؓ نے ان کو سبیعہ کا واقعہ بتایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کو بچہ کی ولادت کے بعد ہی دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ [15]

ابن عون نے ابن سیرین کی سند پر یہ روایت کی ہے: ''میں کوفہ میں انصار کے ایک مجمع

میں بیٹھا ہوا تھا۔ حاضرین میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی تھے۔ انھوں نے سبیعہ کی روایت کا ذکر کیا۔ میں نے عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کا قول دہرایا کہ عدّت کی مدّت بچہ کی ولادت تک ہے۔ اس پر ابن ابی لیلیٰ نے کہا: ''ان کے چچا (عبداللہ بن مسعود) کی یہ رائے نہیں ہے''۔ میں نے اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے کہا: ''میں عبداللہ بن عتبہ کے حوالے سے کوئی غلط روایت نہیں بیان کر رہا ہوں۔ عبداللہ بن عتبہ کوفہ شہر ہی کے ایک دوسرے گوشے میں مقیم ہیں'' [16]۔ سبیعہ سے مروی حدیث نقل کرنے کے بعد امام ترمذی تحریر کرتے ہیں: ''صحابہ اور علماء کی اکثریت اس کی قائل ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد حاملہ خاتون بچہ کی ولادت کے معاً بعد نکاح کر سکتی ہے۔ یہی رائے سفیان ثوری، شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کی بھی ہے۔ بعض صحابہ اور علماء کا موقف اس کے برعکس ہے۔ ان کے مطابق عدّت کی معروف مدّت اور بچہ کی ولادت میں سے طویل تر مدّت اس کی عدّت ہے، البتہ اوّل الذکر موقف صحیح تر ہے۔'' [17] امام نووی صحیح مسلم پر اپنی شرح میں اس حدیث کے بارے میں رقم طراز ہیں: ''متقدمین اور متاخرین کی اکثریت اس حدیث پر عامل رہی ہے۔''

بُسرہ بنت صفوان سے مروی حدیث

عبداللہ بن ابی بکر بن حزم الانصاری کی سند پر زہری راوی ہیں کہ انھوں نے عروہ بن زبیر کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ''جب مروان مدینہ کے گورنر تھے، انھوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنا عضو مخصوص مَس کرتا ہے تو اسے دوبارہ وضو کرنا چاہیے۔ میں نے مروان سے اختلاف کیا اور کہا: ایسا عمل کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ مروان نے کہا: بُسرہ بنت صفوان نے مجھ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ انھوں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی شخص اپنا عضو مخصوص چھوتا ہے تو اسے وضو کرنا چاہیے۔ میں مروان سے بہ دستور اختلاف کرتا رہا، تب انھوں نے اپنے ایک سپاہی کو بُسرہ کے پاس حقیقت دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ بُسرہ کا جواب بعینہٖ وہی تھا جو مروان نے بیان کیا تھا۔'' [18] بُسرہ سے مروی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد امام ترمذی نے یہ رائے ظاہر کی ہے: ''مذکورہ بالا یہ رائے متعدد صحابہ اور تابعین کی ہے۔ یہی رائے امام اوزاعی، شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق ابن راہویہ سے بھی منسوب ہے۔'' امام

بخاری کا قول ہے: ''اس موضوع پر مستند ترین حدیث بُسرہ کی ہے۔'' امام شافعی کا قول ہے: ''بُسرہ بنت صفوان نے یہ حدیث مہاجرین اور انصار کے گڑھ میں بیان کی۔ وہ کثیر تعداد میں تھے۔ کسی نے بھی بُسرہ سے اختلاف رائے نہیں کیا، بلکہ یہ ہمارے علم میں ہے کہ بُسرہ کی اس روایت کی روشنی میں بعض علماء نے اپنے فتوی سے رجوع کیا۔ اس کی مثال عروہ بن زبیر ہیں۔ وہ اس رائے کے قائل نہ تھے کہ عضو مخصوص مَس کرنے سے وضو پر کوئی اثر پڑتا ہے، لیکن جب انھوں نے بُسرہ کی روایت سنی تو اپنی رائے سے رجوع کرلیا اور اسی روایت کے مطابق فتویٰ دینے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بُسرہ کو یہ روایت بیان کرتے ہوئے سنا تو اس پر اپنی وفات تک عامل رہے، یعنی عضو مخصوص چھونے کے بعد دوبارہ وضو کرتے۔'' تفصیلات کے بارے میں اختلافِ رائے تھا اور وہ علماء میں عام ہے۔[19]

امّ عطیہ سے مروی حدیث

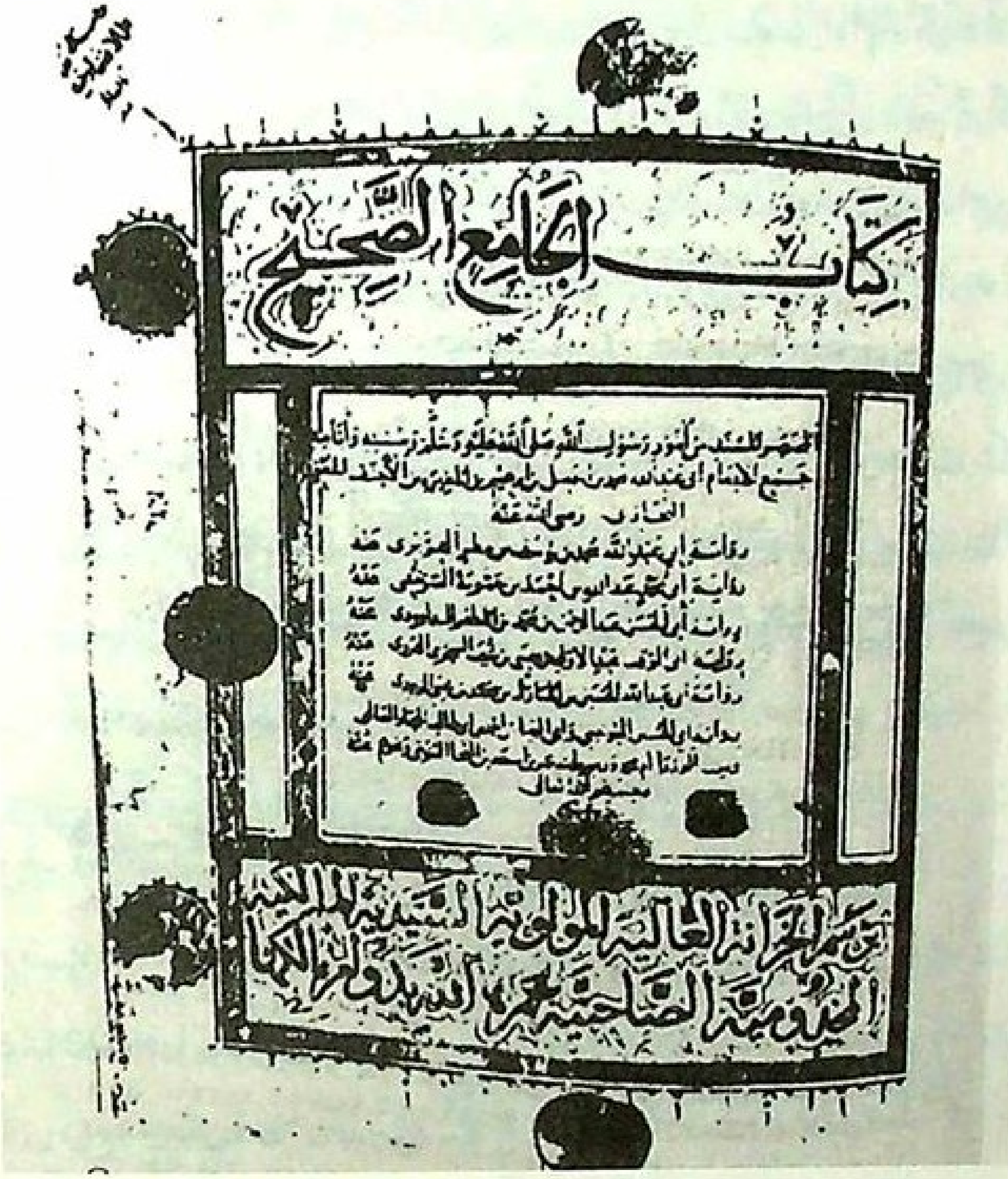
مردے کے غسل کے بارے میں یہ حدیث اپنے موضوع پر مستند ترین حدیث تسلیم کی جاتی ہے۔[20] اور اسے قبول عام حاصل ہوا۔ **صحیح البخاری** میں اس کا جابجا حوالہ ملتا ہے اور اس کی روشنی میں احکام اخذ کیے گئے ہیں۔ جب حضرت امّ عطیہؓ بصرہ منتقل ہوئیں اور وہیں مقیم ہوگئیں تو صحابہ اور تابعین کے ایک گروہ نے ان سے اس حدیث کی سماعت کی کہ مردے کو کیسے غسل دیا جائے؟[21]

قتادہ راوی ہیں کہ ابن سیرین نے مردے کو غسل دینا حضرت امّ عطیہؓ سے سیکھا ہے۔[22]

ابن عبدالبرّ کے مطابق تمام تابعین میں ابن سیرین مردے کو غسل دینے کے بارے میں اور سب سے زیادہ صاحب علم تھے۔[23]

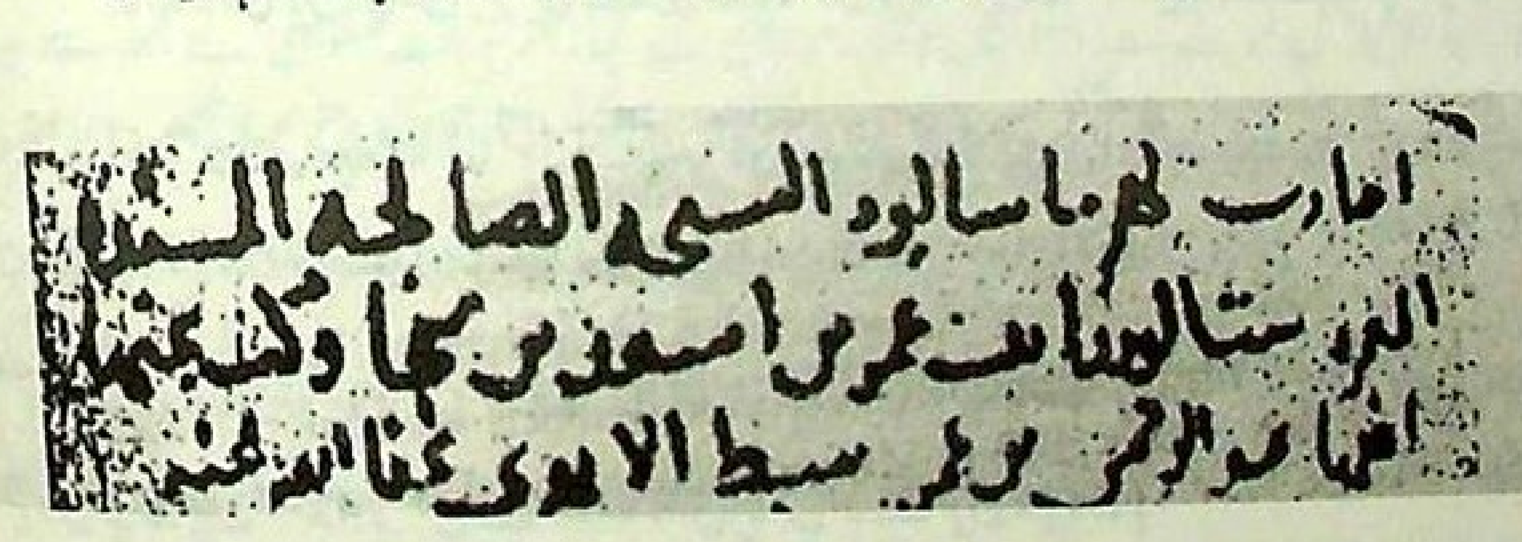
مذکورہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد امام ترمذی تحریر کرتے ہیں: حضرت امّ عطیہؓ سے مروی یہ حدیث مستند اور حسن ہے اور علماء اسی پر عمل کرتے ہیں۔[24]

(حافظ احمد عبدالوہاب النویری (م733) کے خط میں تحریر **صحیح البخاری** کا مزیّن سرورق)



یہ فربری کی روایت ہے اور ست الوزراء سے مروی اسانید کا ذکر ہے۔[29]

(ست الوزراء کا اجازہ۔اس میں ان سے مروی حدیث روایت کرنے کی اجازت ہے)[30]



ابن المنذرؒ کا قول ہے کہ غسل میّت کے بارے میں اعلیٰ ترین حدیث حضرت امّ عطیہؓ

سے مروی ہے اور ائمہ نے اسی پر انحصار کیا ہے۔ [25]

رفاعہ القرظیؓ کی اہلیہ سے متعلق حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث

قرآن مجید کے مطابق اگر کسی خاتون کو اس کے شوہر نے تین دفعہ طلاق دے دی ہو تو اس کا نکاح سابقہ شوہر سے صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ پہلے کسی اور شخص سے نکاح کرے۔ حضرت عائشہؓ نے روایت کی ہے: ''رفاعہ القرظیؓ کی مطلقہ نے کسی اور شخص سے نکاح کیا، اس کے بعد چاہا کہ رفاعہ سے پھر ان کا نکاح ہو جائے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب تک اس خاتون کا اپنے موجودہ شوہر سے صنفی تعلق قائم نہیں ہو جاتا وہ اپنے سابقہ شوہر کے پاس واپس نہیں جا سکتی۔'' [26]

یہ شرط کہ دوسرے شوہر سے نکاح صنفی تعلق سے مشروط ہے، اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، لیکن مذکورہ بالا حدیث کی بنا پر فقہاء اور علماء نے عام طور پر اسے بطور شرط تسلیم کیا ہے۔ امام ترمذی رقم طراز ہیں:

''حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث حسن اور مستند ہے اور صحابہ میں موجود علماء اور دیگر علماء اس پر عامل رہے ہیں۔ انھوں نے صنفی تعلق کی شرط کی صراحت کی ہے۔'' [27]

حدیث کے مختلف مجموعوں کی خواتین سے روایات

علم حدیث کی طالبات اور کتب حدیث کے مطالعہ کے ذیل میں احادیث کے یہ مجموعے قابل ذکر ہیں: ''**جوامع، سنن، مسانید، معاجم، اربعینات، أجزاء اور مسلسلات**''۔ ان مجموعوں کی روایت میں خواتین کا کردار ذیل میں بیان کیا گیا ہے:

جوامع

مقبول ترین جامع **صحیح البخاری** ہے۔ کریمہ المروزیہ (م 461) **صحیح البخاری** کی ایک اہم راوی ہیں۔ ان کی مرویات کو علماء نے ہر دور میں اخذ کیا ہے۔ ان کی نگرانی میں

صحیح البخاری کا مطالعہ مشہور مؤرخ ومحدث خطیب بغدادی نے کیا تھا۔[28]

حافظ ابن حجرؒ نے کریمہ کے نسخے سے متعلق اپنے شیخ عبداللہ بن عمر الہندی الحلوی کا ذکر کیا ہے۔ الحلوی نے اس کا مطالعہ محمد بن غالی بن نجم الدمیاطی سے اور انھوں نے معین احمد بن علی بن یوسف الدمشقی سے اور انھوں نے ابو القاسم البصری سے کیا اور اس کی معروف اسناد کریمہ سے منسوب ہیں۔[31] ابن حجرؒ نے اس کا مطالعہ حافظ بن شیخ العراقی سے اور انھوں نے عبدالرحیم بن عبداللہ سے کیا اور اس کی بھی اسناد کریمہ سے منسوب ہیں۔[32] چھٹی صدی کی **صحیح** کی مشہور راوی امّ البہاء فاطمہ بنت محمد البغدادی (م539) ہیں۔ احمد بن خلیجی بن کیلکلدی العلائی کے تذکرہ میں حافظ ابن حجرؒ رقم طراز ہیں: ''ان کی روایات میں درجۂ امتیاز **صحیح البخاری** کی روایت کو حاصل ہے، جس کا مطالعہ انھوں نے غانم بن احمد الجلودی کی شاگردی میں کیا تھا۔'' الجلودی نے اس کا سماع فاطمہ بنت محمد البغدادی سے کیا تھا۔[33] **صحیح البخاری** کی ایک اور ممتاز راویہ عالم دین شیخہ اور مسندہ ست الوزراء بنت عمر بن سعد بن المنجا التنوخیہ (م716) ہیں۔ انھوں نے مکمل **صحیح البخاری** کا دمشق اور مصر میں متعدد مرتبہ درس دیا۔ ان کے چند ممتاز تلامذہ یہ ہیں: قاضی مدینہ عبدالرحیم بن رزین الحموی، شیخ شمس الدین محمد بن احمد الجعفری، قطب الدین محمد بن ابی الثناء، الھرمس المصری، عماد الدین محمد بن الحسن القریشی الاسنائی، شیخ کمال الدین محمد بن الحسین الہروطی، محمد بن خلیل بن یریک النبلوسی، محمد بن داؤد بن عبداللہ ابن ظفیر البرلاسی، قاضی تقی الدین محمد بن عبداللہ المصری، ابوالبقا محمد بن عبداللہ السبکی الشافعی، محمد بن عبدالرحمٰن ابن عبداللہ الہاشمی الآمدی، محمد بن عبدالرحمٰن بن عمر الخلیلی الداری، تقی الدین محمد بن ابی الکریم الحلبی المصری، قاضی حمص قطب الدین محمد بن عبدالحسن السبکی، قاضی مدینہ محمد بن عبدالمعطی، ابن خشاب المصری، محمد بن علی السعدی المصری، فخر الدین محمد علی بن علی المصری الشافعی، ابن قاضی شبہہ، محمد بن سراج عمر بن محمد الرازی، ناصر الدین الفارقی اور ابن ابی المجد الدمشقی۔[34]

صحیح البخاری کی عالی اسناد کے ساتھ روایت کرنے والی ایک اور خاتون عائشہ

بنت محمد بن عبدالہادی المقدسیہ ہیں۔[35]۔حافظ ابن حجرؒ، حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی اور فاسی جیسے اساطینِ علم وفن نے صحیح البخاری کا درس عائشہ سے لیا۔ صحیح مسلم کی تدریس بھی بڑے پیمانے پر محدثات کی بدولت انجام پائی۔ امّ الخیر فاطمہ بنت ابی الحسن علی بن المظفر بن حسن بن زعبل البغدادیۃ (م532) اس کی ایک ممتاز معلّمہ تھیں۔ ان کا تعلق اصلاً نیشاپور سے تھا۔

صحیح مسلم کی ایک اور مقبول راویہ زینب بنت عمر الکندی (م699) ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کے استاد محمد بن قوالج نے اس کا مطالعہ زینب کی شاگردی میں کیا۔ زینب نے صحیح البخاری کی روایت موید بن محمد الطّوسی سے کی ہے اور انھوں نے فقیہ الحرم ابو عبداللہ محمد بن الفضل الفراوی سے اور انھوں نے ابوالحسین عبدالغافر بن الحسین الفاسی سے اور انھوں نے ابواحمد محمد بن عیسی بن عمرویہ الجلودی سے اور انھوں نے ابراہیم بن محمد بن سفیان سے اور انھوں نے اس کا سماع براہ راست اس کے مصنف یعنی مسلم بن الحجاج سے کیا۔ یہ محدثین کی دیانت داری کا ثبوت ہے کہ انھوں نے یہ صراحت کی ہے کہ موٴخر الذکر راوی ابراہیم نے صحیح مسلم کے بعض اجزاء کی، جوحج، وصایہ اور امارہ کو محیط ہیں[36]، ان کا سماع براہ راست مسلم ابن الحجاج سے نہیں کیا۔[36] آٹھویں صدی میں صحیح مسلم کی ایک ممتاز معلّمہ صفیہ بنت احمد بن قدامہ (م714) ہیں۔ نویں صدی میں عائشہ بنت محمد بن عبدالھادی نے محمد بن علی الحرّانی سے اس کا سماع کیا۔[37]

جامع الترمذی کی قابلِ ذکر معلّمہ خدیجہ بنت عبدالحمید بن غشم ابی محمد المرداوی (م734) ہیں۔ ان سے قبل زینب بنت مکّی نے اس کا متعدد دفعہ درس دیا۔ اپنے استاد احمد بن صالح بن الحسن الاسکندرانی کے ذیل میں حافظ ابن حجرؒ رقم طراز ہیں: ''انھوں نے کبرسنی میں جامع ترمذی کا سماع عرضی سے اور انھوں نے زینب بنت مکّی سے کیا۔''[38]

محدثات کے یہاں ترمذی کی شمائل بھی بہت مقبول تھی۔ زینب بنت الکمال نے اس کی روایت عجیبہ بنت ابی بکر الباقداریہ سے کی ہے اور انھوں نے قاسم بن الفضل بن عبداللہ الوحید اور رجاء بن محمد بن رجاء المدنی سے اور ان دونوں نے ابوالقاسم بن احمد الخزاعی اور

انھوں نے الہیثم بن کلیب اور انھوں نے اس کا سماع براہ راست اس کے مصنف امام ترمذی سے کیا ہے۔[39]

سنن

مالکیہ اور دیگر افراد کے درمیان یحیٰ اللیث کی سند پر مبنی امام مالک کی مؤطا کا نسخہ سب سے زیادہ مقبول رہا۔ محدثات نے بالعموم اس سے اور بعض صورتوں میں دیگر نسخوں سے روایت کی ہے۔ مثال کے طور پر شہدہ (م574) نے قعنبی کے نسخے کی روایت کی ہے۔ امام ابو محمد عبدالعزیز بن دُلف (م637) کے تذکرہ میں ذہبی رقم طراز ہیں: ''انھوں نے شہدہ سے امام مالک کی مؤطا مبنی بر نسخہ قعنبی سے سماع کیا۔[40] محدثات کے یہاں سوید بن سعید کا نسخہ بھی بہت مقبول رہا۔ مثال کے طور پر زینب بنت الکمال نے اس کی روایت ضوء الصباح عجیبہ الباقداریہ سے اور انھوں نے اس کے مکمل متن کا سماع ابوالحسین عبدالحق بن عبدالخالق بن یوسف سے اور انھوں نے ابوسعد محمد بن عبدالملک الاسدی سے بمع اسانید کیا، پھر اس کی قرأت زینب بنت الکمال کی موجودگی میں جامع مظفری قاسیون میں 726 میں کی گئی۔[41]

عجیبہ البغدادیہ نے سنن أبی داؤد کی روایت حسن بن عباس الرستمی سے کی ہے اور انھوں نے ابن احمد التستری سے اور انھوں نے محمد بن احمد بن علی بن شکرویہ سے اور ان دونوں نے اس کا سماع قاضی ابوعمر الہاشمی سے کیا اور انھوں نے ابوعلی اللؤلؤی سے اور انھوں نے اس کی سماعت براہ راست اس کے مصنف ابوداؤد سے کی۔[42]

محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن عشائرالحلبی کے تذکرے میں تقی الدین الفاسی تحریر کرتے ہیں: ''انھوں نے سنن أبی داؤد کے چند اجزاء کا مطالعہ فاطمہ بنت الملک المحسن احمد بن سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب سے کیا تھا۔''[43] حافظ ابن حجرؒ نے سنن کے ایک جزو کا مطالعہ مریم بنت احمد الاسدیہ کی نگرانی میں کیا۔ مریم نے اس کا سماع الدبوسی سے اور انھوں نے ابن المقیّر سے اور انھوں نے فضل بن سخن الاسفرائینی سے اور انھوں نے خطیب البغدادی سے اور انھوں نے ابوعمر القاسم بن جعفر بن عبدالواحد الہاشمی سے اور انھوں نے ابوعلی

محمد بن احمد بن عمر اللؤلؤی سے، جنھوں نے اس کا سماع براہ راست اس کے مصنف ابو داؤد سے کیا تھا۔[44]

سنن أبی داؤد کی ایک مشہور راویہ زینب بنت الکمال ہیں۔[45] ان سے منسوب اسناد کی بنیاد پر متعدد علماء بشمول موجودہ دور کے علماء نے اس کی روایت زینب کی سند پر کی ہے۔ زینب بنت الکمال نے **سنن نسائی** کی بھی روایت کی ہے۔[46]

سنن نسائی کے ملخص نسخے کا درس آمنہ بنت شیخ تقی الدین الواسطی دیا کرتی تھیں۔[47] ان کی اسناد میں یہ علماء حدیث شامل تھے: 'القبیطی ابوزرعہ، طاہر بن محمد بن طاہر، الدونی، ابونصر احمد بن الحسین بن الکستار، ابوبکر احمد بن محمد بن السنّی، جنھوں نے اس کا سماع براہ راست نسائی سے کیا۔[48]

ست الفقہاء ابراہیم الواسطیہ (م726) نے **سنن ابن ماجه** کی روایت کی۔[49] امام ظاہری رقم طراز ہیں: ''ست الفقہاء سے مروی احادیث کثیر تعداد میں ہیں۔ طلبہ نے ان سے **سنن ابن ماجه** اور دیگر کتب کا سماع کیا۔[50] ظاہری یہ اضافہ بھی کرتے ہیں: ''میں نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے لیے اس کی قرأت ان کی موجودگی میں کی۔''[51]

جہاں تک عالی اسناد کا تعلق ہے **سنن الدارمی**، **صحیح البخاری** سے فائق ہے۔ بعض علماء صحاح ستہ میں **سنن ابن ماجة** کے بجائے **سنن الدارمی** کا شمار کرتے ہیں۔ محدثات کے یہاں اس کو بھی قبول عام حاصل ہوا۔ حافظ ابن ناصر الدین نے امام دارمی کی **ثلاثیات** کی روایت ان اسناد پر کی ہے: ''ام عبداللہ زینب بنت شرف الدین عبداللہ بن عبدالحلیم ابن تیمیہ الحرّانی، ابو العباس احمد بن ابی طالب الحجّار، ابو المنجا، جن سے اس کی عالی اسناد بھی منسوب ہیں۔''[52]

ابو حفص سراج الدین عمر القزوینی تحریر کرتے ہیں: ''میں نے رجب 707 میں بغداد کے مشرق میں واقع باب المراتب میں ست الملوک فاطمہ بنت ابی تقی الدین بن ابی بدر کے سامنے **سنن الدارمی** کا مکمل مطالعہ کیا اور انھوں نے اس کا سماع مکمل طور پر ابوبکر محمد بن

مسعود بن بہروز الطبیب المارستانی سے ذی قعدہ 636 میں اور انھوں نے شعبان 553 میں جامع المنصور میں اس کا سماع ابوالوقت بن اوّل بن عیسیٰ الہراوی سے کیا اور انھوں نے جمادی الاخریٰ 464 میں ابوالحسن الداؤدی سے اور انھوں نے صفر 381 میں ابومحمد عبداللہ بن احمد السرخسی سے اور انھوں نے ابوعمران عیسیٰ بن عمر السمر قندی سے، اور انھوں نے اس کا سماع براہ راست اس کے مصنف امام دارمی سے کیا۔[53]

حافظ ابن حجر نے **سنن الدارقطنی** کے بعض اجزاء کا مطالعہ عائشہ بنت النجد ابی بکر البالیسیۃ سے کیا۔[54] ست العرب محمد بن البخاری (م 767) نے بیہقی کی **السنن الکبریٰ** کی روایت کی۔[55]

مسانید

زینب بنت الکمال نے **مسند أبی حنیفة** کی روایت ان اسناد کی بنیاد پر کی: "ابوالخیر محمد بن احمد بن عمر الباغبانی، انھوں نے ابوعمر عبدالوہاب بن مندہ سے اور انھوں نے اس کی روایت اپنے والد سے کی۔"[56]۔**مسند أبی حنیفة** کا یہ نسخہ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی سے منسوب ہے۔

ست الوزراء بنت امّ التنوخیۃ اور زینب بنت سلیمان الاسعر دی نے **مسند امام شافعی** کا مکمل سماع ابن زبیدی سے کیا، جنھوں نے اس کی روایت ابوزرعہ سے کی۔[57] عجیبہ نے **مسند الحمیدی** کی روایت کی ہے۔ ابوحفص سراج الدین عمر بن علی القزوینی کہتے ہیں: "میں نے ابوعبداللہ محمد بن عبدالحسن المصری الازجی سے اور انھوں نے عجیبہ الباقداریہ سے کی اور انھوں نے اپنی تمام اسناد حمیدی سے منسلک کیں۔[58] شہدہ نے مسند مسدّد کی روایت کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کی روایت خدیجہ بنت ابراہیم البعلبکیہ سے کی ہے اور انھوں نے قاسم ابن مظفر سے اور انھوں نے عبدالعزیز ابن دلف سے اور انھوں نے شہدہ سے اور انھوں نے ثابت بن بندر سے اور انھوں نے قاضی ابوالعلاء الواسطی سے اور انھوں نے ابومحمد عبداللہ بن محمد بن عثمان الواسطی کی سند پر کیا۔ ابومحمد نے اس کی روایت ابوخلیفہ کی سند پر کی ہے۔[59]

مسند احمد بن حنبل کی ایک ممتاز عالمہ زینب بنت مکّی تھیں۔ انھوں نے اس کا سماع ابو علی حنبلی احمد بن عبداللہ سے، انھوں نے ابوالقاسم ھبۃ اللہ بن محمد بن الحسین الشیبانی سے، انھوں نے بن علی الحسن بن علی بن المذھب البغدادی سے، انھوں نے ابو بکر القطیعی سے اور انھوں نے عبداللہ بن احمد سے کیا، جنھوں نے اس کا سماع براہ راست اپنے والد اور مصنف احمد بن حنبل سے کیا۔ [60]

ابوالفتح سید الناس نے امّ محمد زینب بنت احمد بن شکر المقدسیہ سے **مسند عبد بن حمید** کا سماع کیا اور انھوں نے ابوالمنجا عبداللہ بن عمر اللاتی سے اور انھوں نے ابوالوقت السجزی سے اور انھوں نے ابوالحسن الداؤدی سے اور انھوں نے عمر بن عبداللہ بن احمد حمویہ سے اور انھوں نے ابراہیم بن خزیم الشاشی سے کیا، جنھوں نے اس کا مطالعہ براہ راست عبد بن حمید سے کیا۔ [61]

فاطمہ بنت سعد الخیر (م 600) نے **مسند ابی یعلی** کی روایت کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس مسند کا مطالعہ ابوبکر بن ابراہیم بن قدامہ الفرائضی سے، انھوں نے العماد ابوبکر بن محمد الرضی سے اور احمد بن محمد بن معالی الزبدانی سے اور ان دونوں نے محمد بن اسماعیل الخطیب سے کیا، جنھوں نے اس کا سماع فاطمہ بنت سعد الخیر سے کیا اور انھوں نے اس کی روایت زاہد بن طاہر سے اور انھوں نے ابوسعد کنجروزی سے اور انھوں نے ابوعمر بن ہمدان سے اور انھوں نے براہ راست مصنف ابویعلی سے۔ [62]

زینب بنت شعبہ (م 615) نے **مسند السّراج** کی روایت کی اور ان سے سیدہ المارانیہ نے۔ ابوالفتح بن سید الناس نے اس کا مطالعہ امّ محمد سیدہ بنت موسیٰ بن عثمان المارانی کی شاگردی میں کیا۔ وہ رقم طراز ہیں: ''اس نسخہ کی روایت ہم سے ان چار شیوخ نے کی: ابوبکر الصفار، ابوروح عبد المعز الہروی، اسماعیل القاری اور زینب بنت عبدالرحمٰن الشعری''۔ زینب بنت الصفار اور القاری نے اس کا مطالعہ ابوبکر وجیہ بن طاہر سے اور ابوروح اور زینب نے اس کا مطالعہ زاہد بن طاہر کی نگرانی میں کیا۔ صرف زینب نے اس کی روایت ابوالمظفر عبدالمنعم

القشیری سے کی ہے۔ ان تمام شیوخ نے اس کا مطالعہ ابوالحسین الخلّاف کی نگرانی میں کیا اور انھوں نے اس کا سماع اس کے مصنف ابوالعباس الثقفی السراج سے براہ راست کیا تھا۔ [63]

معاجم اور مشیخات

فاطمہ الجزدانیہ (م 524) نے طبرانی کے دونوں معاجم صغیر و کبیر کی روایت کی ہے۔ زیادہ تر علماء نے ان دونوں معاجم کی روایت فاطمہ ہی کی سند پر کی ہے۔ حافظ ضیاء الدین المقدسی کا قول ہے: ''میں نے **معجم صغیر للطبرانی** کا مطالعہ اسد بن ابی الفتوح بن روح سے اور انھوں نے فاطمہ سے اور انھوں نے ابن رذاہ سے اور انھوں نے براہ راست طبرانی سے اس کا سماع کیا۔ [64] ضیاء کے مطابق اسعد نے طبرانی کے **المعجم الکبیر** کی روایت بھی فاطمہ سے کی ہے۔ [65] فاطمہ کے شاگردوں میں بالخصوص فاطمہ بنت سعد الخیر ان دونوں معاجم کی تدریس کے لیے معروف تھیں۔ [66] حافظ ابن حجر نے طبرانی کے **المعجم الأوسط** کا مطالعہ عبداللہ بن عمر الحلّاوی سے کیا، جو کہ زینب بنت الکمال سے مروی ہے۔ زینب نے اس کی روایت یوسف بن خلیل سے اور انھوں نے خلیل بن بدر الرارانی سے اور انھوں نے ابوعلی الحدّاد سے اور انھوں نے ابونُعیم سے کہ، جنھوں نے اس کا سماع براہ راست طبرانی سے کیا۔ [67]

عائشہ بنت معمر نے **معجم أبی یعلی** کی روایت کی ہے۔ حافظ ضیاء المقدسی رقم طراز ہیں: ''میں نے **معجم أبی یعلی** کا مطالعہ عائشہ بنت معمر کی نگرانی میں کیا اور انھوں نے اس کی روایت صحیح الصیرفی سے اور انھوں نے ابونصر الکسائی سے اور انھوں نے ابن المقری سے، اور انھوں نے اس کا سماع براہ راست اس کے مصنف سے کیا۔ [68] الاسماعیلی کے **معجم** کی روایت شہدہ نے ابومنصور محمد بن الحسین بن الحارثہ سے کی ہے، جنھوں نے اس کا مطالعہ ابوبکر البرقانی کی نگرانی میں کیا اور انھوں نے اس کا سماع الاسماعیلی سے براہ راست کیا۔ [69]

شہدہ نے ابن شاذان کی **مشیخۃ** کی بھی روایت کی ہے۔ [70] حافظ ابن حجر نے ابن عبدالدائم کی **مشیخۃ** کا مطالعہ فاطمہ اور حبیبہ کی نگرانی میں کیا۔ یہ دونوں ابراہیم بن عبداللہ

بن ابی عمر کی بیٹیاں تھیں۔انھوں نے اس کی براہ راست سماعت عبدالدائم سے کی تھی۔[71]
زینب بنت الکمال نے شہدہ کی **مشیخة** کی روایت کی۔تاج الدین سبکی رقم طراز ہیں: ''میں نے زینب سے شہدہ کی **مشیخة** کا مطالعہ کیا۔زینب سے اس کی روایت ابراہیم بن محمد بن الخیر، محمد بن مقبل، محمد بن عبدالکریم بن السیدی اور الاغر ابن فضائل بن العلیق سے کی اور ان سب نے اس کی سماعت شہدہ سے کی تھی۔[72] حافظ ابن حجر نے خطیب مردا کی **مشیخة** کی روایت امّ احمد تاتار بنت العزّ محمد التنوخیہ سے کی اور انھوں نے زینب بنت الکمال سے، جنھوں نے اس کا سماع براہ راست خطیب مردا سے کیا۔[73]

الاربعینات

فاخرہ البغدادیۃ (چھٹی صدی) نے النسوی کی **الأربعین** کی روایت کی۔حافظ ضیاء الدین المقدسی کا قول ہے: ''میں نے حسن بن سفیان کی **الأربعین** کا مطالعہ مؤید بن محمد الطّوسی سے اور انھوں نے فاخرہ البغدادیہ سے اور انھوں نے عبدالغافر سے اور انھوں نے ابن ہمدان سے اور انھوں نے حسن بن سفیان سے اس کا سماع کیا۔محبّ ابن ہلالہ رقم طراز ہیں کہ طوسی کے فاخرہ سے سماع سے متعلق دستاویز ان کی نظر سے گزری تھیں۔[74]۔امّ عمرو حفصہ بنت محمد بن ابی زید حمکا نے ابن المقری کی **الاربعین** کی روایت حسین بن ابوملک الخلال اور ان کے عم زاد بختیار بن محمد سے، ان دونوں نے اس کی روایت عبدالرزاق بن عمر بن موسیٰ بن شامہ التاجر سے اور انھوں نے اس کا براہ راست سماع اس کے مصنف ابوبکر محمد بن ابراہیم بن علی بن عاصم بن المقری سے کیا۔[75]

محمد بن مسلم الطّوسی کی **الاربعین** کا مطالعہ حافظ ابن حجر نے عمر بن محمد البالیسی کی نگرانی میں کیا۔جنھوں نے اس کی روایت زینب بنت الکمال سے اور انھوں نے اس کا سماع عجیبہ بنت محمد سے، جنھوں نے اس کی روایت مسعود بن حسن سے اور انھوں نے عبدالرحمٰن بن محمد بن اسحاق اور انھوں نے اس کی روایت ظاہر بن محمد السرخسی سے کی ہے، جنھوں نے اس کی 35 احادیث کا سماع محمد بن وکیع سے، جنھوں نے اس کا مکمل سماع محمد بن اسلم سے کیا۔

[76] حافظ ابن حجر **الأربعون البلدانية المخرجة من المعجم الصغير للطبرانی** کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''میں نے اس کا مطالعہ ابوالعباس احمد بن علی بن عبدالحق سے اور انھوں نے حافظ ابوالحجاج المزّی سے، انھوں نے اس کا سماع محمد بن عبدالمؤمن السوری اور زینب بنت مکّی سے کیا، ان دونوں نے اس کی روایت اسعد بن سعید بن روح اور عائشہ بنت معمر سے کی ہے۔ ان دونوں نے اس کی روایت فاطمہ الجردانیہ سے کی اور انھوں نے ابن رذاہ سے اور انھوں نے اس کی روایت براہ راست اس کے مصنف طبرانی سے کی۔[77]

اجزاء

بعض اجزاء اپنی اعلیٰ اسناد کے باعث محدثین کے یہاں بہت مقبول ہوئے۔ مثلاً **صحیفةهمام بن منبة، جزء الانصاری، جزء ابن عرفة** اور **غیلانیات**۔ ان اجزاء کے درس وتدریس میں خواتین بھی مکمل طور پر شریک رہیں۔ حفصہ بنت ملاعب الازجیہ نے **صحیفۂ همام بن منبة** کی روایت کی، شیخ ابوحفص سراج الدین عمر بن علی القزوینی نے اس کا مطالعہ ابن عمر محمد بن الحسن المقری الازجی سے اور انھوں نے حفصہ بنت ملاعب سے 608 میں کیا۔ حفصہ نے اس کی روایت ابوالفضل محمد بن عمر العرماوی سے اور انھوں نے ابو الغنائم عبدالصمد بن ابی القاسم الہاشم سے 465 میں کیا اور انھوں نے اس کا مطالعہ 385 میں امام ابوالحسن دارقطنی کی نگرانی میں کیا، جنھوں نے اس کا مطالعہ قاضی عمر محمد بن عمر الازدی سے صفر 319 میں کیا اور انھوں نے اس کی روایت حسن بن ابی الربیع سے اور انھوں نے ہمام بن منبہ سے۔ ان کا قول تھا ''یہی سب کچھ ہے جو ابوہریرہؓ نے رسول ﷺ کے ذریعہ ہم تک پہنچایا۔''[78]

شہدہ نے **جزء ابن عرفة** کی روایت کی۔ حافظ ابن حجر نے اس کا مطالعہ ابوبکر بن ابراہیم بن قدامہ الفرائضی سے ان کی اسناد کے ساتھ کیا اور ان سے محمد بن عبدالکریم بن السیدی نے، جنھوں نے ان حضرات سے اس کی روایت سنی۔

نقشہ نمبر 4 (حسن بن عرفہ (م 257) سے زینب بنت اسماعیل الخباز (م 749) تک جزعرفۃ کی ترسیل خواتین کے مابین)

حسن بن عرفہ (م 257)

-اسماعیل الصفّار

-ابوالحسن بن مخلد

-ابوالقاسم بن بیان

-احمد بن ابی الوفاء

-عبدالحق بن خلف

-ست الفقہاء الواسطیۃ (م 726)

-عبدالمنعم بن کلیب

-یوسف بن ابی الفرج

-اسماء بنت ابی بکر (م 707)، دمشق

-عبدالعزیز بن محمد الانصاری

-زینب بنت عمر الختانی (م 730)

-النجیب عبداللطیف الحرّانی (م 672)، قاہرہ

-فاطمہ بنت اسماعیل (م 742)

-خدیجہ بنت عثمان (م 734)

-عبدالرحمٰن الیلدانی

-زینب بنت یحییٰ (م 735)

-احمد بن عبدالدائم

-نفیسہ بنت ابراہیم (749)

-فاطمہ بنت عبیداللہ (م 732)

-فاطمہ بنت عبدالدائم (م 734)

-فاطمہ بنت ابی بکر (م 726)

- فاطمہ بنت ابراہیم (م 747)
- ست العرب بنت علی (م 734)
- ست العرب بنت عبداللہ (م 722)
- زینب بنت عماد الدین (م 726)
- زینب بنت الکمال (م 740)
- خدیجہ بنت حازم (م 723)
- حبیبہ بنت ابراہیم المقدسیہ (م 745)، دمشق
- حبیبہ بنت احمد المقدسیہ (م 703)
- حبیبہ بنت عبدالرحمٰن المقدسیہ (م 733)
- جلیلہ بنت ابراہیم
- اسماء بنت محمد بن الکمال (م 723)، دمشق
- اسماء بنت صصراء (م 733)، دمشق
- اسماء بنت احمد المصری (م 737)
- فاطمہ بنت محمد الحرّانیہ
- زینب بنت اسماعیل الخبّاز (م 749)

محمد بن عبدالکریم بن سیدی نے اس کا سماع عبداللہ بن احمد المثنیٰ سے اور انھوں نے شہدہ سے اور انھوں نے طراد ابن محمد الزینبی سے، حسین بن احمد بن طلحہ، ابوسعد بن خشیش اور ابن بیان سے کی، جب کہ اس کی اسناد ابن عرفہ تک منسلک ہیں۔[79]

جزء الانصاری

یہ زینب بنت مکّی 688 سے مروی ہے۔ محمد بن محمد بن سعد الدین کے تذکرے کے ذیل میں حافظ ابن حجرؒ رقم طراز ہیں: ''میں نے محمد کے جزء الانصاری کے ابوالحسین علی بن ایوب بن منصور المقدسی کی نگرانی میں مطالعہ کی دستاویز دیکھی ہے۔ ابوالحسن نے اس کا مطالعہ زینب

بنت مکّی سے کیا اور انھوں نے اس کا سماع سند کے ساتھ ابن طبرزد سے کیا۔[80]

نقشہ نمبر 5 (خواتین کے درمیان جزء الانصاری کی روایت محمد بن عبداللہ الانصاری (م215) سے زاہدہ بنت ابی بکر الصحر اوی (م749) تک)

محمد بن عبداللہ الانصاری (م215)، بصرہ

-ابو مسلم ابراہیم بن عبداللہ الکاجّی (م292) بغداد

-عبداللہ بن ابراہیم بن ایوب بن ماسی (م369)، بغداد

-ابواسحاق ابراہیم البرمکی (م445)، بغداد

-ابوبکر محمد بن عبدالباقی الانصاری (م535)

-ابوالیمن الکندی (م613)

-ست العرب بنت یحیٰ (م684)، دمشق

-عمر بن طبرزاد (م607)، بغداد

-ابوالحسن ابن البخاری، (م690)، دمشق

-آمنہ بنت ایدغدی

-رقیّہ بنت محمد الحریری

-آسیہ بنت احمد بن عبدالدائم (م687)، دمشق

-زینب بنت مکّی (م688)، دمشق

-اسماء بنت ابی بکر الصحر اوی (م749)، دمشق

زینب بنت العالم احمد بن الکامل المقدسی (م697) نے الغیلانات کی روایت کی۔[81] تاجنی وہبانیہ (م575) نے حدیث المخرمی و المروزی [82]، أمالی المحاملی [83]، جزء هلال بن محمد الحفّار [84]، کتاب الصمت از ابن ابی دنیا [85] اور دیگر اجزاء کا مطالعہ کیا۔ عزیزہ بنت علی (م600) نے نسخہ طالوت کی روایت کی ہے۔[86] کریمہ بنت عبدالوہاب القرشیہ (م641) نے جزء لوین کی روایت کی ہے۔[87] اور عائشہ بنت علی بن عمر الضہاجیہ (م747) نے جزء البطاقة کی روایت کی

ہے۔[88]

نقشہ نمبر 6 (غیلانیات کی خواتین کے ذریعہ روایت ابوبکر الشافعی (م354) سے زینب بنت مکّی (م688) تک

ابوبکر الشافعی (م354)

-فاطمہ بنت الھلال الکرجی

-ابوطالب ابن غیلان (م440)

-زینب بنت الاقرع (م493)، بغداد

-شجاع بن فارس الذھلی (م507)، بغداد

-نور العین بنت ابی بکر (م587)، بغداد

-ھبۃ اللہ الشیبانی (م525)، بغداد

-زینب بنت عبدالوہاب (م588)، بغداد

-ضوء الصباح بنت المبارک (م585)، بغداد

-عبدالوہاب بن سکینہ (م607)، بغداد

-آسیہ بنت احمد بن عبدالدائم (م687)، دمشق

-حبیبہ بنت ابی عمر (م674)، دمشق

-عمر بن طبرزاد (م607)، بغداد

-آسیہ بنت احمد بن عبدالدائم (م687)، دمشق

-زینب بنت احمد بن کامل (م687)، دمشق

-ست العرب بنت یحیٰ (م684)، دمشق

-فاطمہ بنت عمادالدین (م683)، دمشق

-زینب بنت مکّی (م688)، دمشق

مسلسلات

جیسا کہ اس سے قبل ذکر کیا جا چکا ہے، مسلسلات متعدد ہیں اور بعض مرتب شدہ شکل میں ہیں، لہٰذا ہمیں ان کے راویوں کا بھی علم ہے اور یہ بھی کہ ان سے مروی احادیث مستند مجموعہ ہائے احادیث میں شامل ہیں۔ مثال کے طور پر ہند بنت محمد بن علی الارماوی نے ست العرب بنت محمد بن الفتح سے مسلسلات ابراہیمی سے روایت کی اور انھوں نے اپنے دادا سے اور انھوں نے ابوالیمن الکندی سے، جنھوں نے اس کی روایت ست الخیاط سے اور انھوں نے اس کی روایت براہ راست اس کے مصنف سے کی۔ [89]

المسلسل بالاوّلیة تمام مسلسلات میں سب سے زیادہ روایت کی گئی ہے اور آج بھی علماء اور اساتذہ اپنے شاگردوں کو پہلی حدیث کے طور پر اس کی روایت کرتے ہیں۔ کثیر تعداد میں یہ خواتین سے بھی مروی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے جن خواتین سے اس کو اخذ کیا ہے ان کا تذکرہ ذیل میں دیا جا رہا ہے، جس سے خواتین کے **مسلسلات** سے انہماک کا اندازہ ہوتا ہے: سارہ بنت تقی الدین السبکی [90]، سوملک بنت الفخر عثمان بن غانم الجعفریہ [91]، مریم الاذرعیہ اور القلقشندی کی باندی غزال۔ [92]

مسلسل بالاوّلیة کے علاوہ خواتین سے مندرجہ ذیل مسلسلات بھی مروی ہیں: ''**مسلسل بالقرأة سورة الصف** ، **مسلسل بالسماع** اور **مسلسل بالأسودین**، امۃ اللہ الدہلویۃ (م 1357) نے **مسلسل بقبض اللحية** کی بھی روایت کی۔ اس مسلسل کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے راوی نے بعض الفاظ کی روایت کرتے ہوئے اپنی داڑھی کو پکڑ رکھا تھا۔ امۃ الدہلویۃ کے شاگرد شیخ یٰسین الفادانی نے روایت کی ہے کہ انھوں نے موصوفہ سے یہ مسلسل روایت کرتے ہوئے مشاہدہ کیا کہ وہ اپنی ٹھڈی پکڑے ہوئے تھیں۔

روایتوں کی کثرت

بعض خواتین کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے کثیر تعداد میں چھوٹی اور بڑی کتابوں کا درس دیا اور ان کی روایت کی۔ ان میں سے چند ممتاز نام یہ ہیں: شہدہ الکاتبۃ، عجیبہ الباقداریۃ،

زینب بنت الکمال، فاطمہ بنت المنجا، فاطمہ بنت محمد بن عبدالھادی اوران کی بہن عائشہ۔ فاطمہ بنت محمد بن المنجا (م803) نے جن کتب کا درس دیا اور روایت کی ان کی فہرست درج ذیل ہے:

صحيح البخارى

المعجم العلى للحافظ الحنبلى

معجم التقى سليمان بن حمزه بن أبى عمر

مشيخه ابى حفص سراج الدين عمر بن عبد الرحمن بن الحسين بن يحيىٰ بن عبد المحسن القبابى

كتاب السيرة النبويّة تهذيب ابن هشام من السيرة الكبرىٰ لابن اسحاق

جزء فيه ستة مجالس من أمالى أبى بكر محمد بن سليمان بن الحراث الباغندى الواسطى.

كتاب الأوائل لأبى بكر بن أبى شيبة

كتاب الأطعمة لعثمان بن سعيد الدارمى

كتاب القضاء و الشهود للنقّاش

كتاب فضائل الصحابة تخريج أبى البردانى من حديث أبى الفوارس طراد بن محمد الزينبى

كتاب فضائل الامام الشافعى لابن شاكر القطّان

جزء من حديث النقّاش، ابو مطعی کی ان سے روایت

كتاب الكرم والجود للبرجلانى

حديث الحسين بن محمد بن عبيد العسكرى

كتاب برّ الوالدين للبخارى

كتاب ذمّ اللواط للهيثم بن خلف الدورى

كتاب فضائل مالك ابن انس

كتاب فضل لأرمى للقرّاب

كتاب القناعة لأبى العباس احمد بن محمد بن مسروق
كتاب الفرائض المستخرجة من حديث سفيان بن سعيد الثورى
كتاب الخضاب لأبى بكر احمد بن عمر بن ابى العاصم.
كتاب العزلة و الانفراد لأبى بكر بن أبى الدنيا
كتاب ذمّ الملاهى لابن ابى الدنيا
كتاب العلم ليوسف بن يعقوب القاضى
كتاب القناعه لأبى بكر ابن ابى الدنيا
المعجم الكبير لأبى القاسم الطبرانى
كتاب الدعاء لأبى القاسم الطبرانى
كتاب أمثال الحديث للرامهرمزى
كتاب المداراة لابن أبى الدنيا
كتاب الاعتكاف لأبى الحسن الحمّامى
كتاب العشرة لأبى القاسم الطبرانى
كتاب الهداية لأبى اسحاق ابراهيم بن اسحاق الحربى
كتاب المروعة للضرّاب
كتاب العلم لأبى بكر احمد بن على بن سعيد المروزى
كتاب فضائل القرآن لابن الضريس
كتاب البكاء لجعفر بن محمد بن المستفاض الفريابى
كتاب المناسک للطبرانى
حديث المخلّص تخريج أبى الفتح بن أبى الفوارس
مشيخة يعقوب بن سفيان
حديث أبى بكر بن خلّاد
حديث عبدالله بن على السفونّى
مسند سعد بن أبى وقّاص، احمد بن ابراهيم الدورقى

عوالی عبدالرزّاق

کتاب الصلاه من مصنّف عبدالرزّاق

حدیث أبی محمد عبدالله بن عبد الرحمن العثمانی

فوائد الزبیر بن بکّار

حدیث احمد بن صالح المصری

حدیث علی بن حرب

انتخاب السلفی علی السرّاج

أمالی المحاملی من روایة الاصبهانیّین

حدیث أبی عمرو عثمان بن احمد بن السمّاک

حدیث أبی جعفر بن المنادی

فوائد أبو عمرو بن حمدان

الجواهر و اللآلی فی الأبدال والعوالی أبی القاسم بن عساکر

السفینة البغدادیة

حدیث حاجب بن احمد الطوصی

عوالی اللیث بن سعد

حدیث أبی محمد بن سعید

أمالی أبی مطیع

أبدال الحافظ الضیاء

حدیث علی بن الجعد

حدیث أبی الحسن علی بن احمد بن عمر الحمّامی

أمالی أبی القاسم عبد المالک بن محمد بن بشران

الثقفیّات

حدیث أبی جعفر محمد بن عمرو بن البختری

امالی ابن الجرّاة

حدیث الخراسانی
حدیث حنبل بن اسحاق الشیبانی
حدیث أبی محمد عبدالله بن علی الآبنوسی
أمالی الباغندی
مسند احمد بن منیع البغوی
حدیث علی بن عبد العزیز البغوی عن أبی عبید القاسم بن سلّام
حدیث أبی عبدالله محمد بن مخلد
حدیث أبی الحسن علی بن محمد الاسواری
حدیث مطیّن
أمالی أبی الحسن علی بن یحییٰ بن عبدکویه
فوائد أبی بکر محمد بن عبدالله بن الحسین الاصبھانی
حدیث أبی یعلیٰ احمد بن علی بن المثنّا
جزء کاکو
حدیث أبی نُعیم
المنتخب من حدیث أبی کریب محمد بن العلاء بن کریب
حدیث أبی الحسن علی بن زید بن علی بن شھریار
عوالی أبی الشیخ الأصبھانی
أمالی أبی الشیخ الاصبھانی
أمالی الاستاذ أبی طاھر محمد بن محمد بن محمش الزیادی
الأحادیث اللتی خولف فیھا مالک فی المؤطا لأبی الحسن الدارقطنی
حدیث أبی عبد الرحمن السلامی
أربعون حدیثاً من روایة ابی الفتح عبد الوھاب بن محمد بن الحسین الصابونی.
الأخبار و الحکایة و النوادر من روایة دعلج بن احمد

حديث أبی علی بن الصوّاف

عوالی کریمة بنت عبد الوهاب الزبیریة

الکنجروذیّات

فوائد زبیر بن أحمد السرخسی

فوائد سمّویة

أمالی أبی بکر محمد بن الحسن الشیرازی

حال أبی احمد العسکری للسلفی

حدیث أبی مسلم ابراهیم بن عبدالله بن مسلم الکجّی

کتاب الفتن لأبی مسلم ابراهیم بن عبدالله بن مسلم الکجّی

کتاب الأربعین لابن شنبویة

حدیث أسماء بنت احمد بن عبدالله البحرانیه

حدیث محمد بن جحاده

حدیث قتیبه بن سعید

حدیث أبی القاسم علی بن عبد الرحمن النیشاپوری (ابن علایک)

المنتقیٰ من عوالی ابراهیم بن عبد الرحمن الشیرازی

حدیث مامون بن هارون

حدیث أبی بکر بن المقری

حدیث أبی بکر احمد بن کامل القاضی أبی عبدالله محمد بن عبدالله بن أعلم، احمد بن عثمان الادمی

حدیث الضبّ لأبی القاسم الطبرانی

حدیث احمد بن عبد الغفّار بن اشته

مجالس أبی القاسم عبد الرحمن الحرفی

مسند کعب بن مالک و أبی ایّوب الانصاری من مسند أبی عمرو احمد بن حازم بن أبی غرزه الکوفی

حديث ابن أبی غرزه
كتاب الانتصار لامام الامصار لأبی الفضل محمد بن طاهر المقدسی
حديث سفيان الثوری و شعبة و مالک و أبی حنيفة و جماعة من المقلّين
اللبكائی
كتاب التفسير عن سفيان بن عيينة
حديث أبی الحسين محمد بن احمد الآبنوسی
حديث أبی يعلیٰ الخليل بن عبدالله الخليل القزوينی فی القهقهة و غيرها
فوائد يوسف ابن عاصم الرازی
حديث أبی بكر محمد بن أبی علی احمد بن عبد الرحمن الحمدانی
حديث نافع بن ابی نُعيم القاری
حال العبّاس لأبی طاهر السلفی
حديث أبی بكر بن خزيمة (فوائد الفوائد)
أمالی ابی القاسم عيسیٰ بن علی بن عيسیٰ بن الجرّاح
حديث أبی اسحاق ابراهيم بن محمد بن ابی ثابت
حديث أبی عمر عبدالله بن محمد بن عبد الوهاب
غرائب شعبة
مسند رقبة بن مصقلة لأبی القاسم الطبرانی
المعجم العلی لقاضی الحنبلی
نزهة الحفّاظ لأبی موسیٰ المدينی
حديث العطارودی لأبی نُعيم الاصبهانی
حديث الضياء من شيوخه
الذيل علی أحاديث العطرودی
حديث أبی سهل احمد بن محمد بن عبدالله بن زيد القطّان
حديث الحسن بن موسیٰ الاشيب

كتاب طرق من كذب عليَّ لابى محمد ابن سعيد

حديث ابن معروف عن شيوخه

كتاب طرق من كذب عليَّ للطبرانى

كتاب الأحاديث المختارة ممّا ليس فى الصحيحين أو احادهما للحافظ ضياء الدين محمد ابن عبد الواحد المقدسى

كتاب الأمر باتباع السنن لحافظ الضياء

مناقب أصحاب الحديث للحافظ الضياء

كتاب الطب النبوى للحافظ الضياء

طرق حديث الحوض لحافظ الضياء

فضل العشر و الأضحية للحافظ الضياء

كتاب النهى عن سبّ الأصحاب للحافظ الضياء

عوالى الأسانيد للحافظ الضياء

الرواح عن مسلم للحافظ الضياء

موافقات سليمان بن حرب للحافظ الضياء

موافقات روح ابن عباده للحافظ الضياء

موافقات عبدالله بن يزيد المقرى للحافظ الضياء

منتقاة من عوالى عبدالله بن بكر و عبدالله بن نمير و ابى عبد الرحمن المقرى

منتقاة من عوالى سعيد بن منصور

عوالى أبى عاصم الضحّاک بن مخلد

عوالى سليمان بن داؤد الهاشمى

عوالى أبى نُعيم الفضل بن دكين

منتقاة من الرواة عن البخارى

منتقاة من فضائل الشام

فضائل القرآن للحافظ الضياء

كتاب ذكر الحروف و الصوت للحافظ الضياء

كتاب الطب النبوی للحافظ الضياء

طرق حديث الحوض النبوی للحافظ الضياء

الرواة عن مسلم للحافظ الضياء

كتاب البعث للحافظ الضياء

منتقاة من كتاب الاختصاص فی أحوال الموقف و الاقتصاص للحافظ الضياء

الأبدال العوال للحافظ الضياء[93]

خواتین کی روایتوں کے مجموعے

متعدد عالمات سے مروی احادیث اور روایات کے مجموعے جدا جدا طور پر مرتب کیے گئے ہیں۔ چند مشہور مجموعوں کا مختصر تذکرہ ذیل میں درج ہے اور ان کا تعلق مختلف ادوار سے ہے۔

مسند عائشہؓ

حضرت عائشہؓ رسول اکرم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ تھیں۔ انھوں نے آپؐ سے متعدد احادیث بیان کی ہیں۔ مسند احمد بن حنبل میں حضرت عائشہؓ سے مروی 2045 احادیث ہیں۔ ابوبکر ابن ابی داؤد نے ان سے مروی ان احادیث کو جمع کیا ہے، جن کی روایت ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے اور انھوں نے حضرت عائشہؓ سے کی ہے۔ یہ مجموعہ ایک جزء کی شکل میں ہے اور مسند عائشة کے عنوان سے موسوم ہے۔ اس مجموعہ میں حضرت عائشہؓ سے مروی تمام احادیث شامل نہیں ہیں۔ اسی طرح ہشام بن عروہ کی اپنے والد سے اور ان کی حضرت عائشہؓ سے مروی تمام احادیث کا احاطہ بھی نہیں کیا گیا ہے۔ اس کا صرف ایک مخطوطہ موجود ہے، جس کا خط غیر واضح ہے اور اس میں بعض حواشی بھی درج ہیں۔ یہ مخطوطہ مکتبہ الظاہریہ دمشق میں محفوظ ہے۔ البتہ اس میں بعض نام ور علماء کی سماعت محفوظ ہے، مثلاً ضیاء المقدسی، ابن البناء، شمس

الدین السخاوی وغیرہ۔ اس مخطوطہ کو ابو الغفار عبد الحق حسین البالوشی نے مرتب و مدوّن کیا ہے۔ یہ سنہ 1405ھ/1985ء میں مکتبہ الاقصیٰ کویت سے شائع ہوا ہے۔

الاستيعاب لما استدركته عائشة على الأصحاب

احادیث کی روایت اور فتاویٰ کے اجزاء کے علاوہ حضرت عائشہؓ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ انھوں نے متعدد صحابہ کی روایات اور آراء پر تنقید کی ہے۔ ان کی تنقیدات کو امام ابو منصور عبدالمحسن بن محمد بن علی الشحی البغدادی (م479) نے ایک جزء کی شکل میں مرتب کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس جزء کا تذکرہ بھی کیا ہے اور اس کی روایت بھی کی ہے۔[94]

عزیر شمس نے اس واحد مخطوطہ کو خدا بخش لائبریری پٹنہ سے حاصل کرنے کے بعد اس کو مرتب و مدوّن کیا اور یہ دار السلفیۃ، بمبئی سے 1416 ہجری/1996 عیسوی میں شائع ہوا۔ بدرالدین زرکشی (م794) نے اس کا بیشتر حصہ اپنی تصنیف **الاجابة لايراد ما استدركتهٔ عائشةؓ على الصحابة** میں شامل کیا ہے۔

یہ تصنیف دمشق سے 1939 میں سعید الافغانی کی ترتیب و تدوین کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اس کا تیسرا ایڈیشن بیروت سے 1400ھ/1980ء میں شائع ہوا ہے۔ حافظ سیوطی (م911) نے زرکشی کی تصنیف کی تلخیص ''**عين الاصابة فى استدراك عائشة على الصحابة**'' کے نام سے کی ہے۔

یہ تصنیف 1396ھ/1976ء میں اعظم گڑھ (ہندوستان) سے سیرت عائشہؓ از سید سلیمان ندوی کے ضمیمہ کے طور پر شائع ہوئی ہے۔ شومئ قسمت سے یہ ایڈیشن اغلاط سے پُر ہے۔

میں نے مذکورہ بالا تینوں کتابوں سے کسبِ فیض کیا ہے اور ان میں جا بجا اضافہ کیے ہیں اور ایک جامع تصنیف شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، جس کا عنوان ہے: **الاستيعاب لما استدركته عائشة على الأصحاب**۔

مسند فاطمة

حافظ جلال الدین سیوطی نے حضرت فاطمہؓ سے مروی تمام احادیث کو جمع کیا ہے اور ان احادیث کو بھی جن میں حضرت فاطمہؓ کی صفاتِ عالیہ کا ذکر ہے۔ یہ جزء کی شکل میں اس عنوان کے ساتھ موجود ہے: "**مسند فاطمة الزهراءؓ و ما ورد فی فضلها**"۔ اس میں 184 احادیث شامل ہیں، وہ بھی بغیر کسی ترتیب کے۔ اس میں 28 احادیثِ نبویؐ بھی شامل ہیں۔ سیوطی نے اس تصنیف پر کوئی مقدمہ تحریر کیا ہے نہ حواشی فراہم کیے ہیں۔

جزبیبا

یہ جزء ان احادیث کو محیط ہے جو عظیم اور معمر شیخہ امّ الفضل امّ العزّ ابیبا عبد الصمد الحرثمیہ الھر ویہ (م474) سے مروی ہیں۔ عبد الرحمٰن بن عبد الجبار الفریوائی نے اسے مرتّب و مدوّن کیا ہے اور یہ 1406 میں دار الخلفاء للکتاب الاسلامی کویت سے شائع ہوئی ہے۔ یہ 100 صفحات اور 119 احادیث پر مشتمل ہے۔ مرتّب کے مقدمہ میں بیبا کے سوانحی کوائف، ان کے اساتذہ اور مشہور تلامذہ کے نام بھی درج ہیں۔ یہ اعلیٰ پایہ کا جزء ہے۔ ذہبی کی رائے ہے کہ البیبا کا یہ جزء انھی کے نام سے منسوب ہے۔ [95] ابن رشید السبتی نے اپنی اسناد کے ساتھ اس کی روایت البیبا سے کی ہے۔ [96] حافظ ابن حجرؒ نے اس کا مطالعہ دو مرتبہ اپنے شیخ ابراہیم بن احمد التنوخی [97] کی نگرانی میں اور انھوں نے اپنے شیخ احمد بن ابی بکر بن عبد الہادی کی نگرانی میں [98] اور انھوں نے ابو ہریرۃ بن ذہبی کی نگرانی میں کیا۔ [99]

نقشہ نمبر 7 (جزء بیبا کی خواتین کے ذریعہ روایت بیبا بنت عبد الصمد الحرثمیہ (م477) سے عائشہ بنت عبد الہادی (م816) تک)

بیبا بنت عبد الصمد الحرثمیہ (م477)، ہرات
- ابو الوقت عبد الاول بن عیسیٰ الھر وی (م553)
- ابو المنجّا عبد اللہ بن عمر اللاتی (م635)

- خدیجہ بنت عبدالرحمٰن بن محمد المقدسی
- حبیبہ بنت شرف الدین بن ابی عمر
- صفیہ بنت محمد بن عیسیٰ
- خدیجہ بنت ابی الفضل سلیمان
- حبیبہ بنت عبدالرحمٰن بن محمد
- فاطمہ بنت عبدالعزیز بن عبدالملک
- خدیجہ بنت عبدالعزیز بن عبدالملک
- صفیہ بنت احمد بن ابی عبداللہ
- زینب بنت عبداللہ بن عمر
- زینب بنت عبدالرحمٰن بن محمد
- خدیجہ بنت عیسیٰ
- عائشہ بنت محفوظ بن ہلال
- امۃ العزیز خدیجہ بنت یوسف بن غنیمہ
- صفیہ بنت سعید
- فاطمہ بنت عبدالغنی
- زینب بنت عبدالرحمٰن بن عیاش
- زینب بنت جابر بن حبیب الخبّاز
- ابوالعبّاس احمد بن ابی طالب الحجّار (م 730)، دمشق
- عائشہ بنت عبدالہادی (م 816)، دمشق

جزء بیبا کو ہر دور میں قبول عام حاصل رہا اور اس کے درس میں شرکاء کی بڑی تعداد رہی۔ دوشنبہ 24 شوال 633 کو الجامع المظفری قاسیون دمشق میں اس جزء کی قرأت ابوالمنجا عبداللہ بن عمر اللتی نے کی۔ اس میں شرکاء کی تعداد 338 تھی۔ [100]

مشیخہ شہدہ

شہدہ بنت ابی نصر احمد بن الفرج البغدادی الابری (م 574) کی مشیخۃ ان کی زندگی میں ان کے شاگرد عبدالعزیز بن محمود بن المبارک بن الاخضر نے 524-611 نے مرتب کی۔

اس میں کل 117 روایات ہیں، جن میں سے اکثر احادیث نبوی ہیں۔ شہدہ نے 27 روایات اپنے شیوخ کی سند پر بیان کی ہیں۔ ترکی میں محفوظ واقع کتب خانہ کپر یلی میں 26 صفحات پر مشتمل اس مخطوطہ کو ڈاکٹر رفعت فوزی عبدالمطلب نے مرتب کیا ہے اور یہ 1415ھ/ 1994ء میں قاہرہ سے شائع ہوا ہے۔ یہ ایک معروف مشیخہ ہے۔ شہدہ کے بارے میں ذہبی رقم طراز ہیں: ''ان سے منسوب ایک مشیخہ ہے، جس کا ہم نے مطالعہ کیا ہے۔'' [101] حافظ ابن حجر نے اس کا مطالعہ ابراہیم التنوخی سے، انھوں نے ابوالعباس الحجار، حافظ ابوالحجاج المزّی، عبدالرحمٰن بن محمد بن الفتح اور محبّ عبداللہ بن المحب کی نگرانی میں ان کی اسناد کے ساتھ کیا۔ [102]

مشیخہ خدیجہ

خدیجہ بنت القاضی الانجب ابوالمکارم المفضل ابن علی المقدسی (م618) کی اس مشیخہ کو حافظ ذکی الدین منذری نے مرتب کیا اور اس کی قرأت خدیجہ کی موجودگی میں کی۔ [103]

مشیخہ کریمہ

یہ مشیخہ عظیم شامی شیخہ امّ الفضل کریمہ بنت ابی محمد عبدالوہاب القرشیہ الزبیریۃ (م641) سے منسوب ہے۔ حافظ ابوعبداللہ الجرجانی نے 8 اجزاء میں اسے مرتب کیا ہے۔ [104] ذہبی نے اس کا مطالعہ کیا تھا۔ [105] کریمہ سے منسوب ایک اور جزء ہے، جس میں عالی اسناد کے ساتھ ان سے مروی احادیث شامل ہیں۔ اس جزء کا مطالعہ ابن حجر نے فاطمہ بنت محمد الدمشقیۃ کی نگرانی میں کیا۔ [106] مآخذ میں ایک تیسرے جزء کا بھی ذکر ملتا ہے، جس کا عنوان ہے:
أحاديث مساواة و مصافحات و موافقات و أبدال و أحاديث أعوال. [107]

مشیخہ عجیبہ

ممتاز اور معمر شیخہ ضوء الصباح عجیبہ بنت ابی بکر الباقداریہ (م643) کی اس مشیخہ کے بارے میں ذہبی تحریر کرتے ہیں: ''وہ منفرد تھیں اور ان کی مشیخہ دس اجزاء پر مشتمل ہے۔ [108] ابوحفص سراج الدین عمر بن علی القزوینی نے اس کی روایت متعدد اساتذہ سے کی، جن میں

قابل ذکر یہ ہیں: راشد الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی القاسم البکری، شمس الدین محمد بن ناصر بن احمد بن حلاوہ، ابو بکر بن عبداللہ الانبری، عفیف الدین محمد بن عبد المحسن بن عبد الحسن بن عبدالغفار الازجی، شرف الدین ابومحمد عیسیٰ بن عبد الرحمٰن المعالی بن حمد بن المطعم اور ست الملوک فاطمہ بنت علی بن علی بن ابی البدر۔[109]

مشیخہ سیدہ المارانیۃ

یہ مشیخہ سیدہ بنت موسیٰ بن عثمان بن درباس المارانیۃ (م695) سے منسوب ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کے جزء دوم کا زین الدین العراقی اور نور الدین الہیثمی کی نگرانی میں مطالعہ کیا۔[110] عبدالحئ الکتانی نے بھی اس کی روایت کی ہے۔[111]

جزء نضار بنت ابی حیّان

نضار بنت ابی حیّان (م730) نے دمیاطی اور زبیدی کے تلامذہ کے ایک گروہ سے اکتساب علم کیا۔ ان کو اساتذہ کے ایک گروہ سے اجازہ حاصل ہوا۔ تدریسِ حدیث کے علاوہ انھوں نے اپنے اس مجموعہ کو بھی ترتیب دیا۔[112]

مشیخہ وجیہہ السعیدیۃ

وجیہہ بنت علی بن یحییٰ بن سلطان الانصاریۃ السعیدیۃ الاسکندرانیۃ کی اس مشیخة کے بارے میں حافظ ابن حجر رقم طراز ہیں: ''تقی الدین بن عرام نے اس مشیخه کو مرتب کیا۔ اس کے ایک جزء کا مطالعہ میں نے تاج الدین بن موسیٰ کی نگرانی میں کیا، جنھوں نے اس کی سماعت وجیہہ سے کی تھی۔ رافع نے اس سے قبل ان کی ایک مشیخہ کو مرتب کیا تھا۔[113] حافظ ابن حجر نے اس مکمل مشیخہ کا مطالعہ محمد بن احمد بن عبد الرزاق الاسکندرانی کی نگرانی میں کیا۔[114] حافظ عبدالحئ الکتانی (م1382) نے بھی اس کی روایت کی ہے۔[115]

مشیخہ زینب السلمیۃ

زینب بنت الخطیب یحییٰ بن عزالدین بن یزید بن عبدالسلام السلامی الدمشقیۃ (م735)

کی اس مشیخۃ کی روایت علماء نے کثرت سے کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا مطالعہ ابو بکر بن ابراہیم الفرائضی کی نگرانی میں کیا تھا۔[116]

مشیخہ زینب بنت الکمال

حافظ ابن الحیّ الکتّانی نے مشیخۃ زینب بنت الکمال احمد بن عبدالرحیم بن الواحد بن احمد المقدسی (م740) کی اس مشیخۃ کی روایت کی ہے۔[117]

ابن حجر رقم طراز ہیں: "میں نے مشیخۃ زینب بنت الکمال کے دو ضخیم اجزاء کا مطالعہ عمر بن محمد البالیسی کی نگرانی میں کیا۔ اس کی تالیف محمد بن یحییٰ بن سعد نے کی ہے۔[118] زینب سے منسوب ایک اور مشیخہ مشیخۃ المشائخ ہے، جس کی روایت حافظ ابن عبدالحیٔ الکتانی نے اپنی سند کے ساتھ حافظ ابن حجر سے کی۔ انھوں نے اسے امۃ محمد آس بنت احمد بن حسن سے اور انھوں نے خود زینب بنت الکمال سے اس کو روایت کیا ہے۔[119] زینب بنت الکمال سے منسوب ایک جزء ہے، جو منتخب احادیث پر مشتمل ہے۔ اس کے بارے میں عبدالحیٔ الکتانی کی رائے ہے: "میرے پاس امّ عبداللہ زینب بنت الکمال کا ایک جزء ہے، جو احادیث پر مشتمل ہے اور جس کی تالیف عالم الدین البرزالی نے کی ہے۔ اس میں 31 احادیث شامل ہیں اور بعض ائمہ کا سماع بھی مذکور ہے۔[120]

زینب بنت الکمال کی ایک اور تصنیف موفقات العالیات مؤلفہ البرزالی ہے۔ اس کا حوالہ ابن حجر نے اپنے شیخ ابراہیم بن محمد بن بکر الصالحی کے ذیل میں ان الفاظ میں کیا ہے: "میں نے اپنے شیخ سے موفقات زینب بنت الکمال مؤلفہ البرزالی کے جز دوم کا مطالعہ کیا ہے۔"[121] ابن حجر نے مکمل موفقات زینب کا مطالعہ ان اساتذہ کی نگرانی میں کیا: "حسن بن محمد البعلی الحنبلی۔[122] خدیجہ بنت ابی بکر الکوری[123]، علی بن غازی بن علی الصالحی الکوری[124]، عمر بن محمد البالسی[125]، محمد بن محمود السمار۔[126] انھوں نے اس کے بعض اجزاء کا مطالعہ عبدالقادر الارماوی[127] اور عمر بن محمد المقدسی[128] کی شاگردی میں کیا۔

مشیخہ فاطمہ بنت فاطمہ بنت ابراہیم المقدسیہ

حافظ عبدالحیٔ الکتانی نے اس مشیخۃ کی روایت کی ہے، جو کہ فاطمہ بنت ابراہیم بن عبداللہ بن الشیخ ابی عمر المقدسیہ (م 747) کی تصنیف ہے۔ انھوں نے اس کی روایت سند کے ساتھ حافظ ابن حجر سے اور انھوں نے محمد بن ابراہیم الارماوی سے اور انھوں نے خود فاطمہ سے کی ہے۔[129]

مشیخہ زینب بنت الخبّاز

ابن جعفر نے امّ عبداللہ زینب بنت اسماعیل بن ابراہیم الخبّاز (م 749) کی اس مشیخہ کی روایت اپنے شیخ عثمان بن محمد بن عثمان الترکی سے کی اور انھوں نے اس کا سماع خود زینب سے کیا۔[130] عبدالحیٔ الکتانی نے اپنی سند کے ساتھ اس کی روایت حافظ ابن حجر سے کی۔[131]

معجم مریم النبلوسیۃ

حافظ ابن حجر نے امۃ اللہ مریم بنت عبدالرحمٰن النبلوسیۃ (م 758) کے اس معجم کی تالیف کی۔ ہاجر بنت شرف المقدسیہ سے اس کی روایت عبداللہ بن عمر الحلاوی سے اور انھوں نے ابوعبداللہ محمد بن الغالی الدمیاطی سے اور انھوں نے براہ راست مریم سے کی۔

اس کے نامکمل نسخہ کو مجدی السید ابراہیم نے مرتب کیا ہے، جو مکتبہ القرآن قاہرہ سے 80 صفحات پر مشتمل شائع ہوا ہے۔ مریم کے مسند کے کل 24 اجزاء میں سے اس کتاب میں صرف ایک جزء شامل ہے۔ یہ افسوس کہ مؤلف نے دیگر اجزاء کی بابت کوئی اطلاع فراہم نہیں کی ہے۔

معجم مریم الاذراعیۃ

مریم بنت احمد بن محمد بن ابراہیم الاذراعیہ (م 805) سے منسوب اس معجم کو حافظ ابن حجر نے ایک جلد میں جمع اور مرتب کیا ہے۔[132]

مشیخہ حسنہ الطبریۃ

حسنہ بنت ابی الیُمن محمد بن شہاب احمد الطبری المکیۃ (م808) کی اس مشیخۃ کی روایت حافظ عبدالحیٔ الکتانی نے کی ہے۔ کتانی نے اپنی سند کے ساتھ حافظ ابن حجر سے کی اور انھوں نے اس کا سماع براہ راست حسنہ سے کیا۔[133]

مشیخہ عائشہ بنت ابن الہادی

عبدالحیٔ الکتانی نے اس مشیخۃ کا ذکر کیا ہے۔[134] اور اپنی اسناد کے ساتھ اس کی روایت زکریا الانصاری، جلال الدین سیوطی اور کمال ابن حمزہ سے اور ان سب نے تقی الدین ابن فہد سے اور کمال محمد بن محمد بن زین سے اور ان دو مؤخر الذکر علماء نے اس کا سماع براہ راست عائشہ سے کیا۔[135]

مشیخہ فاطمہ بنت خلیل

یہ مشیخۃام الحسن فاطمہ بنت خلیل بن احمد بن محمد الکنانی (م838) سے منسوب ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کی تالیف کی اور اپنے ایک اور استاذ کی مشیخہ کے ساتھ اس کو منسلک کر کے اسے یہ عنوان دیا **المشیخۃ الباسمۃ للقبابی و فاطمۃ** ۔اس مشیخہ کا ذکر حافظ سخاوی [136]، نجم ابن فہد[137] اور دیگر علماء نے کیا ہے۔ حافظ عبدالحیٔ الکتانی نے اسناد کے ساتھ اس کی روایت ابن حجر سے کی۔ انھوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس کا نصف مسودہ ان کی ملکیت میں ہے، جو کہ دراصل حافظ سخاوی کا تصحیح شدہ نسخہ ہے۔[138] 2002ء میں دارالفرفور نے اسے دمشق سے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد مطیع الحافظ نے اس کے واحد نسخہ، جو برلن کے کتب خانہ میں دست یاب ہے، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کو مرتب کیا ہے۔ یہ نسخہ قاہرہ میں 865 میں محمد بن محمد بن عبدالقادر النبلوسی کے قلم سے ہے، جو کہ حافظ ابن حجر کے شاگرد تھے۔ اس مشیخہ میں 166 شیوخ کا تذکرہ ہے، جن میں سے 52 قبابی اور فاطمہ دونوں کے مشیخۃ میں مشترک ہیں، جب کہ قبابی نے 84 اور فاطمہ نے 30 مختلف شیوخ کا تذکرہ کیا ہے۔ غرض یہ کہ قبابی نے 136 اور فاطمہ نے 82 شیوخ کا تذکرہ کیا ہے۔[139]

مشیخہ عائشہ بنت الاعلیٰ حنبلی

یہ مشیــــخۃ عائشہ بنت الاعلیٰ علی بن محمد حنبلی (م840) سے منسوب ہے۔ زین الدین رضوان نے اس کے ایک جزء کی تالیف کی ہے اور اس کی ابتداء المسلسل بالاولیۃ سے ہوئی۔ اس مشیخہ میں عائشہ سے مروی ایسی اعلیٰ پایہ کی احادیث شامل ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ اور عائشہ کے مابین صرف 9 یا 10 راوی ہیں۔ [140] نجم الدین ابن فہد رقم طراز ہیں: ''شیخ رضوان نے عائشہ سے مروی 40 احادیث کی تالیف کی ہے۔'' [141]

مشیخہ زینب بنت الیافعی

زینب بنت عبداللہ بن اسعد الیافعی (م846) کی اس مشیــخۃ کو نجم الدین ابن فہد نے جمع اور مرتب کیا ہے۔ کتانی نے اس کا تذکرہ اس عنوان سے کیا ہے: **الفوائد الهاشمية** اور اپنی اسناد کے ساتھ اس کی روایت ابن طولون سے اور انھوں نے محمد بن ابی الصدق سے اور انھوں نے براہ راست زینب سے کی ہے۔ [142] نجم الدین ابن فہد زینب سے مروی احادیث کو اس برمحل عنوان کے تحت مرتب کیا ہے: ''**احادیث تساعیات الأسناد وعشریات الاسناد**'' [143]۔ کتانی نے اپنی اسناد کے ساتھ اس کی روایت ابوالبقا محمد بن العماد العمری سے اور انھوں نے ابن فہد سے اور انھوں نے خود زینب سے کی ہے۔ [144]

مشیخہ اسماء المھرانیۃ

یہ مشیــــخۃ اسماء بنت عبداللہ بن محمد المھرانیۃ الدمشقیۃ (م867) سے منسوب ہے۔ شہاب الدین احمد بن خلیل اللبودی الدمشقی نے اس کو مرتب کیا ہے۔ [145] نجم الدین بن فہد نے اس کا تذکرہ ایک مختلف عنوان کے تحت کیا ہے: ''**فتح الأسماء الریانی فی مشیخة أسماء بنت المهرانی.**'' [146] حافظ عبدالحئ الکتانی نے اپنی سند کے ساتھ اس کی روایت شمس الدین طولون سے، انھوں نے یوسف بن حسن عبدالہادی سے اور انھوں نے براہ راست اسماء سے کی ہے۔ [147]

الاربعون از امّ الکریم انس عبدالکریم

یہ مجموعہ امّ الکریم بن احمد اللخمی (م 867) سے منسوب ہے۔ امّ الکریم حافظ ابن حجر کی اہلیہ تھیں۔ الاربعون کی تالیف حافظ سخاوی نے کی ہے اور انھوں نے اس کی قرأت امّ الکریم کی موجودگی میں کی۔[148]

مشیخہ زاہدہ بنت الظاہری

زاہدہ بنت محمد بن عبداللہ الظاہری سے منسوب اس مشیخہ کو مقاتلی نے مرتب کیا ہے۔[149] زاہدہ نے ابراہیم ابن الخلیل سے احادیث اخذ کیں اور ابن الجنیدی، الشاوی، ابن الحباب اور دیگر ائمہ سے اجازے حاصل کیے۔

حمیدہ کی حدیث سے متعلق تحریریں

حمیدہ بنت محمد شریف بن شمس الدین الاصبہانیہ (م 1087) حدیث کے موضوع پر اپنی تحریروں کے لیے معروف ہیں۔ ان کی تصانیف میں شیخ الطوسی کی **الاستبصار** پر ان کے حواشی ہیں۔ ان حواشی کی علماء کے یہاں بڑی قدر و منزلت ہے اور انھوں نے اس کے جا بجا حوالے دیے ہیں۔[150] حدیث کے راویوں پر مشتمل ایک تبصرہ بھی حمیدہ سے منسوب ہے، جس کا عنوان ہے: **رجال حمیدة**.[151]

خنساء کے حواشی

خنساء بنت بکّار بن علی المعافری (م 1159) نے ابن حجر کی **الاصابة فی تمییز الصحابة** پر حواشی تحریر کیے ہیں۔[152]

مشیخہ الست فاطمہ

اس مشیخہ کا مکمل عنوان یہ ہے: **الفهارس القائمة فی أسانید الست الفاطمة**۔ شیخ محمد یٰسین الفادانی (م 1410) نے اس کی روایت محمد بن ارشد بن سعد سے اور انھوں نے براہ راست

ست فاطمہ سے کی ہے۔[153]

خواتین اساتذہ کی عالی اسناد

محدثین کے یہاں اساتذۂ حدیث کے درمیان مرد اور خواتین کے مابین کوئی تفریق نہیں برتی جاتی تھی۔ انھوں نے خواتین سے مروی احادیث کو بھی اسی طرح لفظ بہ لفظ محفوظ کیا، جیسا کہ مرد محدثین سے۔ بعد کے ادوار میں عالی اسناد کی تلاش اور تعیین میں عالمات کا مطالعہ مزید انہماک کے ساتھ کیا گیا۔ اگر اپنے دور میں کسی شیخہ نے دیگر شیوخ کی بہ نسبت طویل عمر پائی تو وہ طلبہ کی توجہ کا مرکز بنتی اور وہ اس شیخہ کے اردگرد عالی اسناد کے حصول کے لیے مجتمع ہوتے۔ محدثین کے یہاں عالی اسناد کی تلاش ایک معروف حقیقت ہے۔ حاکم نے متعدد ایسی مثالیں بیان کی ہیں جن کے مطابق صحابہ نے عالی اسناد کے حصول کے لیے علمی اسفار کیے۔ حاکم کے بقول یہ تلاش وتحقیق سنّت ہے۔

عالی اسناد کی تین اقسام ہیں:

(ا) اگر اسناد مستند ہوں، یعنی ہر سلسلہ روایت مستند اور مسلسل ہو تو یہ رسول اکرم ﷺ سے قربت کا مظہر ہے۔ بالعموم بخاری اور رسول اکرم ﷺ کے مابین صرف پانچ یا چھ راوی پائے جاتے ہیں۔ بعض احادیث میں راویوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ اور بعض میں اس سے کم بھی ہے۔ البتہ **صحیح البخاری** میں ایسی بائیس احادیث ہیں جن میں بخاری اور رسول اکرم ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ یہ **صحیح البخاری** کی اعلیٰ ترین اسناد ہیں۔ ان میں سے ایک درج ذیل ہے: ''مکّی بن ابراہیم عن یزید بن ابی عبید عن سلامہ بن الاکوع۔ بعد کے ادوار میں متعدد احادیث کی روایت خواتین اساتذہ کی سند پر کی گئی ہے۔ اس کی بدولت اسناد مختصر تر ہوئیں۔ مثال کے طور پر دسویں صدی کے عالم ابو الفتح الاسکندری نے درج ذیل حدیث نبویؐ روایت کی ہے: ''جس کسی نے بھی اس شجر کے نیچے بیعت کی وہ جہنم میں نہیں داخل ہوگا۔'' اس حدیث کی اسناد یہ ہیں: ''حافظ ابن حجر عن ابی اسحاق التنوخی عن ابی العباس عن حجار عن ابی المنجا بن التی عن ابی الوقت السجزی عن ابی عبداللہ الفارسی عن ابی محمد بن ابی

شریح عن ابی القاسم البغوی عن ابی الجہم الباہلی عن اللیث بن سعد عن ابی الزبیر عن جابر بن عبداللہ عن رسول اللہ"۔

"عائشہ بنت عبدالہادی عن ابی العباس عن الحجّار عن ابی المنجا بن التی عن ابی الوقت السجزی عن ابی عبداللہ الفارسی عن ابی محمد بن ابی شریح عن ابی القاسم البغوی عن ابی الجہم الباہلی عن اللیث بن سعد عن ابی زبیر عن جابر بن عبداللہ عن رسول اللہ"۔

عائشہ بنت عبدالہادی حجار کی آخری شاگردہ تھیں۔غرض یہ کہ آپ کے ذریعہ اسناد ابوالفتح الاسکندری کے لیے دوسروں کی بہ نسبت اعلیٰ تر ہیں۔

(۲) عالی اسناد معروف امام سے قربت کا بھی پیمانہ ہے۔ ہمارے دور میں اگر علماء صحیح البخاری کی روایت عائشہ المقدسیہ (م816) کے ذریعہ کریں تو ان کے اور امام بخاری کے درمیان ایک راوی دیگر اسناد کے مقابلہ میں کم ہوجائے گا۔اسی طرح اگر علماء امام طبرانی کی یہ حدیث فاطمہ الجزدانیۃ (م525) کے ذریعہ کریں تو دیگر اسناد کے مقابلہ میں ایک راوی کم ہوجائے گا۔امام طبرانی سے اخذ کردہ احادیث کے لیے فاطمہ کی اسناد اعلیٰ ترین ہیں۔

(۳) مختلف کتبِ حدیث میں اسناد کے عالی ہونے کا ذکر ہے۔ مثال کے طور پر صحاح ستہ اور دیگر معروف کتبِ حدیث میں۔ امام بخاری کے ذریعہ کسی حدیث کی روایت ضروری نہیں کہ وہ عالی اسناد پر مشتمل ہو۔اس صفت عالی کو مختلف زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے، جو اصول حدیث کی کتب میں درج ہیں۔ صراحت کے لیے یہاں صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ حافظ ابوالفضل العراقی (م805) نے ایک حدیث تین اسناد سے روایت کی ہے: بخاری سے، مسلم سے اور درج ذیل:

ست العرب بنت محمد بن علی المقدسی عن ابی الحسن علی بن البخاری عن ابی جعفر الصیدلانی عن فاطمہ الجزدانیۃ عن ابی بکر بن رذاہ عن ابی القاسم الطبرانی عن ابی مسلم الکشی عن ابی عاصم عن یزید بن ابی عبید عن سلمہ بن الاکوع۔

عراقی کے بموجب مذکورہ بالا حدیث، جس میں دو خواتین راویوں کا بھی ذکر ہے، وہ بخاری سے مروی حدیث سے ایک درجہ اور مسلم سے مروی حدیث سے دو درجہ اعلیٰ تر ہے۔[154]

حواشی

1۔ ابوداؤد، سنن، طہارۃ، باب صفة وضوء النبیؐ؛ ترمذی، جامع، طہارۃ، باب ما جاء أنہٗ یبدأ بمؤخر الرأس ؛ ابن ماجہ، سنن، طہارۃ، باب الرجل یستعین بوضوئہ فیصبّ علیه۔

2۔ بخاری، صحیح، طہارہ، باب من لم یتوضأ الّا من الغشی المثقل؛ مسلم، صحیح، صلاہ، باب ما عُرض علی النبیؐ فی صلوٰۃ الکسوف۔

3۔ ابن ماجہ، سنن، جنائز، باب ما جاء فی الطعام یبعث الی المیّت۔

4۔ بخاری، صحیح، صوم، باب صوم یوم الجمعة۔

5۔ ابونُعیم اصبہانی، معرفة الصحابة، جلد5، ص 277۔

6۔ مسلم، صحیح، حج، باب مایلزم من طاف بالبیت و سعیٰ من البقاء علی الاحرام و ترک التحلّل؛ النسائی، سنن، مناسک، باب ما یفعل من أحلّ بالعمرۃ و اھدی؛ ابن ماجہ، سنن، مناسک، باب فسخ الحج۔

7۔ ابوداؤد، سنن، فرائض، باب نسخ میراث العقد بمیراث الرحم۔

8۔ مسلم، صحیح، فتن، باب قصّة الجسّاسة؛ ابوداؤد، سنن، ملاحم، باب فی خبر الجسّاسه؛ ترمذی، جامع، فتن؛ ابن ماجہ، سنن، فتن، باب فتنة الدجّال۔

9۔ مسلم، صحیح، فتن، باب الخسف بالجیش الذی یؤم البیت۔

10۔ ایضاً، فضائل، باب ذکر حوض النبیؐ۔

11۔ مسلم، صحیح، طلاق، باب وجوب الاحداد فی عدة الوفاة وتحریمه فی غیر ذلک الّا ثلاثة ایّام۔

12۔ بخاری، صحیح، مغازی، باب حدیث الافک۔

13۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، جلد 22، ص 311۔

14۔ ابن حجر، الاصابة فی تمییز الصحابة، جلد 4، ص 252۔

15۔ مسلم، صحیح، طلاق، باب انقضاء عدّة المتوفیٰ عنها زوجها وغیرها بوضع الحمل۔

16۔ نسائی، سنن، طلاق، باب عدة الحامل المتوفّیٰ عنها زوجها۔

17۔ ترمذی، جامع، طلاق، باب ما جاء فی الحامل المتوفّیٰ عنها زوجها تضع۔

18۔ ابوداؤد، سنن، طهارة، باب الوضوء من مسّ الذکر؛ ترمذی، جامع، طهارة، باب الوضوء من مسّ الذکر؛ نسائی، سنن، طهارة، باب الوضوء من مسّ الذکر؛ ابن ماجہ، سنن، طهارة، باب الوضوء من مسّ الذکر۔

19۔ بیہقی، معرفة السنن و الآثار، جلد 1، ص 225۔

20۔ بخاری، صحیح، جنائز، باب غسل المیّت و وضوءه بالماء و السدر؛ مسلم، صحیح، جنائز، باب غسل المیّت؛ ابوداؤد، سنن، جنائز، باب کیف غسل المیّت؛ ترمذی، جامع، جنائز، باب ما جاء فی غسل المیّت؛ نسائی، مجتبا، جنائز، باب غسل المیّت بالماء و السدر؛ ابن ماجہ، سنن، جنائز، باب ما جاء فی غسل المیّت۔

21۔ مزّی، تهذیب الکمال، جلد 35، ص 316۔

22۔ ابوداؤد، سنن، جنائز، باب کیف غسل المیّت۔

23۔ ابن حجر، فتح الباری، جلد 3، ص 163۔

24۔ ترمذی، جامع، جنائز، باب ما جاء فی غسل المیّت۔

25۔ ابن حجر، فتح الباری، جلد 3، ص 164۔

26۔ بخاری، صحیح، طلاق، باب من جوّز الطلاق الثلاث۔

27۔ ترمذی، جامع، نکاح، باب فی من یطلّق امرأته ثلاثان فیتزوّجها آخر

فیتطلّقها قبل أن یدخل بها۔

28۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، جلد 18، ص 277۔

29۔ ابن العزوز، جهود المراة الدمشقية فی روایة حدیث شریف، ص 275، مکتبہ وزیر کبرلی، نمبر 362۔

30۔ ابن العزوز، جهود المرأه الدمشقیّه فی روایة حدیث شریف، ص 276، مخطوطہ، المکتبہ الظاہریہ، دمشق نمبر 357 حدیث۔

31۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 2، ص 77۔

32۔ ایضاً، ص 227۔

33۔ ایضاً، جلد 1، ص 55-354۔

34۔ ایضاً، جلد 1، ص 5-354؛ جلد 2، ص 280-279-230,279؛ تقی الدین الفاسی، ذیل التقیید، جلد 1، ص 50,113,115,119,122-123,149,146,151,153,162, 195,183-84,164-65,209,203,199, ۔

35۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 2، ص 351۔

36۔ ابن حجر، المعجم المفهرس، ص 29-27۔

37۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 2، ص 350۔

38۔ ایضاً، جلد 1، ص 369۔

39۔ ایضاً، جلد 2، ص 18-14۔

40۔ الذهبی، سیر أعلام النبلاء، جلد 23، ص 45۔

41۔ مطیع الحافظ، الجامع المظفری، ص 591۔

42۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 2، ص 23-322۔

43۔ تقی الدین الفاسی، ذیل التقیید، جلد 1، ص 97۔

44۔ ابن حجر، المعجم المفهرس، ص 29۔

45۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، ص 80-479۔

46۔ ایضاً،ص 80-479۔

47۔ ایضاً،جلد 1،ص 31-230۔

48۔ ایضاً،ص 05-104۔

49۔ تقی الدین الفاسی،ذیل التقیید،جلد 2،ص 76-375۔

50۔ ذہبی،الجزء المفقود من سیر أعلام النبلاء،ص 492۔

51۔ ایضاً۔

52۔ دیکھیے: مجموع فیه رسائل الحافظ ابن ناصر الدین الدمشقی، ص 286۔

53۔ سراج الدین القزوینی، المشیخة،مخطوطہ،45۔

54۔ ابن حجر، المجمع المؤسس،جلد 2،ص 358۔

55۔ تقی الدین الفاسی،ذیل التقیید،جلد 2،ص 375۔

56۔ ابن حجر، المجمع المؤسس،جلد 2،ص 83-482۔

57۔ ایضاً،جلد 2،ص 56-555۔

58۔ القزوینی، المشیخة،مخطوطہ،44۔

59۔ ابن حجر، المجمع المؤسس،جلد 1،ص 76-475۔

60۔ دیکھیے المصعد الأحمد فی ختم مسند أحمد ،المسند کی ابتداء میں۔

61۔ دیکھیے الراوندی،ابو الفتح الیعمری،جلد 1،ص 58-256۔

62۔ ابن حجر،المجمع المؤسس،جلد 1،ص 83-482۔

63۔ دیکھیے الروندی،ابو الفتح الیعمری،جلد 1،ص 56-255۔

64۔ ضیاء الدین المقدسی،ثبت المسموعات،ص 77۔

65۔ ایضاً،ص 78-77۔

66۔ ابن حجر،المجمع المؤسس،جلد 2،ص 114۔

67۔ ایضاً، جلد 2، ص 58۔

68۔ ضیاء الدین المقدیسی، ثبت المسموعات، ص 87۔

69۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 1، ص ص 10-109۔

70۔ کتانی، فهرس الفهارس، جلد 2، ص 626۔

71۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 1، ص 446۔

72۔ سبکی، معجم الشیوخ، ص 79-678۔

73۔ ابن حجر، المعجم المفهرس، ص 202۔

74۔ ضیاء الدین المقدیسی، ثبت المسموعات، ص 78۔

75۔ دیکھیے۔ ابن المقری کی الأربعون کے آخری جلد کی سماعت جو جمهرة الأجزاء الحدیثیة میں شامل ہے، ص ص 30-129۔

76۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 2، ص 340۔

77۔ ابن حجر، المعجم المفهرس، ص ص 11-210۔

78۔ قزوینی، المشیخة، مخطوطہ، ص ص 6-75۔

79۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 1، ص ص 16-504۔

80۔ ایضاً، جلد 2، ص ص 60-459۔

81۔ ایضاً، جلد 2، ص 261۔

82۔ ایضاً، ص ص 20-19۔

83۔ ایضاً، جلد 2، ص 234۔

84۔ ایضاً، جلد 2، ص 346۔

85۔ ایضاً، جلد 2، ص 497۔

86۔ ایضاً، جلد 2، ص 54۔

87۔ محمد بن جابر وادی آش، البرنامج، ص 240۔

88۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 1، ص ص 25-124۔

89۔ ایضاً، جلد 3، ص 360۔

90۔ ابن حجر، المعجم المفهرس، ص 162۔

91۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 1، ص 617۔

92۔ ابن حجر، المعجم المفهرس، ص ص 22-221۔

93۔ مجموع فیہ رسائل للحافظ ابن ناصر الدین الدمشقی، ص 98-296؛ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 2، ص 343-389؛ المعجم المفهرس، 56، 60,65,71,95,109,111,124-5,137-38,175 ص 183,222,238,255,257, 266,317,325,344,353,364؛ عبدالحیٰ الکتّانی، فهرس الفهارس، جلد 2، ص 615-17, 937۔

94۔ ابن حجر، المعجم المفهرس، ص 59۔

95۔ ذہبی، العبر، جلد 2، ص 336۔

96۔ ابن رُشید السبتی، ملء العیبة، جلد 5، ص 223۔

97۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 1، ص 119۔

98۔ ایضاً، جلد 1، ص 272۔

99۔ ایضاً، جلد 1، ص 152۔

100۔ الجامع المظفری، ص 12-509۔

101۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، جلد 20، ص 542۔

102۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 1، ص 45-144۔

103۔ منذری، التکملة، جلد 3، ص 42۔

104۔ تاریخ الاسلام (641-650)، ص 94۔

105۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، جلد 23، ص 93۔

106۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد 2، ص 418۔

107۔ مطیع الحافظ، الجامع المظفری، ص 337۔

108۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، جلد 23، ص 233۔

109۔ قزوینی، المشیخة، مخطوطہ، 136۔

110۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد2، ص210۔

111۔ کتّانی، فهرس الفهارس، جلد2، ص653۔

112۔ ابن حجر، الدرر الكامنة، جلد4، ص395۔

113۔ ایضاً، جلد4، ص406۔

114۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد2، ص492۔

115۔ کتّانی، فهرس الفهارس، جلد2، ص654۔

116۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد1، ص493۔

117۔ کتّانی، فهرس الفهارس، جلد2، ص653۔

118۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد2، ص347۔

119۔ کتّانی، فهرس الفهارس، جلد2، ص644۔

120۔ ایضاً، جلد2، ص660۔

121۔ ابن حجر، المجمع المؤسس، جلد1، ص237۔

122۔ ایضاً، جلد1، ص566۔

123۔ ایضاً، جلد1، ص588۔

124۔ ایضاً، جلد2، ص270۔

125۔ ایضاً، جلد2، ص347۔

126۔ ایضاً، جلد2، ص544۔

127۔ ایضاً، جلد2، ص232۔

128۔ ایضاً، جلد2، ص322۔

129۔ کتّانی، فهرس الفهارس، جلد2، ص654۔

130۔ ابن حجر، المعجم المفهرس، ص208۔

131۔ کتّانی، فهرس الفهارس، جلد2، ص654۔

132۔ ابن حجر، الدرر الكامنة، ص88۔

133۔ کتّانی، فهرس الفهارس، جلد2، ص655۔

134۔ ایضاً،ص 653۔

135۔ ایضاً،ص 864۔

136۔ سخاوی، الضوء اللامع، جلد 12،ص 91۔

137۔ ابن فہد، معجم الشیوخ،ص 406۔

138۔ کتانی، فهرس الفهارس، جلد 2،ص ص 36-635۔

139۔ ایضاً۔

140۔ سخاوی، الضوء اللامع، جلد 12،ص 78۔

141۔ ابن فہد، معجم الشیوخ،ص 323۔

142۔ کتانی، فهرس الفهارس، جلد 2،ص 653۔

143۔ ابن فہد، الدرر الکامن،ص 1443۔

144۔ کتانی، فهرس الفهارس، جلد 1،ص 294۔

145۔ سخاوی، الضوء اللامع، جلد 12،ص 6۔

146۔ ابن فہد، معجم الشیوخ،ص 397۔

147۔ کتانی، معجم الفهارس، جلد 2،ص 653۔

148۔ سخاوی، الجواهر والدرر، جلد 3،ص 1211۔

149۔ ابن حجر، الدرر الکامنه، جلد 2،ص 113۔

150۔ افندی، ریاض العلماء، جلد 5،ص 404۔ الحکیمی، عین النساء،ص 98؛ ریاحین الشریعة، جلد 4،ص 185۔

151۔ الطہرانی، الذریعة، جلد 10،ص 14۔

152۔ ابن حجر، الاصابة، مخطوطہ الخزانہ الحسنیۃ، نمبر 5932۔ ممدوح، أعلام القاصی و الدانی،ص 66۔

153۔ الحکیم، معرفة علوم الحدیث،ص 9-8۔

154۔ ابوالفضل العراقی، الأربعین العشاریّة،ص 50-149۔

بابِ ہشتم

خواتین اور درایتِ حدیث

گزشتہ ابواب میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ محدثات اپنے علم اور تقویٰ کے لیے معروف تھیں۔ اس باب میں جرح اور تعدیل کے بارے میں ان محدثات کے کارناموں، روایتوں اور شہادتوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔ غرض یہ کہ یہاں حدیث کی درایت کے بارے میں ان کی خدمات کا تذکرہ مقصود ہے۔

راویوں کی اسناد کا جائزہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے: ''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی اہم خبر لائے تو اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو، مبادا کسی قوم پر نادانی سے جاپڑو، پھر تم کو اپنے کیے پر پچھتانا پڑے'' (سورہ الحجرات آیت نمبر 6:49)

البتہ کسی بھی صورت میں اللہ نے زیادہ ظن سے کام لینے کی ممانعت بھی کی ہے اور غیبت کی مذمت انتہائی سخت انداز میں کی ہے۔ غیبت کو اپنے بھائی کے مردار گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے: ''اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، کیونکہ بعض گمان صریح گناہ ہوتے ہیں۔ اور ٹوہ میں نہ لگو۔ اور نہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ سو اس چیز کو تو تم نے ناگوار جانا! اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا، مہربان ہے'' (حجرات 12:49)

ممتاز تابعی محمد بن سیرین رقم طراز ہیں: ''دین کا انحصار علم ہی پر ہے، لہٰذا جن سے تم اپنا

دین اخذ کرو ان کے بارے میں محتاط رہو۔'' [1] امام نوویؒ کا قول ہے: دین کے تحفظ کے لیے جرح اور تعدیل جائز ہے۔ [2] خطیب بغدادی نے اس نکتے پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے تحریر کیا ہے: ''بعض افراد نے ائمہ اور علماء کی ان آراء پر اعتراض کیا ہے جن میں کسی راوی کے ضعیف یا غیر معتبر ہونے یا اس کے کسی اور عیب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان کے مطابق یہ غیبت میں داخل ہے۔ اگر یہ عیوب ان راویوں میں واقعتاً موجود تھے تو یہ غیبت ہے اور اگر وہ ان عیوب سے مبرّا تھے تو یہ تہمت کے حکم میں داخل ہے۔ اس سلسلہ میں ابو ہریرہؓ سے مروی یہ حدیث قابل توجہ ہے کہ رسول اللہؐ سے دریافت کیا گیا غیبت کسے کہتے ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا: ''اپنے بھائی کا اس طور پر ذکر کرنا کہ اسے ناگوار گزرے۔'' سائل نے مزید استفسار کیا کہ اگر یہ عیب واقعی میرے بھائی میں ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے جواب دیا: ''اگر یہ عیب واقعی تمہارے بھائی میں ہے تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر یہ عیب اس میں نہیں ہے تو تم نے اس پر تہمت لگائی۔'' لہٰذا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے، کیوں کہ علماء کی یہ متفقہ رائے ہے کہ صرف ہوش مند اور حق گو شخص کی روایت قابل قبول ہے۔ راوی کا معتبر ہونا لازمی ہے، لہٰذا اس سے جرح کا جواز ثابت ہوتا ہے کہ روایت کے بارے میں اس کی حق گوئی کی تحقیق کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنّت بالکل واضح ہے۔ وہ ہمارے قول کی تصدیق اور ہمارے مخالفین کے اعتراض کی تردید کرتی ہے۔'' [3]

خطیب نے پھر ایک خاتون کا تذکرہ کیا ہے، جس نے رسول اکرم ﷺ سے مشورہ کیا کہ دو اشخاص نے اس کو نکاح کا پیغام دیا ہے۔ ان میں وہ کس کو ترجیح دے؟ خاتون نے کہا: ''معاویہ بن ابی سفیانؓ اور ابو جہمؓ نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔'' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جہاں تک ابو جہم کا تعلق ہے وہ اپنی گردن سے اپنا عصا کبھی نہیں ہٹاتا اور معاویہؓ نادار ہے، جس کے پاس کوئی ساز و سامان نہیں، تم اسامہ بن زیدؓ سے نکاح کرلو۔'' اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی نیک مقصد کے لیے جرح کی جاسکتی ہے۔

غیبت اس شکل میں ممنوع ہے، جب کہ عیوب کا تذکرہ اس کو ذلیل کرنے کے لیے کیا جائے۔

دورِ اوّل ہی سے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا یہ وطیرہ تھا کہ وہ راویانِ حدیث پر تبصرہ کرتے۔ شعبہ، جن کو حدیث میں امیر المومنین سے ملقّب کیا گیا ہے، انھوں نے جرح اور تعدیل کو ایک متعین عمل اور طرزِ فکر کی شکل دی۔ یحییٰ بن سعید القطّان اور دیگر علماء نے جرح اور تعدیل کا فن ان حضرات سے کسب کیا: شعبہ، یحییٰ، ابن معین، علی بن المدینی اور احمد بن حنبل۔ اس فن کو مندرجہ ذیل ائمہ نے مزید استحکام بخشا: بخاری، ابوزرعہ، رازی، ابوحاتم، مسلم اور دیگر علماء۔ ابوبکر بن خلّاد نے یحییٰ بن سعید القطّان سے کہا: ''کیا تمھیں اس کا خوف نہیں کہ جن افراد کی احادیث تم ترک کردیتے ہو وہ اللہ کے سامنے تمہارے خلاف دعویٰ کریں گے؟'' یحییٰ نے جواب دیا: ''یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ کہتے ہوئے قصوروار ٹھہرائیں کہ تم نے میری احادیث میں کذب کی آمیزش کو کیوں نہیں دور کیا؟'' [4]

بحیثیت مجموعی حدیث اور سنّت کو غیر معتبر اور جعلی روایات سے محفوظ رکھنے کی ضرورت اس امر پر غالب آئی کہ کسی راوی کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جو اسے ناگوار گزریں یا اس کی شہرت کو داغدار کریں۔ ابن حجرؒ نے راویوں کو بارہ زمروں میں منقسم کیا ہے۔ ان میں چھ مثبت قسم کے اور چھ منفی قسم کے ہیں۔ ابن حجر کی اس درجہ بندی کو امت نے بالعموم تسلیم کیا ہے:

(۱) صحابہ بحیثیت راوی اس لیے قابلِ قبول ہیں کہ قرآن نے بطور اہلِ ایمان ان کی تعریف وتوصیف کی ہے۔

(۲) ایسے راوی جن کو تواتر کے ساتھ معتبر یا ثقہ یا حافظ تسلیم کیا گیا ہے۔

(۳) وہ راوی جن کو کم ازکم ایک مرتبہ ثقہ یا مستند یا عادل یا ثابت کی صفات سے متصف کیا گیا ہے۔

(۴) وہ راوی جن کے صدق کی بابت مثبت روایات موجود ہیں اور یہ بھی مذکور ہے کہ ان سے روایات اخذ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۵) وہ راوی جن کے صدق اور حفظ کی بابت مثبت روایات موجود ہیں۔

(۶) وہ راوی جن سے صرف چند احادیث مروی ہیں اور جن کی احادیث کو مسترد کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ یہ بھی مقبول کے حکم میں داخل ہیں۔

(۷) وہ راوی جن سے ایک سے زیادہ اشخاص نے روایت کی ہو، لیکن ان کے مستند ہونے کی وضاحت کے ساتھ توثیق نہیں کی گئی ہے، بلکہ انہیں مستور یا مجہول الحال بتایا گیا ہے۔

(۸) وہ راوی جن کے مستند ہونے کی شہادت معتبر حضرات نے نہیں دی ہے اور ان کو ضعیف کہا گیا ہے۔

(۹) وہ راوی جن سے صرف ایک شخص نے روایت کی ہے اور ان کے معتبر ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، ان کو مجہول کہا جاتا ہے۔

(۱۰) وہ راوی جن کا استناد مشکوک ہے اور ان کے بارے میں منفی روایات پائی جاتی ہیں ان کو ساقط یا متروک یا کم زور کہا جاتا ہے۔

(۱۱) وہ راوی جن کی کذب بیانی سے متعلق روایات پائی جاتی ہیں۔

(۱۲) وہ راوی جو جعلی احادیث وضع کرنے کے لیے بدنام ہیں، احادیث وضع کرنے کا اعتراف انھوں نے خود کیا ہے یا کسی اور ذریعہ سے ان کے بارے میں معلوم ہوا ہے۔[5]

خاتون راویوں کی تعدیل

ائمہ حدیث نے خاتون راویوں کو چھ مثبت اقسام میں شامل کیا ہے۔ ان میں سے بعض اعلیٰ ترین درجہ کے مستند اور معتبر راوی ہیں اور ان میں صحابیات، ازواج مطہرات اور رسول ﷺ کی صاحبزادیاں شامل ہیں۔ متعدد خواتین راوی دوسرے زمرے میں شامل ہیں۔ مثال کے طور پر عظیم فقیہہ، تابعیہ عمرہ بنت عبد الرحمٰن کے بارے میں ذہبی کی یہ رائے ہے: ''وہ ایک عالمہ فقیہہ اور باعلم خاتون تھیں۔'' [6] یحییٰ بن معین نے بھی ان کو معتبر گردانا ہے۔ [7] ایک اور

روشن مثال عائشہ بنت طلحہ کی ہے، جن کے بارے میں یحییٰ بن معین نے معتبر اور قابلِ اعتماد ہونے کا اظہار کیا ہے۔[8] متقدمین اور متاخرین میں سے متعدد خواتین اس زمرے میں شامل ہیں۔

علماء کی اکثریت نے متعدد خواتین راویوں کو تیسرے زمرے میں بھی شامل کیا ہے۔اس کی نمایاں مثال حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق ہیں۔عجلی (م261) کی ان کے بارے میں رائے ہے: "وہ ایک معتبر تابعیہ تھیں۔"[9] فاطمہ بنت المنذر کے بارے میں ان کی رائے ہے کہ وہ مدینہ کی ایک معتبر تابعیہ تھیں۔[10] صفیہ بنت ابی عبیدہ الثقفیہ کو انھوں نے ایک مستند مدنی فقیہہ کے طور پر تسلیم کیا ہے۔[11] دقرہ بنت غالب البصریۃ [12] اور قمیر بنت عمرو الکوفیۃ کو بھی انھوں نے معتبر تابعیہ کا درجہ دیا ہے۔[13]

چوتھے، پانچویں اور چھٹے زمرے میں علماء نے ان خاتون راویوں کو رکھا ہے: امینہ بنت انس بن مالک [14]، حبیبہ بنت میسرہ بن ابی خثیم [15]، حسنہ بنت معاویہ بن سلیمان الصارمیہ [16] حسن البصری کی والدہ خیرہ [17] اور دیگر متعدد خواتین۔

خاتون راویوں کی جرح

ساتویں سے بارہویں زمرہ میں شامل راویوں پر جرح کی گئی ہے۔ان میں وہ راوی بھی شامل ہیں جن کے معیار کے بارے میں مستند اطلاع نہیں ہے۔اس زمرہ میں ابو بکر صدیق کی باندی بہیّہ شامل ہیں۔ان سے مروی حدیث سنن ابی داؤد میں درج ہے[18]۔البتہ حافظ ابن حجر نے ان کو مجہول قرار دیا ہے۔[19]

بعض خاتون راویوں کو آٹھویں زمرے میں غلطی سے شامل کر دیا گیا تھا اور بعد میں اس غلطی کی تصحیح کر دی گئی، اس کی نمائندہ مثال عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص ہیں۔خطیب نے مالکؒ سے روایت کی ہے: "میں نے ان سے چند احادیث کے بارے میں استفسار کیا۔پھر ان کے ضعف کے باعث میں نے ان سے کوئی حدیث اخذ نہیں کی۔"[20] ائمہ حدیث کے بموجب مالکؒ سے منسوب یہ روایت غلط ہے، کیوں کہ مالک نے خود عائشہ سے اپنے مجموعہ

مؤطا میں احادیث روایت کی ہیں۔اس امر کی جانب حافظ ابوزرعہ العراقی نے توجہ مبذول کرائی۔ابن حبّان نے عائشہ سے ان کی اسناد کی تصدیق کی ہے اور بخاری نے بھی ان سے حدیث اخذ کی ہے۔[21] عجلی کی ان کے بارے میں یہ رائے ہے کہ وہ ایک مستند تابعیہ ہیں۔[22] صفدی نے ان کا شمار معتبر راویوں میں کیا ہے۔[23]

جہاں تک مجہول خاتون راویوں کا تعلق ہے اس کی ایک مثال اُنیسہ ہیں۔صفوان بن سلیمان نے ان سے روایت کی اور انھوں نے ابوسعید الفراء سے۔بخاری نے ان سے مروی حدیث اپنی تصنیف الادب المفرد میں شامل کی ہے۔ابن حجر نے ان کی بابت کہا ہے کہ وہ مجہول ہیں۔[24] بنانہ بنت یزید العبشمیہ نے عائشہ سے روایت کی ہے اور عاصم احول نے ان سے۔اُنیسہ کے بارے میں حافظ ابن حجر کی رائے ہے کہ وہ مجہول ہیں۔[25] اس زمرہ میں بعض خواتین کو غلطی سے شامل کر دیا گیا اور متاخر علماء نے اس غلطی کی اصلاح کی ہے۔مثلاً ابواسحاق السبیعی کی اہلیہ اور یونس بن ابی اسحاق کی والدہ عالیہ بنت عیفہ۔دار قطنی نے انہیں مجہول قرار دیا ہے۔[26] ابن حزم کی رائے میں بھی عالیہ ایک مجہول شخصیت ہیں۔[27] ابن عبدالبر کی رائے میں بھی یہ مجہول ہیں۔[28] البتہ ابن حبان نے ان کا شمار معتبر تابعیات میں کیا ہے۔[29] ابن الجوزی رقم طراز ہیں کہ عالیہ ایک مجہول خاتون ہیں۔ہمارا قول ہے کہ وہ ایک اعلیٰ منصب کی اور مشہور خاتون تھیں۔"[30]

ابن الترکمانی (م750) رقمطراز ہیں: "عالیہ ایک معروف شخصیت ہیں۔ان کے شوہر اور ان کے بیٹے دونوں نے ان سے احادیث بیان کی ہیں اور یہ دونوں علم حدیث میں طاق ہیں۔عائشہ کی احادیث کو ثوری، اوزاعی، ابوحنیفہ، مالک اور احمد بن حنبل نے قبول کیا ہے۔"[31]

جہاں تک متروک احادیث کی خاتون راویوں کا ذکر ہے اس کی مثال حکّامہ بنت عثمان بن دینار ہیں۔ابن حبّان عقیلی اور ذہبی نے ان سے مروی احادیث پر تنقید کی ہے۔[32]

جہاں تک گیارہویں اور بارہویں زمرہ میں راویوں کا معاملہ ہے ان پر احادیث وضع کرنے کا الزام ہے۔یہ امر اہم ہے کہ اس زمرہ میں ایک بھی خاتون نہیں۔ذہبی کی رائے ہے:

"مجھے معلوم نہیں کہ خواتین میں بھی کوئی ایسی ہے جس پر کذب بیانی کا الزام ہو یا اس کی حدیث ترک کر دیے جانے کا ذکر ہو۔" [33]

خواتین سے مروی احادیث کا جائزہ

مردوں کی طرح خواتین بھی متعدد زمروں میں شامل ہیں اور ان کے لیے ان معروف اصطلاحات کا استعمال عام ہے۔ مثلاً صحیح، حسن اور ضعیف۔ ان سے مروی احادیث کو مردوں سے مروی احادیث پر اس لحاظ سے ترجیح حاصل ہے کہ خواتین کے کوئی حدیث گھڑنے کی روایت نہیں ملتی۔ متعدد احادیث صرف خواتین سے مروی ہیں۔ روایت پسند علماء نے بھی ان کو تسلیم کیا ہے اور فقہاء نے ان کی آراء پر عمل بھی کیا ہے۔ اس کی چند مثالیں اس سے قبل کے ابواب میں پیش کی جا چکی ہیں۔ اس نکتہ کی وضاحت درج ذیل مثال سے ہوتی ہے:

"حاکم نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ عائشہ کے یہاں تشریف لائے۔ ان کے یہاں ایک پردہ ٹنگا ہوا تھا، جس پر چند تصاویر تھیں۔ اس پردے کو دیکھتے ہی آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپ نے خود اپنے ہاتھ سے اس پردے کو چاک کیا، اور فرمایا: "قیامت کے دن بدترین سزا پانے والے وہ بدبخت ہوں گے جو تخلیق الٰہی کی نقل کرتے ہیں۔" اس پر حاکم کا تبصرہ ہے کہ یہ صحیح سنّت ہے۔ [34]

متعدد معاملات میں ائمہ حدیث نے خواتین سے مروی احادیث کو مردوں سے مروی احادیث پر اس لیے ترجیح دی ہے کہ خواتین سے مروی احادیث کی اسناد عالی ہیں اور ان کی روایات غلطیوں سے مبرّا ہیں۔ حاکم نے انس بن مالکؓ کی سند پر یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ گر پڑے جس سے آپ کا داہنا پہلو زخمی ہو گیا۔ پھر آپ نے بیٹھے بیٹھے نماز کی امامت کی اور ہم لوگوں نے بھی بیٹھ کر نماز ادا کی۔ نماز کے اختتام پر آپ نے فرمایا: "امام کی اتباع کرنی چاہیے، جب وہ نماز کے لیے کھڑا ہو تو تم بھی کھڑے ہو اور جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو جب وہ سجدہ سے اٹھے تو تم بھی اٹھو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز ادا کرو۔" [35]

البتہ حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے کہ مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ کر نماز ادا کی۔ جب کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان کی اقتدا میں کھڑے ہوکر نماز ادا کی۔ حاکم کا بیان ہے کہ ائمہ حدیث نے حضرت عائشہؓ کی روایت کو حضرت انسؓ کی روایت پر ترجیح دی ہے، کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی روایت دیگر راویوں کی روایت سے بھی متفق ہے۔[36]

ائمہ حدیث نے خواتین سے مروی بعض احادیث میں اغلاط کی نشان دہی کی ہے، البتہ ان اغلاط کے لیے اصل راوی خاتون ذمہ دار نہیں، بلکہ دیگر راویوں نے خلط ملط کر دیا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں ہیں، جن میں سے ایک مندرجہ ذیل ہے:

وہب بن جریر نے شعبہ سے، انھوں نے حکم سے، انھوں نے ابراہیم سے، انھوں نے اسود سے اور انھوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حالت جنابت میں ہوتے اور آپ کو کھانا کھانا ہوتا یا سونا ہوتا تو آپؐ وضو کر لیتے تھے۔[37]

اس حدیث کے برخلاف ایک دوسری حدیث ہے جو یہ ہے: ابو عاصم سفیان الثوری سے، وہ ابو اسحاق سے، وہ اسود سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے کہ انھوں نے بیان کیا: ''رسول ﷺ حالت جنابت میں بغیر پانی چھوئے سو جاتے تھے۔'' ان دونوں احادیث کی اسناد صحیح ہیں، اس کے باوجود دونوں احادیث ایک دوسرے سے متعارض ہیں۔ اہل مدینہ اور اہل کوفہ وضو کی روایت کے قائل ہیں، جب کہ ابو اسحاق کی سند پر مبنی روایات اس کے برعکس ہیں۔[38] غرض یہ کہ حدیث میں غلطی کے لیے حضرت عائشہؓ ذمہ دار نہیں، بلکہ دیگر راویوں نے اسے متنازع بنا دیا ہے۔

خواتین کی راویوں پر جرح وتعدیل

خواتین کا یہ کارنامہ بھی ہے کہ انھوں نے احادیث کی صحت کا تجزیہ کیا اور راویوں پر نقد ونظر سے کام لیا۔ اس باب میں خواتین سے روایات تعداد میں زیادہ تو نہیں ہیں، لیکن اہم تر نکتہ یہ ہے کہ ان کے نقد ونظر کو ائمہ حدیث اور فقہاء نے تسلیم کیا ہے۔ اس ضمن میں مثالیں پیش کرنے سے قبل خواتین کی جرح اور تعدیل کے جواز کے بارے میں چند نکات پیش ہیں:

تعدیل، جرح میں خواتین کا کردار

علماء کی اکثریت اس امر کی قائل ہے کہ خواتین کی جرح وتعدیل جائز ہے۔ اس موقف کے مخالفین اس نکتہ پر زور دیتے ہیں کہ خواتین کو اشخاص کے بارے میں وافر معلومات نہیں ہوتیں، لہٰذا اس باب میں ان کی رائے نا قابل اعتنا ہے۔ یہ موقف کم زور ہے، کیوں کہ اگر جرح وتعدیل کسی مستند اطلاع پر مبنی نہ ہو تو وہ نا قابل اعتنا تصور کی جاتی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ یہ جرح وتعدیل کسی خاتون نے کی ہو یا کسی مرد نے۔ اپنی تصنیف المصفیٰ میں غزالی نے خواتین کی جرح وتعدیل کو تسلیم کیا ہے اور اس کو احادیث کی روایت سے مماثل قرار دیا ہے۔ امام نووی بھی امام غزالی کے ہم خیال ہیں۔ [39] قاضی ابو علی الولید الباجی (م474) کی رائے میں راویان حدیث پر خواتین کی جرح وتعدیل جائز ہے۔ [40] ائمہ حدیث واقعۂ افک سے دلیل دیتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے باندی بریرہؓ سے صورت حال کے بارے میں استفسار کیا اور ان کے ذریعہ فراہم کردہ اطلاعات کو ملحوظ رکھا۔ قاضی ابو بکر محمد بن الطیب تحریر کرتے ہیں: ''اگر یہ کہا جائے کہ کیا تمہاری رائے میں ایسی خاتون کی تعدیل تسلیم کرنا لازم ہے، جو کہ تعدیل وجرح پر عبور رکھتی ہو تو اس سوال کا جواب اثبات میں ہوگا۔ اس موقف کو تسلیم کرنے میں کوئی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے، نہ اس بارے میں کوئی اجماع منعقد ہوا ہے۔ اگر کوئی نص یا اجماع اس کے مخالف ہوتا تو ہم خواتین کی جرح وتعدیل تسلیم نہ کرتے۔'' [41] خطیب بغدادی رقم طراز ہیں: ''جب یہ طے ہے کہ متقی خاتون سے مروی روایت قابل قبول ہے اور اس پر متقدمین کا اجماع ہے تو اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ خواتین کی جرح وتعدیل کو بھی تسلیم کیا جائے۔ خواتین کا تزکیہ بھی قابل قبول ہے یعنی راوی اور شاہد کی ثقاہت اور ان سے مروی روایت پر عمل درآمد مساوی ہے اس روایت کے جو کسی خاتون سے مروی ہو۔'' [42]

خواتین کی جرح وتعدیل کی مثالیں

حمراء بنت عبد الرحمٰن بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ مردہ شخص کو اس پر کسی زندہ شخص کے بین کرنے سے عذاب

ہوتا ہے۔ تو انھوں نے کہا ''اللہ ابو عبدالرحمٰن (عبداللہ بن عمر کی کنیت) کو معاف کرے۔ انھوں نے غلط بیانی نہیں کی، لیکن ان کے ذہن سے ساقط ہوگیا ہے یا ان سے سہو ہوا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک یہودی خاتون کی قبر کے پاس سے گزرے۔ اس وقت آپؐ نے یہ فرمایا تھا: ''وہ لوگ اس کی موت پر بین کر رہے ہیں، جب کہ وہ اپنی قبر میں عذاب میں گرفتار ہے۔'' [43] یہ اضافہ غالباً غیر ضروری ہے کہ اس مثال میں حضرت عائشہؓ نے ابن عمرؓ کے ضبط پر جرح کی ہے۔

ایک اور نمائندہ مثال یہ ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کو حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کا علم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''بدشگونی تین اشیاء میں ہے: مکان، عورت اور گھوڑا۔'' اس روایت کی بابت حضرت عائشہؓ نے یہ جرح کی: ''ابو ہریرہؓ نے کُل واقعہ ملحوظ نہیں رکھا۔ وہ اس وقت موجود نہ تھے جب رسول اللہ ﷺ یہ فرما رہے تھے: اللہ یہود کو ان کے اس قول پر سزا دے کہ تین چیزوں میں بدشگون ہوتا ہے، یعنی مکان، عورت اور گھوڑے میں۔ ابو ہریرہؓ نے حدیث کا صرف آخری جزو سنا اور اس کے ابتدائی حصہ سے ناواقف رہے۔'' [44]

یعلیٰ التیمی بیان کرتے ہیں: ''میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی وفات کے تین دن بعد مکہ میں داخل ہوا۔ ان کی نعش لٹک رہی تھی۔ ان کی والدہ وہاں آئیں، وہ ایک طویل القامت نابینا خاتون تھیں۔ انھوں نے حجاج سے کہا کہ ان کے بیٹے کی نعش کو نیچے اتارا جائے۔ انھوں نے کہا: ''کیا اس سوار کے اترنے کا وقت ابھی نہیں آیا؟'' حجاج نے دریافت کیا: ''اس منافق کو؟'' والدہ نے جواب دیا: ''بخدا وہ منافق نہ تھا، بلکہ وہ صوّام (کثرت سے روزہ رکھنے والا)، قوّام (کثرت سے نماز میں قیام کرنے والا) اور اطاعت گزار بندہ تھا۔'' حجاج نے جواب دیا: ''اے ضعیفہ! تو واپس چلی جا، کبر سنی کے باعث تیرا دماغ ماؤف ہوگیا ہے۔'' والدہ نے جواب دیا: ''نہیں! بخدا میرا ذہن ماؤف نہیں ہوا ہے۔ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ قبیلۂ بنو ثقیف میں ایک کذّاب اور ایک سرکش شخص ہوگا۔ کذّاب کو تو ہم نے پہلے ہی دیکھ لیا ہے اور وہ سرکش شخص تو ہے۔'' [45] ابن عمار راوی ہیں کہ وکیع سے امّ داؤد الواشیہ کے بارے میں استفسار کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا: وہ ایک ذہین، صاحب علم خاتون تھیں۔

جب یحییٰ ابن سعید سے امّ داؤد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا: اس شخص نے امّ داؤد سے شریح کے بارے میں رائے معلوم کی، انھوں نے جواب دیا کہ "وہ تمہاری والدہ کی مانند تھیں۔" [46] مذکورہ بالا روایت میں یحییٰ بن سعید نے امّ داؤد کا حوالہ ایک راوی یعنی شریح کے بارے میں دیا ہے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ یحییٰ بن سعید فنِ جرح کے امام ہیں۔ شعبہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی والدہ نے ہشام بن حسان سے دریافت کیا کہ محمد بن سیرین کس سے روایت کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ابو ہریرہؓ اور ابن عمرؓ سے۔ شعبہ کی والدہ نے اس پر کہا: "ابن سیرین نے ان دونوں سے احادیث کا سماع کیا ہے۔" [47]

درایت حدیث میں خواتین کا کردار

دوسری اور تیسری صدی میں درایتِ حدیث کا فن اپنی معراج کو پہنچا۔ اس کے زیادہ تر اصول اسناد کے تنقیدی تجزیے سے متعلق ہیں۔ یہ ایک پیچیدہ اور مشکل فن ہے کہ اس میں راویوں کا باہمی مقابلہ اور موازنہ اس اعتبار سے کیا جاتا ہے کہ کس کی کس سے ملاقات ہوئی؟ کون کس کا شاگرد تھا؟ اور کس کی کس سے کب اور کہاں ملاقات ہوئی؟

درایتِ حدیث کا اہم پہلو حدیث کے متن کی تصدیق و توثیق ہے اور زیر مطالعہ حدیث سے برآمد ہدایت الٰہی کا تعین بھی۔ صحابہ میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کو اس فن میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ہر چند کہ درایتِ حدیث کے باقاعدہ اصول یا اس باب میں کوئی متعین بیان حضرت عائشہؓ سے منسوب نہیں ہے، یہ امر بدیہی ہے کہ درایتِ حدیث کے اصول حضرت عائشہؓ کے مثالی عمل اور رویّہ سے ماخوذ ہیں۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

حدیث کا قرآن مجید سے موازنہ

حضرت عائشہؓ کے پیش نظر ہمیشہ یہ اصول رہا ہے کہ کسی بھی حدیث کو قرآن مجید کی روشنی میں جانچا اور پرکھا جائے۔ اسی اصول کو متاخر فقہاء اور ائمۂ حدیث نے تسلیم کیا ہے کہ اگر کوئی حدیث کسی آیت قرآنی سے متعارض ہے اور ان دونوں کے مابین تطبیق کی کوئی راہ نہیں تو اس حدیث کو ترک کر دیا جائے گا۔ مثال کے طور پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ رسول

اکرم ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو دو بار اپنی آنکھ سے دیکھا۔ مسروق کی روایت ہے کہ انھوں نے اس کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے استفسار کیا: ''اے امّ المومنین! کیا رسول اکرم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟'' حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: ''ابھی جو تو نے کہا اس خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ان تین امور کے بارے میں کیا تمھیں مطلق خبر نہیں۔ جو کوئی تم سے اس بارے میں کچھ کہے تو وہ دروغ گو ہے۔ جو کوئی تم سے کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا وہ کاذب ہے۔ پھر انھوں نے یہ آیت تلاوت کی: ''اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت بخش آیتیں آچکی ہیں، تو جو بصیرت سے کام لے گا اپنے ہی کو نفع پہنچائے گا، اور جو اندھا بنا رہے گا اس کا وبال اسی پر آئے گا۔ اور میں تم پر کوئی نگراں مقرر نہیں ہوں''۔ (سورہ الانعام 6:104) پھر انھوں نے اس آیت کی تلاوت کی: ''اور کسی بشر کی بھی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے، مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردے کی اوٹ سے یا بھیجے کسی فرشتے کو پس وہ وحی کردے اس کے اذن سے جو وہ چاہے۔ وہ بڑا ہی عالی مقام، بڑا ہی حکیم ہے'' (الشوریٰ 42:51)۔ اسی طرح اگر تم سے کوئی یہ کہے کہ رسول اکرم ﷺ کو یہ علم تھا کہ کل کیا ہوگا تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ پھر انھوں نے اس آیت کی تلاوت کی: ''قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، اور وہی بارش اتارتا ہے، اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہوتا ہے، اور کسی کو بھی پتہ نہیں کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا، اور نہ کسی کو یہ علم ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ علم والا اور خبر رکھنے والا ہے۔'' (لقمان 31:34) اور اگر کوئی تم سے یہ کہے کہ آپؐ نے کسی امر کو مخفی رکھا تھا تو وہ دروغ گو ہے۔ پھر انھوں نے اس آیت کی تلاوت کی: ''اے رسولؐ! تمہاری طرف جو چیز تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے اس کو اچھی طرح پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ اور اللہ لوگوں سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ اللہ کافروں کو ہرگز راہ یاب نہیں کرے گا۔'' (المائدہ 5:67) امر واقعہ یہ ہے کہ آپؐ نے فرشتۂ وحی جبرئیل کو ان کی اصل شکل میں دو مرتبہ دیکھا تھا۔'' [48]

عروہ بن زبیر نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی سند پر یہ روایت کی ہے: انھوں نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ بدر کے اس گڈھے پر کھڑے ہوئے تھے جس میں کفار مدفون تھے اور آپؐ نے

ان مردہ کافروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''کیا تمہیں اب علم ہوا کہ تمہارے رب نے کیا وعدہ کیا تھا؟''، پھر آپؐ نے فرمایا: ''میں جو کہہ رہا ہوں وہ یہ سن رہے ہیں۔'' اس حدیث کا ذکر جب حضرت عائشہؓ سے کیا گیا تو انھوں نے کہا: رسول اکرم ﷺ نے درحقیقت یہ کہا تھا: ''ان کو علم ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حق ہے۔'' پھر انھوں نے اس آیت کی تلاوت کی: ''تم مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے جا رہے ہوں۔'' (النمل 27:80)[49]

ایک حدیث کا دوسری مستند تر حدیث سے موازنہ

حضرت عائشہؓ کے عمل سے یہ اصول بھی اخذ ہوتا ہے کہ اگر کوئی حدیث کسی دوسری حدیث سے متعارض ہو اور اگر مستند تر ہو تو ضعیف حدیث کو ترک کر دیا جائے گا اور اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ عبید بن رفاعہ الانصاری روایت کرتے ہیں: ''ہم اس نشست میں موجود تھے جہاں حضرت زید بن ثابتؓ بھی تشریف رکھتے تھے۔ اس نشست میں لوگ اخراجِ مادہ منویہ کے بعد واجب غسل کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے کہا کہ اگر کسی شخص نے جماع کیا ہے اور انزال نہیں ہوا تو اس کو صرف اپنے عضو مخصوص کو دھو لینا چاہیے اور جس طرح نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے اسی طرح وضو کر لینا چاہیے۔'' اس نشست میں موجود کوئی شخص کھڑا ہوا اور حضرت عمرؓ کے پاس جا کر اس بارے میں مطلع کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس شخص سے کہا کہ جاؤ زید کو بلا لاؤ۔ وہ شخص گیا اور زید کو بلا لایا۔ حضرت عمرؓ کی اس نشست میں چند صحابہ موجود تھے، مثلاً حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ۔ حضرت عمرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''تو اپنا دشمن کیوں ہوا ہے اور اس طرح کا فتویٰ دیتا پھرتا ہے۔'' حضرت زیدؓ نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! میں نے اسے گھڑا نہیں ہے، بلکہ میں نے اسے اپنے دو چچاؤں رفاعہ بن رافعؓ اور ابو ایوب انصاریؓ سے ایسے ہی سنا ہے''۔ پھر حضرت عمرؓ نے وہاں موجود صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''تمہاری کیا رائے ہے''؟ ان کے درمیان اختلاف رائے ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: ''اے اللہ کے بندو! تم باہمی اختلاف کا شکار ہو، جب کہ تم وہ چنیدہ اشخاص ہو، جنھوں نے غزوۂ بدر میں حصہ لیا تھا۔'' اس موقع پر کسی

نے کہا کہ کسی کو ازواج مطہرات کے پاس روانہ کیا جائے کہ وہ اس معاملہ سے ضرور واقف ہوں گی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ سے استفسار کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ پھر کسی کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا گیا تو انھوں نے جواب دیا: ''مختون حصہ دوسرے مختون حصہ میں داخل ہوجائے تو غسل واجب ہوجاتا ہے۔'' حضرت عمرؓ نے کہا کہ آئندہ اگر مجھے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اس فعل کے بعد غسل نہیں کرتا تو میں اسے سبق سکھاؤں گا۔'' [50]

سنّت کی روشنی میں حدیث کا تجزیہ

سالم نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''میں نے حضرت عمرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حج میں جب تم رجم، قربانی اور بال کٹوانے سے فارغ ہوجاؤ تو تمہارے لیے ہر چیز حلال ہوجاتی ہے، سوائے عورت اور عطر کے''۔ سالم اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے کہا: ''ہر چیز حلال ہوجاتی ہے سوائے عورت کے۔ میں نے اس موقع پر رسول اکرم ﷺ کے عطر لگایا تھا۔'' اس پر سالم کا تبصرہ ہے: ''رسول اکرم ﷺ کی سنّت کا اتباع بہتر ہے۔'' [51]

ابوبکر بن عبدالرحمٰن راوی ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو دورانِ خطبہ یہ کہتے ہوئے سنا: ''اگر کوئی شخص حالتِ جنابت میں بیدار ہوا ہو تو اسے روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔ میں (یعنی ابوبکر بن عبدالرحمٰن) نے اس کا ذکر عبدالرحمٰن بن الحارث سے کیا، انھوں نے اس کا تذکرہ اپنے والد سے کیا تو انھوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ پھر میں اور عبدالرحمٰن حضرت عائشہؓ اور حضرت امّ سلمہؓ کے پاس گئے اور اس کے بارے میں استفسار کیا۔ انھوں نے کہا: ''رسول اکرم ﷺ جب حالتِ جنابت میں بیدار ہوتے تھے تو روزہ رکھتے تھے۔'' [52]

قاسم بن محمد راوی ہیں کہ حضرت عائشہؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ کسی شخص کے حالت نماز میں اس کے سامنے سے کسی خاتون کے گزرجانے سے اس کی نماز باطل ہوجاتی ہے۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے کہا: ''رسول اکرم ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے اور میرا پیر

آپ کے عین سامنے ہوتا تھا۔ آپ سجدہ میں جانے لگتے تو اشارہ کرتے اور میں اپنا پیر موڑ لیتی تھی۔'' [53]

سبب کی روشنی میں حدیث کا تجزیہ

عروہ بن زبیر راوی ہیں کہ حضرت عائشہؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں اس کو ترجیح دیتا ہوں کہ راہ خدا میں کوڑا لگے بہ نسبت اس کے کہ میں کسی ولد الحرام کو آزاد کروں۔'' اور رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تینوں اشخاص: باپ، ماں اور بچہ میں ولد الحرام بدترین ہوتا ہے اور یہ کہ زندہ اشخاص کے بین کرنے پر مردہ کو عذاب دیا جاتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے کہا: اللہ ابو ہریرہؓ پر رحم کرے۔ انھوں نے غور سے نہیں سنا۔ کسی باعث انھوں نے صحیح جواب نہیں دیا۔ جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ راہِ خدا میں کوڑا کھانا والد الحرام کو آزاد کرنے سے بہتر ہے تو جب سورہَ بلد کی مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں: ''پر اس نے گھاٹی نہیں پار کی، اور تم کیا سمجھے کہ کیا ہے وہ گھاٹی۔ گردن کو چھڑانا۔'' (سورہ بلد 90:11-13) تو حاضرین نے کہا: ہمارے پاس تو آزاد کرنے کے لیے کوئی نہیں ہے۔ اگر ہمارے پاس باندیاں ہوتیں جو ہماری خدمت کرتیں اور ہم ان سے زنا کراتے اور پھران ولد الحرام بچوں کو آزاد کرتے۔ اسی طرح ان کا یہ قول کہ تینوں متعلقہ اشخاص میں بدترین بچہ ہے، اصل حدیث اس طرح نہیں ہے۔ ایک منافق رسول اکرم ﷺ کو ایذا دیا کرتا تھا تو آپؐ نے فرمایا: ''مجھے اس سے کون محفوظ رکھے گا؟'' کسی صحابی نے عرض کیا کہ اس کی اس ایذا رسانی کے علاوہ وہ ولد الحرام ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: وہ ان تینوں میں بدترین ہے۔ آیت قرآنی ہے ''پوچھو: کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب بناؤں، جبکہ وہی ہر چیز کا رب ہے؟ اور ہر جان جو کمائی کرتی ہے وہ اسی کے کھاتے میں پڑتی ہے۔ اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ پھر تمہارے رب ہی کی طرف تمہارا لوٹنا ہوگا۔ پس وہ تمہیں بتائے گا وہ چیز جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو''۔ (سورہ الانعام 6:164) جہاں تک ابو ہریرہؓ کے اس قول کا تعلق ہے کہ کسی زندہ شخص کے بین کرنے پر مردہ کو عذاب دیا جاتا ہے۔ یہ بھی اصل

حدیث کے مطابق نہیں ہے، بلکہ رسول اکرم ﷺ ایک یہودی کی قبر کے پاس سے گزرے، جب کہ اس کے اہل خانہ اس کی موت پر بین کر رہے تھے۔ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا: ''یہ بین کر رہے ہیں، جب کہ وہ عذاب میں گرفتار ہے۔'' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر ایک پائے گا جو کمائے گا، اور بھرے گا جو کرے گا۔ اے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں، یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم سے مواخذہ نہ فرمانا۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر کوئی ایسا بوجھ نہ لاد جس کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ اور ہمیں معاف کر، ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہمارا مولی ہے، پس کافروں کے مقابل میں ہماری مدد کر!''
(سورہ البقرہ 2:286)[54]

عملی اعتبار سے مشکل حدیث کا جائزہ

عبید بن عمیر راوی ہیں کہ جب حضرت عائشہؓ کو یہ علم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو عورتوں کو یہ حکم دے رہے ہیں کہ غسل کے دوران وہ اپنے بالوں کی مینڈھیں کھول لیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: ''افسوس ہے! وہ انہیں اپنے بال منڈوانے کا حکم کیوں نہیں دے دیتے؟!''[55]
یحیٰ بن عبدالرحمٰن بن حاتم ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ''جو شخص میت کو نہلائے اسے غسل کرنا چاہیے اور جو میت کو اٹھائے اسے وضو کرنا چاہیے۔'' جب یہ قول حضرت عائشہؓ کے علم میں آیا تو انھوں نے کہا: ''کیا مردہ مسلمان ناپاک ہوتا ہے؟ لکڑی اٹھانے میں کیا ضرر ہے؟''

معنی میں تغیّر کے لحاظ سے حدیث کا جائزہ

حضرت امّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت ابو سعید الخدریؓ کا آخری لمحۂ حیات تھا تو انھوں نے نئے کپڑے منگائے اور پہنے۔ اس فعل کے پس پشت رسول اکرم ﷺ کا یہ قول تھا کہ مردہ شخص ان کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جس میں اس کی موت ہوئی تھی۔ جب یہ قول حضرت عائشہؓ کے علم میں آیا تو انھوں نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: ''اللہ ابو سعید پر رحم کرے۔ رسول اکرم ﷺ کی مراد مردہ شخص کے اعمال اور افعال سے تھی اور آپؐ نے فرمایا تھا

کہ لوگوں کو جب اٹھایا جائے گا تو ننگے پیر، ننگے بدن اور غیر مختون ہوں گے۔" [56]

حواشی

1۔ مسلم، صحیح، مقدمہ۔

2۔ نووی، التقریب (التدریب کی تفسیر)، جلد 2، ص 298۔

3۔ خطیب بغدادی، الکفایۃ، ص 38۔

4۔ ایضاً، ص ص 40-39۔

5۔ سیوطی، تدریب الراوی، جلد 2، ص 299۔

6۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، جلد 4، ص 508۔

7۔ مزّی، تہذیب الکمال، جلد 35، ص 152۔

8۔ ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق، تراجم النساء، ص 210۔

9۔ عجلی، تاریخ الثقات، ص 523۔

10۔ ایضاً، ص 523۔

11۔ ایضاً، ص 520۔

12۔ ایضاً، ص 519۔

13۔ ایضاً، ص 524۔

14۔ ابن حجر، تقریب التہذیب، ص 743۔

15۔ ایضاً، ص 745۔

16۔ ایضاً۔

17۔ ایضاً، ص 746۔

18۔ ذہبی، تجرید اسماء الصحابۃ، جلد 2، ص 266۔

19۔ ابن حجر، تقریب التہذیب، ص 744۔

20۔ خطیب بغدادی، الکفایۃ، ص ص 3-132۔

21۔ ابوزرعہ العراقی، البیان والتوضیح، ص 329۔

22۔ عجلی، تاریخ الثقات، ص 521۔

23۔ صفدی، الوافی بالوفیات، جلد 16، ص 606۔

24۔ ابن حجر، تقریب التھذیب، ص 744۔

25۔ ایضاً، ص 744۔

26۔ دار قطنی، سنن، جلد 3، ص 51۔

27۔ ابن حزم، المحلّیٰ، جلد 1، ص 240۔

28۔ ابن عبد البرّ، التمھید، جلد 18، ص 20۔

29۔ ابن حبّان، کتاب الثقات، جلد 5، ص 289۔

30۔ ابن جوزی، التحقیق، جلد 2، ص 184۔

31۔ ابن الترکمانی، الجوھر النقی، جلد 5، ص 330۔

32۔ ذہبی، المغنی فی الضعفاء، جلد 2، ص 425۔

33۔ ذہبی، میزان الاعتدال، جلد 7، ص 465۔

34۔ حاکم، معرفه علوم الحدیث، ص 160۔

35۔ ایضاً، ص 156۔

36۔ ایضاً، ص ص 57-156۔

37۔ ایضاً، ص 155۔

38۔ ایضاً، ص 156۔

39۔ نووی، التقریب بمع اس کی شرح، التدریب، جلد 1، ص 321۔

40۔ ابوالولید الباجی، أحکام الفصول فی أحکام الاصول، جلد 1، ص 376۔

41۔ الخطیب بغدادی، الکفایة، ص 98۔

42۔ ایضاً۔

43۔ بخاری، صحیح، جنائز، باب قول النبیؐ یعذب المیّت ببعض بکاء

أهله عليه؛ مسلم، صحيح، جنائز، باب الميّت يعذب ببكاء اهله عليه۔

44۔ ابوداؤدالطیالسی، المسند، مشمولہ الزرکشی، الاجابة، ص59۔

45۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، جلد2، ص294۔

46۔ خطیب البغدادی، الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع، جلد1، ص133۔

47۔ بحشل، تاریخ واسط، ص109۔

48۔ بخاری، صحیح، باب تفسیر سوره النجم۔

49۔ بخاری، صحیح، مغازی، باب قتل ابی جهل۔

50۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، جلد1، ص58۔

51۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، حج، باب ما یحلُّ بتحلّل الاول من محزورات الاحرام۔

52۔ بخاری، صحیح، صوم، باب الصائم یصبح جنباً ؛ مسلم، صحیح، صیام، باب صحّة صوم من طلع علیه الفجر و هو جنب۔

53۔ ابومنصور البغدادی، استدراک امّ المؤمنین، ص99۔

54۔ حاکم، المستدرک، جلد2، ص234۔

55۔ مسلم، صحیح، حیض، باب حکم ضفائز المغتسل ؛ ابن ماجہ، سنن، طهاره، باب ما جاء فی غسل النساء من الجنابه۔

56۔ ابوداؤد، سنن، جنائز، باب یستحبُّ من تطهیر ثیاب المیّت عند الموت؛ الزرکشی، الاجابة، ص71۔

باب نہم

ادوار اور علاقوں کے لحاظ سے ایک عمومی جائزہ

اسلامی تاریخ کے کسی بھی دور میں، بشمول ہمارے عہد کے، کبھی بھی مطالعہ حدیث کو غیر ضروری یا متروک نہیں قرار دیا گیا، بلکہ اس کے برخلاف اللہ اور بندوں کے ساتھ معاملات کی انجام دہی کے لیے ہدایت حاصل کرنے کا ذریعہ احادیث ہیں اور اسی میں ان کی اہمیت اور معنویت پنہاں ہے اور حدیث کا یہ مقام مسلمانوں کے دل و دماغ میں راسخ ہے۔ علم حدیث کے مطالعے میں مشغول خواتین کسی دور یا خطہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ ان کی کمّیت اور کیفیت تغیر پذیر رہی۔ محدثات پر میں نے جو تحقیقی کام کیا ہے اس کی روشنی میں میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہر دور میں خواتین نے علم حدیث کا اکتساب کیا اور اس کو مالا مال کیا گیا۔ مردوں کی تعداد میں ادوار اور علاقوں کے لحاظ سے تبدیلی واقع ہوتی رہی، لیکن اس کا براہ راست تعلق خواتین کی تعداد میں تبدیلی سے نہیں ہے۔

یہ قدرتی عمل ہے کہ کسی شعبۂ علم میں انہماک کی سطح میں اضافہ اور کمی ہوتی رہتی ہے، جس کا اطلاق تمام علوم وفنون پر ہوتا ہے، بلکہ یہ صنعت وحرفت اور تجارت پر بھی صادق آتا ہے۔ ہر تمدن اور تہذیب میں یہ تبدیلی ایک فطری عمل ہے۔ اہم تر نکتہ یہ ہے کہ کسی شعبۂ علم میں دلچسپی کی سطح کیا ہے؟ اور اس سے انہماک، صلہ اور انعام کے بارے میں کیا تصورات ہیں؟ اور کیا ان کا حصولِ علم کے مقاصد سے باہمی تعلق ہے؟ اس باب میں میں نے یہ تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ کب اور کہاں خواتین کے یہاں علم حدیث کے اکتساب میں اضافہ، کمی یا تجدید ہوئی؟ متعلقہ مواد کے مطالعہ کی ابتدا ہی میں یہ نکتہ مجھ پر روشن ہوا۔ میں نے بنیادی تبدیلیوں کی سرسری وضاحت کی ہے۔ اس کا تسلی بخش جواب اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم خاتون

اساتذہ اور طالباتِ حدیث کے سوانحی خاکوں کا منظم اور مربوط تجزیہ نہ کریں اور ان کے عہد کے معاشرتی، معاشی، فقہی اور سیاسی حالات کو پیش نظر نہ رکھیں جن میں انھوں نے علم حدیث کا اکتساب کیا۔

علاقوں کے لحاظ سے تقسیم فی نفسہٖ واضح ہے۔ جہاں تک ادوار کا تعلق ہے ہم چار کلیدی ادوار کی نشان دہی کرسکتے ہیں۔

پہلی اور دوسری صدی

اس دور میں خاتون راویوں کی تعداد زیادہ بھی ہے اور نمایاں بھی۔ صحابیات اور تابعیات سے مروی احادیث کی اشاعت وسیع پیمانے پر ہوئی اور وہ صحاحِ ستہ اور احادیث کے دیگر مجموعوں سے قبل کی کتب میں درج ہیں۔

دوسری سے پانچویں صدی تک

اس دور میں خاتون راویوں کی تعداد نسبتاً کم ہے، جب کہ مرد اساتذہ اور طلبہ کا غلبہ علم حدیث میں نظر آتا ہے۔ اسی دور میں صحاحِ ستہ اور دیگر خصوصی مطالعات پر مبنی کتبِ حدیث مرتب ہوئیں۔ تیسری صدی میں عالمات کی تعداد برائے نام ہے، البتہ چوتھی اور پانچویں صدی میں ان کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوا۔

چھٹی سے نویں صدی تک

صحابیات کے دور کے بعد محدثات کی تاریخ کا یہ روشن ترین عہد ہے۔ چھٹی صدی سے محدثات کی تعداد میں قابل ذکر اضافہ ہوا، جو آٹھویں صدی میں اپنے نقطۂ عروج پر پہنچا اور پھر نویں صدی سے تعداد میں کمی واقع ہوتی گئی۔

دسویں سے پندرہویں صدی

یہ تمام علوم اسلامی بشمول علم حدیث کا دورِ انحطاط ہے۔ یہ انحطاط خواتین پر موقوف نہیں،

اس سے مرد بھی متاثر ہوئے۔

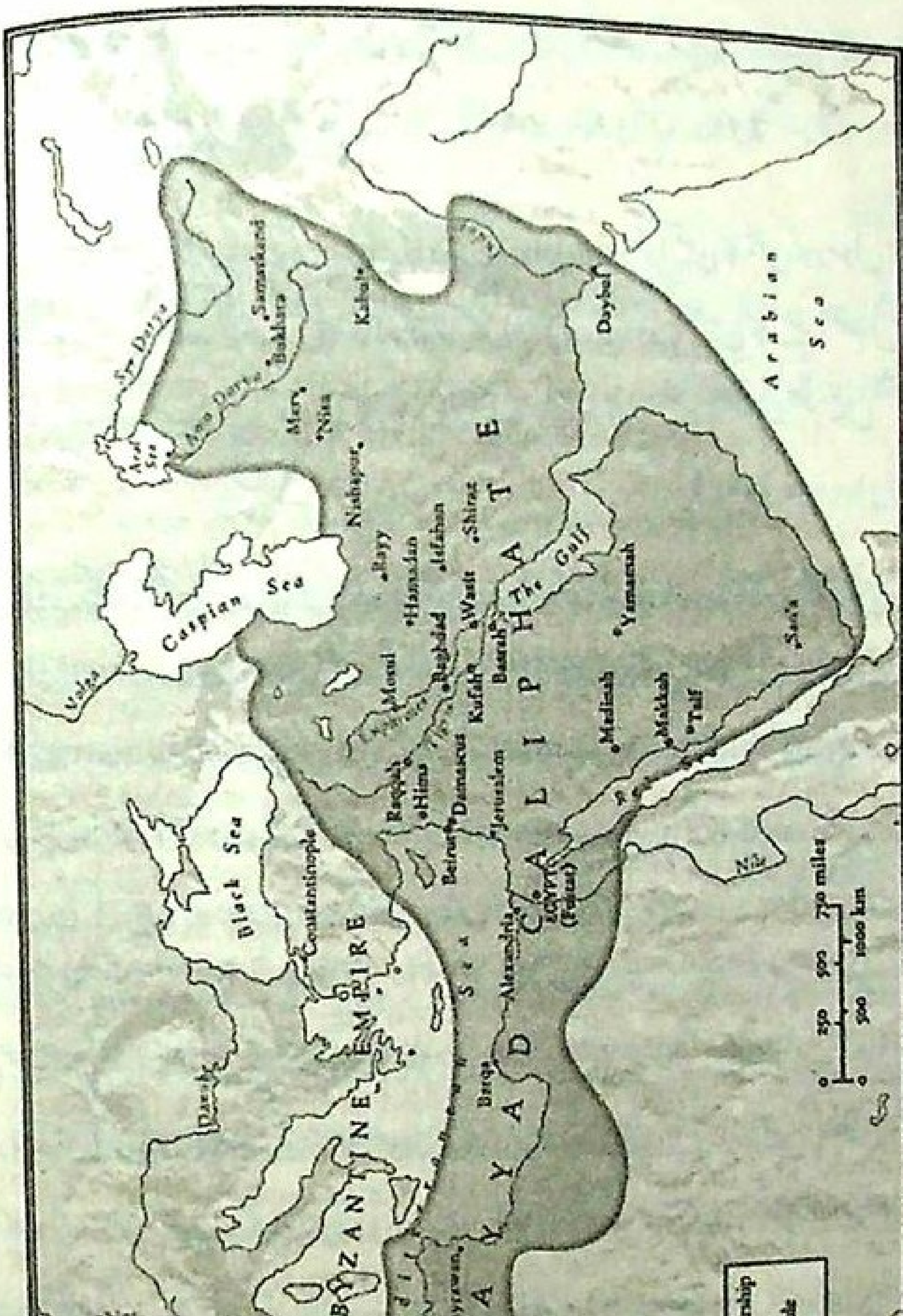
پہلا دور: پہلی اور دوسری صدی

یہ اسلام کا عہد زرّیں ہے کہ یہ صحابہ کا دور ہے، ان مرد و خواتین کا جن کو رسول اکرم ﷺ سے براہ راست دین اخذ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ دور تابعین کا ہے جنھوں نے اس عہد کے خاتمے تک اپنے اساتذہ کی کاوشوں کو ایک منضبط اور مضبوط شعبۂ علم میں متعین کرلیا تھا۔

اس دور کی خواتین سے مروی احادیث موجودہ مجموعہ ہائے حدیث میں شامل ہیں۔

صحابہ میں سب سے اہم اور مشہور شخصیت بہ طور محدثہ اور فقیہہ حضرت عائشہؓ کی ہے۔ ان سے 2210 احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے 297 احادیث بخاری اور مسلم کی صحیح میں شامل ہیں۔ 174 دونوں میں مشترک ہیں جبکہ بخاری نے ان کی 54 اور مسلم نے 69 ایسی احادیث درج کی ہیں جو دونوں کے مجموعوں میں مشترک نہیں ہیں۔[1] غرض یہ کہ صحاح ستہ میں مروی احادیث کے لحاظ سے حضرت عائشہؓ کا مقام صرف ابو ہریرہؓ کے بعد ہے۔ صحاح ستہ میں ان سے مروی احادیث کی تعداد 2081 ہے، جب کہ ابو ہریرہؓ سے مرویات 3370 ہیں۔ اپنے علم وفن کے لحاظ سے حضرت عائشہؓ صحابہ کے لیے حوالے کا درجہ رکھتی تھیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا قول ہے: ''جب کبھی ہمیں کوئی پریشانی پیش آتی تو صحابہ کرام حضرت عائشہؓ سے اس کی بابت استفسار کرتے اور ہمیں ان کے علم وفضل کا اندازہ ہوتا۔''[2]

حضرت عائشہؓ کے بعد کثرتِ روایت کے لحاظ سے حضرت امّ سلمہؓ کا نام آتا ہے۔ ان سے مروی احادیث کی تعداد 378 ہے۔ جن کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ بخاری نے تین اور مسلم نے تیرہ ایسی احادیث ان سے روایت کی ہیں جو مشترک نہیں ہیں۔[3] دیگر صحابیات، جنھوں نے کثرت سے احادیث روایت کیں، ان کے نام یہ ہیں: حضرت اسماء بنت یزید بن الحکمؓ، جنھوں نے 81 احادیث روایت کیں، امّ المومنین حضرت میمونہؓ نے 76، امّ المومنین حضرت حفصہؓ نے 60، اور حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے بھی 60 احادیث روایت کی ہیں۔



(مسلم دنیا: پہلی سے دوسری صدی میں محدثات کی موجودگی)

تابعین کے دور میں ممتاز خاتون راویوں میں سرفہرست عمرہ بنت عبد الرحمٰنؒ ہیں۔ صحاح ستہ اور دیگر اہم کتب حدیث میں آپ سے مروی احادیث کثرت سے ہیں۔ ان کی پرورش حضرت عائشہؓ کی آغوش میں ہوئی تھی اور انھوں نے حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ سے احادیث نقل کیں۔ عمر بن عبد العزیز کا قول ہے کہ عائشہؓ کی احادیث سے واقف زندہ افراد میں عمرہ سے فائق کوئی نہیں اور عمر بن عبد العزیز نے عمرہ کے مشوروں سے استفادہ کیا۔ [4] زہری کا قول ہے: ''ابن القاسم محمد نے مجھ سے کہا: ''اے میرے بیٹے! میں اس امر سے بخوبی واقف ہوں کہ تم علم کے شائق ہو۔ کیا میں تمھیں ماخذِ علم سے مطلع نہ کروں، جاؤ اور عمرہ کے اردگرد رہو کہ وہ حضرت عائشہؓ کی آغوش میں پروان چڑھی ہیں۔'' زہری کا اضافہ ہے کہ اس کے بعد میں عمرہ کی خدمت میں روانہ ہوا اور میں نے انہیں ایسا بحیرۂ علم پایا جس کا پانی کبھی خشک نہ ہوتا۔'' [5]

اس دور کی ایک اور اہم شخصیت بصرہ کی عظیم محدثہ حفصہ بنت سیرین ہیں۔ وہ اپنے ممتاز بھائی محمد بن سیرین کی ہم شیرہ تھیں۔ حفصہ سے مروی احادیث تمام کتب حدیث کی زینت ہیں۔ عباس بن معاویہ حفصہ کو حسن البصری اور محمد بن سیرین تک پر ترجیح دیتے تھے [6] صفدی کی رائے ہے: ''وہ اپنے دور کی منفرد محدثہ اور فقیہہ تھیں، جو اپنی صدق گوئی اور صفات حمیدہ کے باعث اعلیٰ مقام پر فائز تھیں۔ [7]

اس دور کی ایک اور اہم شخصیت شام کی عالمہ امّ الدرداء ہیں۔ ان سے مروی احادیث ماٰخذ حدیث میں کثرت سے شامل ہیں۔ ذہبی نے ان کے فقہ پر عبور، ذہانت اور زہد و عبادت سے فرط تعلق کی تعریف کی ہے۔ [8] ابن کثیر کا قول ہے: ''آپ تابعیہ تھیں، انتہائی دین دار عالمہ اور فقیہہ۔ مرداُن کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرتے اور ان سے مسجد نبوی کے شمالی حصے میں فقہ کا درس لیتے۔ عبد الملک بن مروان اپنے دور خلافت میں امّ الدرداء کے حلقۂ درس میں دیگر طلبۂ حدیث کے ساتھ شامل ہوتے۔'' [9]

دوسری صدی کی دیگر ممتاز عالمات، جو تابعیات کے بعد منظر عام پر آئیں، ان کے نام یہ ہیں: امّ الاسود الخزاعیة اور عبیدہ بنت نبیل الحجازیة۔ امّ الاسود نے منیہ بنت عبید الاسلمیة اور امّ نائلہ الخزاعیة سے احادیث روایت کی ہیں۔ [10]

احمد بن عبداللہ بن یونس، عبدالرحمٰن بن عمرو البجلی، مسلم بن ابراہیم الازدی اور یونس بن محمد المؤدب نے امّ اسود سے احادیث اخذ کی ہیں۔ عجلی کا قول ہے کہ وہ کوفہ کی ایک مستند راویہ تھیں۔ [11] عبیدہ بنت نبیل نے عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص سے روایات بیان کی ہیں۔ عبیدہ کے ممتاز شاگرد یہ تھے: اسحاق بن محمد الفروی، خصیب بن ناصح، محمد بن عمر الواقدی اور معن بن عیسیٰ القزاز۔ [12]

یہ امر بالکل واضح ہے کہ صحابہ کے دور میں خاتون راویوں کی تعداد بہت نمایاں تھی اور یہ رجحان تابعین کے دور میں بھی برقرار رہا، البتہ تابعین کے بعد کے ادوار میں صرف چند خواتین سے احادیث مروی ہیں، جو مجموعہ ہائے حدیث میں درج ہوئی ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ علم حدیث میں مردوں کا شغف بڑھتا گیا اور وہ علمی اسفار پر قادر ہونے کے باعث تمام بلاد وامصار سے احادیث بہت کم مدت میں جمع کر لیتے۔ اس دور میں سفر بڑا مشکل تھا۔ احادیث کی تالیف کے دوران وہ اپنے دور کی خواتین سے صرف وہ احادیث اخذ کرتے جو انہیں مرد علماء سے حاصل نہ ہو پاتیں۔ مرد علماء سے رابطہ کرنا اور احادیث اخذ کرنا نسبتاً آسان تھا۔ یہ رجحان بعد کے ادوار میں اور مستحکم ہوتا گیا۔

دوسرا دور: تیسری سے پانچویں صدی تک

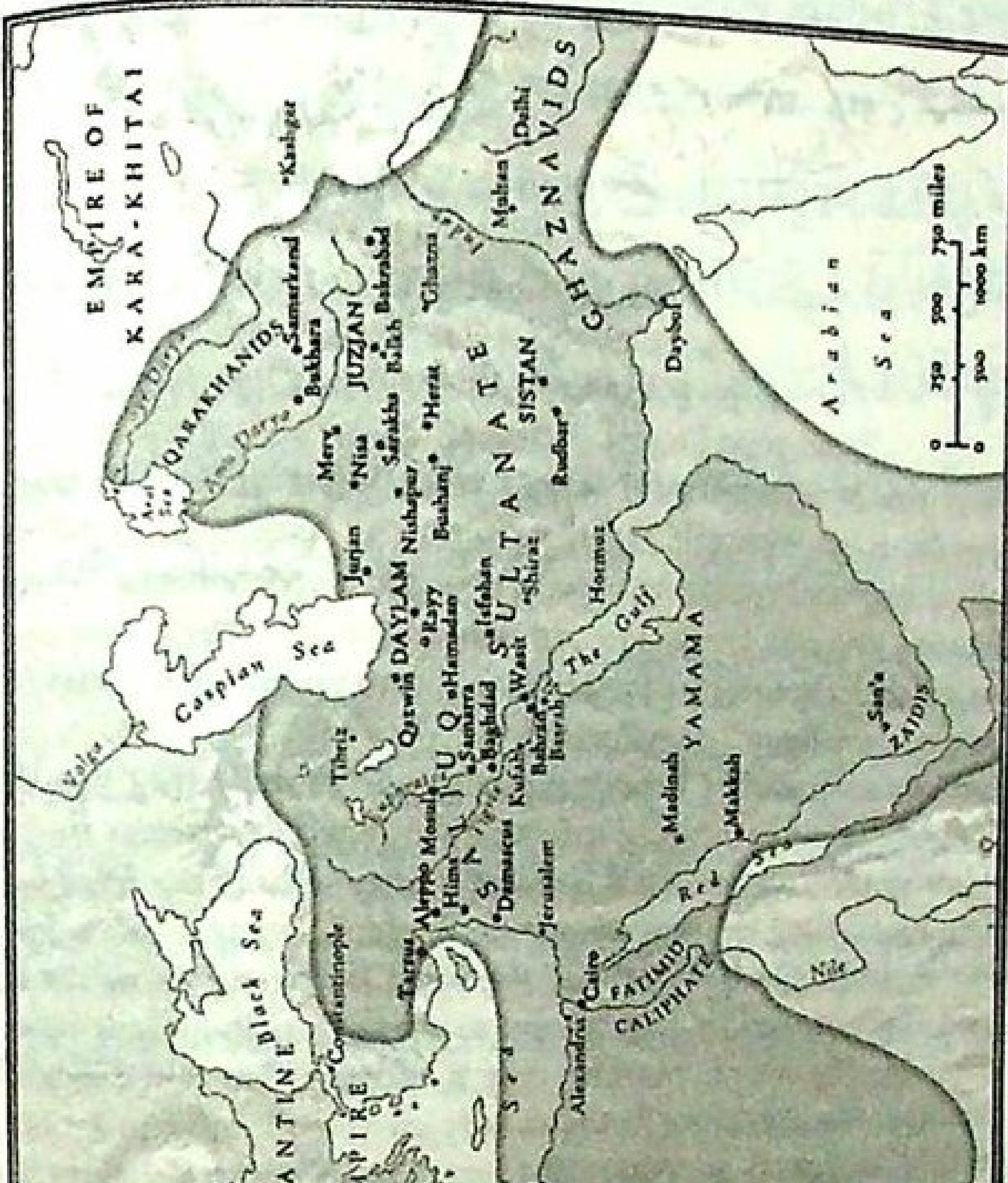
یہ علم حدیث کا زرّیں دور کہا جاتا ہے کہ اسی عہد میں احادیث کی جمع، تالیف اور تدوین ہوئی اور ان مجموعوں کی بڑے پیمانے پر اشاعت ہوئی۔ یہ دور علمی اسفار کا نقطۂ عروج بھی تھا۔ دوسری صدی کے آغاز میں اس پایہ کے علماء کے نام نظر آتے ہیں: مدینہ میں زہری (م 124)، مکہ میں عمرو بن دینار (م 123)، بصرہ میں قتادہ اور یحییٰ بن کثیر، کوفہ میں ابو اسحاق السبیعی اور اعمش۔ اسی طرح دوسری صدی کے اخیر میں یہ ممتاز محدثین منظر عام پر آئے: مدینہ میں مالک، مکہ میں ابن عیینہ، بصرہ میں شعبہ اور کوفہ میں سفیان الثوری۔ تیسری صدی کی ابتدا میں علم حدیث کے تمام مراکز، یعنی کوفہ، بصرہ، بغداد، حرمین، شام اور مصر میں مرد علماء کا غلبہ رہا۔ اس دور کے حدیث کے اساتذہ میں خواتین خال خال ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کے اساتذہ میں کسی محدثہ کا حوالہ نہیں ملتا۔ اس سے قبل کے دور میں

اس کے برعکس ابوحنیفہ، مالک، سفیان ثوری اور شعبہ کے اساتذہ میں خواتین کے نام ملتے ہیں۔ خاتون اساتذہ کی اس غیر موجودگی کا کیا سبب تھا؟

ہمیں حصول علم اور اس کی اشاعت اور فروغ کے مابین امتیاز کو مدّ نظر رکھنا چاہیے۔ جہاں تک حصولِ علم کا تعلق ہے، خواتین بدستور علمِ حدیث کا اکتساب کرتی رہیں اور ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ بیٹیوں کی تعلیم کو اس دور میں نظر انداز کیا گیا ہو۔ یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ امام مالک کی بیٹی فاطمہ کو مؤطا مکمل طور پر یاد تھی اور ان سے احادیث بھی مروی ہیں، جب کہ ان کے بیٹے کو یہ امتیاز حاصل نہ تھا۔

بنیادی فرق یہ واقع ہوا کہ اس دور میں مختلف علاقوں کے اساتذہ سے کسبِ علم کا رجحان بڑھا اور مسلم دنیا کے تمام اہم مراکز میں جمعِ حدیث کی سرگرمی بڑے پیمانے پر ہوئی۔ عورتوں کو یہ سہولت بہر کیف میسر نہ تھی کہ وہ طبعی طور پر تعب اور صعوبت سے پُر اسفار پر نکلیں اور اپنی عائلی ذمہ داریوں کو ترک کردیں۔ چند مستثنیات سے قطع نظر خواتین سے مروی احادیث کو ان کے اہلِ خانہ اور قرب و جوار کے علماء نے اخذ کیا۔

اس دور میں دور دراز کے مقامات سے طلبہ اسلامی علوم وفنون کے مراکز میں مرتکز ہوئے۔ صحاح ستہ کے مؤلفین اس رجحان کی روشن مثال ہیں۔ ان کے اپنے وطن میں علم حدیث کا چلن بالخصوص خواتین میں زیادہ نہ تھا، لہٰذا وہ اپنے خاندان یا اپنے وطن کی خواتین سے احادیث اخذ کرنے سے قاصر تھے۔ اسلامی علوم کے مراکز میں اپنے قیام کے دوران وہ کم از کم وقت میں زیادہ سے زیادہ احادیث اخذ کرنے کے خواہاں ہوتے، تاکہ پھر وہ اپنے وطن مراجعت کریں، یا دیگر مقامات کا سفر اختیار کریں۔ قدرتاً وہ ایسے اساتذہ کی صحبت اختیار کرتے جنھیں اسفار کا تجربہ ہوتا اور جن کے پاس احادیث کا ذخیرہ ہوتا۔ مزید برآں ان مراکز میں نو وارد ہونے کے سبب ان کے لیے یہ دشوارتر تھا کہ وہ مقامی عالمات تک رسائی حاصل کریں اور ان سے ان کے روابط بہت محدود تھے۔ تیسری صدی تک خواتین سے مروی احادیث معروف ہو چکی تھیں اور ان کے مستند راوی تھے، جن تک ان مسافر طالبان حدیث کی رسائی آسان تھی۔



(مسلم دنیا میں محدثات کی موجودگی)

اس سے قطع نظر وہ علماء، جن کی اسلامی مراکز میں محدثات تک رسائی تھی، وہ محدثات سے احادیث اخذ کرتے تھے۔ اسی باعث ان محدثات کے نام اور ان سے مروی احادیث محفوظ ہیں۔ مثال کے طور پر مدینہ میں امام شرف الدین الجزری (م813) اسناد کے ساتھ بکر بن احمد القصری سے اور وہ امّ کلثوم سے، جو کہ موسیٰ بن جعفر (تیسری صدی) کی بیٹیاں تھیں اور وہ فاطمہ بنت جعفر بن محمد الصادق (دوسری صدی) سے روایت کرتے ہیں: ''فاطمہ بنت محمد بن علی (دوسری صدی) نے مجھ سے بیان کیا کہ ان سے فاطمہ بنت علی بن الحسین (پہلی صدی) نے روایت کی کہ ان سے حسین بن علی کی بیٹیوں فاطمہ اور سکینہ نے اور انھوں نے امّ کلثوم بنت فاطمہ بنت رسول اللہؐ سے روایت کی: ''کیا تم رسول اکرم ﷺ کا یہ قول بھول گئے جو انھوں نے حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰؑ کے لیے ہارون تھے۔'' [13] مزید برآں مدینہ میں عائشہ بنت زبیر بن ہشام بن عروہ، جن سے قاضی ابوعبداللہ المحاملی نے احادیث اخذ کی ہیں۔ [14] اس دور میں بغداد میں احمد بن حنبل کی اہلیہ ریحانہ اور ان کے غلام حسن دونوں نے ان سے احادیث اخذ کیں۔ [15] کوفہ میں فاطمہ بنت الزیات سرگرم تھیں۔ خطیب البغدادی نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ [16] کوفہ میں فاطمہ بنت محمد بن عبدالرحمٰن بن شریک کی احادیث کو حفص بن عمر بن شاہین نے اخذ کیا۔ [17] بصرہ میں غفیرہ بنت واقد کی احادیث کو ابن حبّان نے محفوظ کیا۔ [18] واسط نے فاطمہ بنت اسحاق بن وہب بن العلاف الواسطی کی احادیث کو امام طبرانی نے محفوظ کیا۔ [19] شام میں امّ العباس لبابہ بنت یحییٰ بن احمد بن علی بن یوسف الخراز کی احادیث کو خطیب البغدادی نے محفوظ کیا۔ [20]

تیسری صدی کے اختتام پر علم حدیث میں زوال کے آثار پیدا ہوئے اور یہ رجحان پانچویں صدی تک باقی رہا۔ غالباً محدثات کی علمی سرگرمیوں کے لحاظ سے چوتھی صدی میں سب سے کم معلومات دست یاب ہیں۔ اس صدی میں بغداد محدثات کا مرکز تھا۔ ایک اہم محدثہ امۃ الواحد بنت الحسین بن اسماعیل المحاملی (م377) گزری ہیں۔ ان کے بارے میں دار قطنی رقم طراز ہیں: ''امۃ الواحد نے اپنے والد اسماعیل بن عباس الورّاق، عبدالغافر بن سلامہ الحمصی، ابوالحسن المصری، حمزہ الہاشمی اور دیگر محدثین سے احادیث اخذ کی ہیں۔ وہ قرآن مجید کی حافظہ تھیں۔

انھوں نے شافعی مسلک کے مطابق علم فقہ کا اکتساب کیا اور دیگر علوم پر دسترس حاصل کی۔ [21] اس دور کی ایک اور نمائندہ محدثہ فاطمہ بنت عبد الرحمٰن الحرّانیۃ (م312) ہیں۔ ان کی پیدائش بغداد میں ہوئی اور پھر انھوں نے مصر کا سفر اختیار کیا۔ جہاں ان کے تلامذہ نے ان سے علم حدیث حاصل کیا۔ [22] امۃ السلام بنت القاضی ابی بکر (م390) اس صدی کی ایک اور قابل ذکر محدثہ ہیں۔ ان کے متعدد تلامذہ کے نام [23] خطیب نے درج کیے ہیں۔ [24]

اس صدی کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ خراسان اور ماوراء النہر میں بھی محدثات کی موجودگی کا علم ہوتا ہے۔ مسلم دنیا کے اس خطہ میں محدثات کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ منگولوں نے ساتویں صدی کے اوائل میں اس علاقہ کو تاراج کر دیا۔ اس علاقہ کی چوتھی صدی کی ممتاز محدثات یہ ہیں: امّ سلمہؓ، آمنہ بنت ابی سعید الحسن بن ابی اسحاق بن بلبل النیشاپوری [25]، جمعہ بنت احمد بن محمد بن عبداللہ المحمیۃ نیشاپوری۔ انھوں نے بغداد میں بھی درس حدیث دیا۔ [26] اور امّ عبداللہ زینب بنت عبد الرحمٰن بن محمد العجلیۃ۔ انھوں نے 347 میں جرجان میں درسِ حدیث دیا۔ [27]

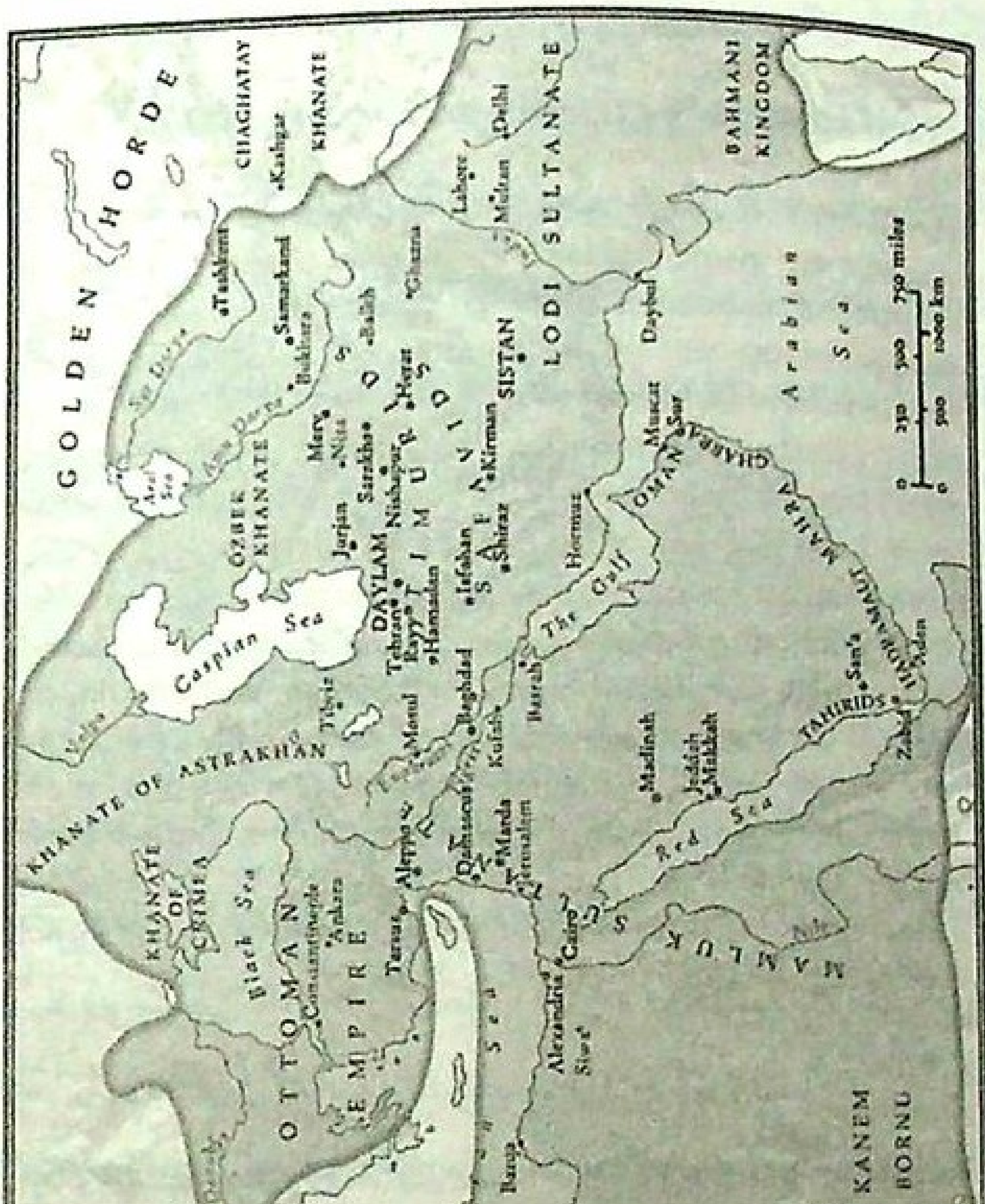
چوتھی صدی کے اختتام پر یہ رجحان قابل ذکر ہے کہ لوگ بچوں تک کو درس میں لاتے، جو پانچ سال کی عمر سے قبل حدیث کا سماع کرتے۔ وہ روایت کرتے وقت یہ جملہ استعمال کرتے کہ ہم سماع میں موجود تھے اور یہ کہنے سے احتراز کرتے کہ ہم نے فلاں فلاں قول سنا، البتہ بعض علماء کو یہ طرز عمل پسند نہ تھا۔ ابو القاسم عبداللہ بن الحافظ ابی محمد الحسن بن محمد الخلاّل (385-470) کے تذکرے میں ذہبی بیان کرتے ہیں کہ ابو القاسم کے والد ان کو ابو الحفص الکتانی سے حدیث کے سماع کے لیے لائے۔ سماع کے وقت ان کی عمر پانچ سال تھی۔ اس کے بعد سے یہ نظام مختل ہوگیا۔ موجودگی کے بجائے اجازہ کو زیادہ اہمیت ملنے لگی۔ کیوں کہ اگر کوئی شخص درسِ حدیث میں شریک ہوا اور اس میں کچھ فہم نہ ہوا تو اس کا سماعِ حدیث بے معنیٰ ہے۔ اس کے برخلاف جس کو اجازہ حاصل ہوتا ہے وہ صاحبِ علم وفضل ہوتا ہے۔ اگر شرکت کے ساتھ اجازہ بھی ہو تو بہتر ہے۔ [28]

پانچویں صدی میں درس وتدریس اور روایت حدیث کے میدان میں عجمی خواتین کو عرب خواتین پر فوقیت حاصل رہی۔ مثال کے طور پر نیشاپور میں فاطمہ بنت ابی علی بن حسن بن علی الدقاق (م480) صحاح ستہ کا درس دیتی تھیں۔ ان کے درس میں ابو امامہ کا **مسند** بھی شامل تھا۔ [29] سمعانی رقم طراز ہیں: ''فاطمہ اپنے دور کی ایک قابلِ فخر خاتون تھیں۔ ان کا اعلیٰ کردار بے مثل تھا۔ وہ قرآن مجید کی شناور تھیں اور متقی اور زاہدہ بھی۔'' [30] اصفہان میں عائشہ بنت حسن ابراہیم الورکانیۃ الاصفہانیۃ (م460) نے شہرت پائی۔ وہ پابندی سے درس حدیث کا اہتمام کرتیں۔ ابن السمعانی کا قول ہے: ''میں نے حافظ اسماعیل سے فاطمہ کے بارے میں استفسار کیا۔ انھوں نے جواب دیا: وہ ایک متقی عالمہ ہیں، جو خواتین کو پند وموعظت پر مشتمل خطبہ دیتیں۔ ان سے انھوں نے ابن مندہ کی أمالی نقل کی۔ وہ پہلی شخصیت ہیں جن سے میں نے حدیث اخذ کی۔ میرے والد نے مجھے ان کی شاگردی اختیار کرنے کی ہدایت کی۔ وہ علائقِ دنیا سے پاک تھیں۔'' [31] ہرات کی محدثہ بیبا بنت عبد الصمد الھرثمیۃ (م477) گزری ہیں۔ ان کے بارے میں سمعانی کا قول ہے: ''وہ ایک صالحہ اور متقی خاتون تھیں۔ ان سے احادیث اخذ کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہے۔ [32] مرو میں کریمہ بنت احمد بن محمد بن حاتم المروزیۃ (م465) نے شہرت پائی۔ انھوں نے متعدد مرتبہ **صحیح البخاری** کا درس دیا۔ [33] ان کے بارے میں سمعانی کی رائے ہے کہ خواتین میں ان کے مثل کوئی نہ تھا۔ [34]

تیسرا دور: چھٹی سے نویں صدی تک

اس دور میں عالم اسلام کو دو ایسے عظیم سانحوں سے دوچار ہونا پڑا تھا جو نہ اس سے قبل پیش آئے اور نہ اس کے بعد۔ وہ ہیں یروشلم اور فلسطین کے ایک حصہ کی صلیبی جنگوں کے ہاتھوں تباہی اور مشرقی عالم اسلام کی منگولوں کے ہاتھوں تاراجی۔ منگولوں نے عباسی خلافت اور اس کے دار السلطنت بغداد کو تباہ وبرباد کردیا۔

اس دور میں تباہی اور بربادی کے باوصف علم حدیث کا احیا ہوا۔ اس سے قبل کے ادوار میں فقہ کا غلبہ تھا۔ علم حدیث کے اس احیا میں خواتین کے مطالعہ اور درس حدیث کا کلیدی کردار



(چھٹی سے نویں صدی تک محدثات کی موجودگی)

ہے۔ صحابہ کے دور کے بعد یہ دور علم حدیث میں خواتین کے کارناموں کے لحاظ سے انتہائی درخشاں ہے۔ ذہبی کا مذکورہ بالا قول اسی دور سے متعلق ہے۔ امام حافظ ابوعبداللہ محمد بن محمود النجّار (578-643) کے ذیل میں وہ رقم طراز ہیں: ''ابن الساعتی کا قول ہے کہ ان کے اساتذہ میں 3000 مرد اور 400 خواتین شامل تھیں۔[35]

یہ سوال اہم ہے کہ یروشلم اور بغداد کے سقوط کے باوجود علم حدیث کا احیا کیوں ہوا؟ اس کا جواب غالباً یہ ہے کہ ملّی سانحے امت کو انفرادی اور اجتماعی طور پر جھنجھوڑ دیتے ہیں اور ان کو اپنے پیمانِ وفا استوار رکھنے پر مائل کرتے ہیں۔ بہ صورت دیگر ان کا مخصوص طرز زندگی معدوم ہوسکتا ہے۔ اس دور کے مسلمانوں نے ان مصائب کو برداشت کیا اور اس سے ان میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ وہ اپنی روایات پر کاربند رہیں، اپنے مذہب کو محفوظ رکھیں اور اپنے معاشرے کی اصلاح کریں۔ مسلمانوں کے لیے اصلاح کا وہی راستہ اسلامی نقطۂ نظر سے قابل قبول ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کی سنّت کی روشنی میں ہدایت پر مبنی ہو۔ اس خیال کی تصدیق اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ حدیث کے احیا کی اس روایت کا آغاز یروشلم اور اہل شام کے علماء نے کیا۔ یہ حضرات صلیبی جنگوں سے براہ راست متأثر ہوئے تھے۔ ابن عساکر دمشقی اور ابن قدامہ کے خاندان نے یروشلم سے ہجرت کی تھی، کیوں کہ وہاں صلیبی فوج کا قبضہ تھا۔ یہ حضرات دمشق میں رہائش پذیر ہوئے۔ وہاں انھوں نے علم حدیث کا احیا کیا اور بعد میں ان کے ہم خیال افراد شام اور دیگر مقامات سے ان سے منسلک ہوگئے۔ اس دور کی خواتین نے بھی علم حدیث کی حفاظت اور احیا میں بھرپور حصہ لیا۔

جب حصولِ علم کا احیا ہوا تو علمِ حدیث کے مراکز اب دمشق یا قاہرہ نہیں رہے، بلکہ طالب علم اصفہان اور مشرقی علاقوں کا سفر کرتے۔ بغداد میں کثیر تعداد میں محدثات موجود تھیں، جن سے طلبہ رجوع کرتے۔ اس دور کی ممتاز محدثات میں شہدہ بنت الابری (م 574) اور تجنی بنت عبداللہ الرہبانیۃ (م 575) سرفہرست ہیں۔ اس دور کے تمام طلبۂ حدیث ان سے رجوع کرتے۔ اصفہان کی مشہور شیخہ فاطمہ بنت عبداللہ الجوزدانیۃ (م 524) تھیں۔ ان کا شمار تاریخ علم حدیث میں ایک ممتاز محدثہ کے طور پر ہوتا ہے۔ ان کی شاگردہ فاطمہ بنت سعد الخیر

(م600) نے دمشق اور قاہرہ میں علم حدیث کی اشاعت کی۔ اس صدی کے خاتمہ تک علم حدیث دمشق میں خاصا مستحکم ہوگیا تھا۔ اس کی بہ طور علمی مرکز حیثیت تسلیم کی جاچکی تھی۔ اس دور کی خواتین اور اساتذہ میں آمنہ بنت محمد بن حسن بن طاہر الدمشقیۃ (م595) کا نام بھی آتا ہے۔ انھوں نے اپنے دادا قاضی ابوالمفضل یحیٰ بن علی القرشی اور ابومحمد عبدالکریم بن حمزہ سے حدیث کا درس لیا۔ ان کے والد نے انہیں سنن ابی داؤد کا ایک نسخہ ہدیہ کیا، جس کا مطالعہ انھوں نے عبدالکریم بن حمزہ کی نگرانی میں کیا۔[36] آمنہ کے ممتاز شاگرد یہ ہیں: قاضی محی الدین ابوالعالی بن الذکی، شہاب الدین القوصی وغیرہ۔ انھوں نے دمشق میں ایک رباط بھی قائم کی تھی۔[37]

ابن نجار نے اس دور میں 400 خواتین اساتذۂ حدیث سے کسبِ علم کیا۔ اس سے اس دور میں خواتین کے علم حدیث سے شغف کی شہادت ملتی ہے۔ اسی طرح حافظ ابن عساکر (م571) نے 80 محدثات سے احادیث اخذ کیں۔ ان کے رفیق اور محدث ابوسعد السمعانی (م562) نے اپنی 69 خواتین اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے۔ ابو طاہر السّلفی (م576) نے بھی متعدد خواتین اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ابن الجوزی اپنے علم وفن کے لیے کسی تعارف کے محتاج نہیں انھوں نے کوئی علمی سفر نہیں کیا۔ انھوں نے تین محدثات سے احادیث اخذ کیں۔

ساتویں صدی کا آغاز منگولوں کی تباہ کن یلغار سے ہوا۔ چنگیز خاں نے خوارزم شاہ کے خلاف 616 میں شورش بپا کی۔ چنگیز خان کی فوج نے بخارا، سمرقند، ہمدان، جرجان، قزوین، مرو اور نیشاپور کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کے دور میں منگول فوج بغداد پر حملہ آور ہوئی اور اس کو تہس نہس کردیا، خزانے لوٹ لیے گئے، کتب خانے برباد کردیے گئے اور مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ پھر منگول فوج نے اسی بربریت کا مظاہرہ حلب میں کیا۔ جمادی الاولیٰ 658 میں ان کا دمشق پر قبضہ ہوگیا، البتہ مصر کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے منگول فوج کو پہلی مرتبہ عین جالوت کے مقام پر رمضان 658 میں ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔ اس دور کے مملوک سلطان بیبرس نے جنگ کا پانسا مسلمانوں کے حق میں پلٹ دیا۔

البتہ منگول سرحد پر منڈلاتے رہے اور ان کے شب خون اور لوٹ مار کا خطرہ بہ دستور باقی رہا۔

منگولوں کے حملوں کے دور رس نتائج برآمد ہوئے۔ سمرقند، بخارا، نیشاپور اور بغداد کے علمی مراکز تباہ و برباد ہوگئے اور پھر وہ علم حدیث کے درس و تدریس کے طور پر اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ کبھی نہ حاصل کر سکے۔ یہ امر باعث طمانیت ہے کہ ان مراکز کی تباہی سے قبل ہی شام و مصر اسلامی علوم و فنون کے مرکز بن چکے تھے۔ شام اور مصر پر مملوک سلطنت کے حکمراں 648 سے 923 تک رہے۔ اس دور میں علمی سرگرمیاں نقطۂ عروج پر رہیں اور مملوک سلطنت کے مختلف حصوں میں عظیم الشان مدراس و مساجد قائم ہوئے۔ شام میں علم حدیث کا احیا ہوا اور پھر یہ روایت مصر میں پروان چڑھی۔ شیخ احمد بن محمد بن قدامہ نے اپنے اہل خانہ، رفقاء اور تلامذہ کے ہمراہ 551 میں فلسطین سے نقل مکانی کی اور قاسیون دمشق میں قیام پذیر ہوئے۔ یہاں شیخ ابو عمر محمد بن قدامہ المقدسی نے 555 میں المدرسہ المعمریۃ قائم کیا۔ کچھ عرصہ بعد 599 میں وہاں جامع الحنابلہ بھی قائم ہوا۔ یہ علم حدیث کے دو اہم مراکز تھے۔ علم حدیث کا ایک اور اہم مرکز دارالحدیث النوریۃ دمشق میں 559 میں سلطان نور الدین الشہید نے قائم کیا۔ الملک الکامل الایوبی نے 622 میں قاہرہ میں دار الحدیث الکاملۃ کی داغ بیل ڈالی اور ان کے بھائی الملک الاشرف نے مطالعۂ حدیث کے دو مراکز دمشق میں قائم کیے۔ شام اور مصر میں علمی سرگرمیوں کے یہ ادارے اہم ماخذ اور مراکز ثابت ہوئے۔ ان مراکز میں خواتین اساتذہ بھی تھیں اور طالبات بھی۔ کتبِ حدیث کے سماعات میں ان محدثات کا ذکر جا بجا ملتا ہے۔

محدثات کے سوانحی خاکوں پر مشتمل میری تصنیف کی کئی جلدیں ساتویں صدی کے محدثات کے لیے مختص ہیں اور آٹھویں اور نویں صدی کی محدثات بھی کئی جلدوں کو محیط ہیں۔ شام اور مصر کے علاوہ حرمین میں محدثات نے نمایاں مقام حاصل کیا۔ ساتویں سے نویں صدی کی نوّے فی صد سے زائد محدثات کا تعلق شام، مصر اور حرمین سے تھا۔

چوتھا دور: نویں صدی سے پندرہویں صدی تک

یہ زوال اور انحطاط کا دور ہے۔ صرف ایک جلد اس دور کے احاطہ کے لیے کافی ہے۔

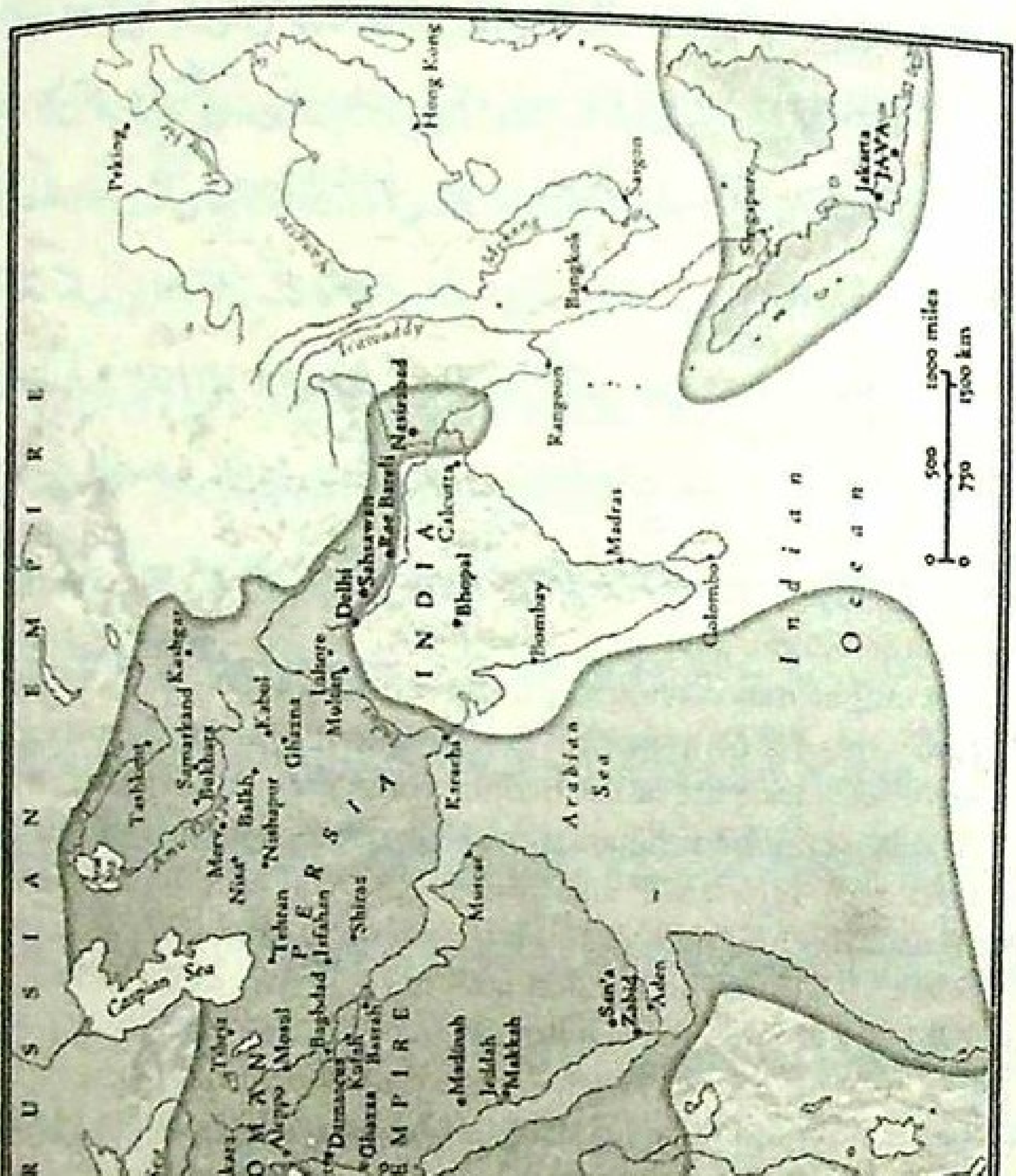
انحطاط صرف محدثات تک محدود نہیں اور نہ صرف علم حدیث پر اس کی زد پڑی، بلکہ اس زوال کا شکار مرد اور خواتین اور تمام اسلامی علوم وفنون ہوئے۔

اس دور کی نمایاں ترین محدثہ امّ الخیر امۃ الخالق الدمشقیۃ (م902) ہیں۔ سیوطی کا ان کے بارے میں قول ہے: ''ان کی وفات سے علم حدیث میں خلا واقع ہوا، کیوں کہ وہ آخری راوی تھیں جو عائشہ بنت الہادی سے روایات بیان کرتی تھیں اور عائشہ الحجاج کی آخری شاگردہ تھیں۔'' [38]

اس دور کی ایک اور اہم شخصیت عائشہ بنت محمد بن احمد بن ابی عمر الحنبلیۃ (م906) ہیں۔ ابن طولون کی ان کے بارے میں یہ رائے ہے: ''عائشہ نے علم حدیث کا مطالعہ اس گروہ کے ساتھ کیا جس میں ابوبکر بن ناصر الدین شامل تھے۔ انہی کی نگرانی میں انھوں نے ان کی امالی کی مجلس اوّل کا مطالعہ کیا، جس میں **المسلسل بالاوّلیۃ** اور **قدس الشرح** بھی شامل ہیں۔ ابن طولون عائشہ کے شاگرد تھے۔'' [39]

زبید کی شیخہ اسماء بنت کمال الدین موسیٰ الضجی (م904) بھی قابل ذکر محدثہ ہیں۔ عیدروسی ان کے بارے میں رقم طراز ہیں: ''وہ ایک صالحہ، عابدہ اور قاریہ تھیں۔ ان کو تفسیر اور حدیث کی کتب پر عبور تھا اور وہ خواتین کو درس دیا کرتی تھیں۔ ان کو وعظ دیتیں اور ان کو ضبط نفس کی تعلیم دیتیں۔ اسماء کی تقاریر کا سامعین کے قلب پر اثر پڑتا۔ بعض مواقع پر انھوں نے سلطان، قاضی اور امیر کو سفارشی خطوط روانہ کیے۔ ان کی سفارش کو بالعموم منظور کیا جاتا۔'' [40]

ایک اور اہم شخصیت زینب بنت محمد الغزی (م980) کی ہے۔ نجم الدین الغزی رقم طراز ہیں: ''زینب نے اپنے والد اور اپنے بھائی (میرے والد) کی نگرانی میں اکتساب علم کیا اور انھوں نے **تنقید اللباب** اور **المنہاج** کے ایک جزء کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے اپنے والد اور بھائی کے لیے متعدد کتابیں نقل کیں۔ نجم الدین الغزی نے زینب کے علم وفضل اور انفرادیت کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ [41]



(دسویں سے چودھویں صدی کی مسلم دنیا میں محدثات)

گیارہویں صدی کی محدثات میں قابل ذکر شخصیت مکی عالمہ زین الشرف بنت الامام عبدالقادر بن محمد بن یحییٰ بن مکرم الطبری (م1083) کی ہے، جو کہ عالی اسناد کی حامل تھیں۔ ان کے شاگردوں میں یہ حضرات شامل تھے: ابراہیم الکرانی، جنھوں نے اس دور میں علم حدیث کا احیا حجاز میں کیا اور حجاز کے حافظ عبداللہ بن سالم البصری۔ [42] ایک اور اہم شخصیت ان کی بہن مبارکہ (م1075) کی ہے۔ وہ ان کو اہم کتب حدیث **صحیح البخاری** اور سیوطی کی **الجامع الصغیر** کا درس دیا کرتی تھیں۔ [43] ان کے شاگرد حسن العجمی نے ان کی نگرانی میں مطالعہ کیا۔ کتبِ حدیث کی ایک طویل فہرست فراہم کی ہے۔ [44] مدینہ کی معمر شیخہ اور عالی اسناد کی حامل اور فقیہہ فاطمہ بنت شکر اللہ بن اسد اللہ الکرانیۃ بھی اس دور کی معروف محدثہ ہیں۔ [45] ان کے شاگردوں میں ابواسحاق سباعی (م1155) شامل ہیں، جنھوں نے ان کی نگرانی میں اور مدینہ میں ان کے مکان پر متعدد کتبِ حدیث کا مطالعہ کیا۔ [46]

بارہویں صدی کی مشہور محدثات میں قابل ذکر نام مکّہ کی محدثہ اور فقیہہ قریش الطبریۃ (م1107) کا ہے۔ فالح الظاہری نے ان کا شمار حجاز کے ان سات نامور محدثین میں کیا ہے جن کی کاوشوں کی بدولت حجاز میں بعد کے دور میں علم حدیث کا احیا ہوا۔

دسویں صدی سے ہمارے دور کی غالباً اہم ترین محدثہ قریش الطبریۃ ہیں۔ ان کو اپنے دور میں عالی اسناد حاصل تھیں۔ ان کے علمی کارنامے علیٰحدہ تحقیق کا موضوع ہیں۔

تیرہویں صدی میں دہلی کے محدثین کے خانوادے میں ایک عظیم محدثہ کا ظہور ہوا، یعنی امۃ الغفور اسحاق الدہلوی جنھوں نے اپنے والد کی نگرانی میں علم حدیث حاصل کیا۔ ان کے والد اپنے دور کے ممتاز ترین محدث تھے۔ امۃ الغفور نے حدیث اور فقہ میں درجۂ استناد حاصل کیا۔ جب کبھی ان کے عالم شوہر کو حدیث یا فقہ کے بارے میں کوئی دشواری پیش آتی تو وہ امۃ الغفور سے رجوع کرتے اور ان کے علم و فن سے فیض یاب ہوتے۔ [47]

ایک اور اہم شخصیت رحمہ بنت الجنان المکناسیۃ کی ہے، جن کو صحاح ستہ کی متعدد احادیث ازبر تھیں۔ [48] فاطمہ بنت حمد الفضیل (م1247) کو تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول میں ید طولیٰ

حاصل تھا۔ انھوں نے متعدد کتبِ حدیث کا مطالعہ کیا تھا اور مسلسلات کثرت سے اخذ کی تھیں۔ مکّہ کے معروف علماء نے ان کی شاگردی اختیار کی اور ان کے تقویٰ، صالحیت اور دنیا سے بے رغبتی کو خراج تحسین پیش کیا۔ فاطمہ سے منسوب کئی کتابیں دل کش کتابت میں محفوظ ہیں۔[49]

چودھویں صدی کی نامور محدثہ امۃ اللہ بنت الامام عبدالغنی الدہلویۃ (م1357) ہیں، جو مدینہ میں مقیم رہیں۔ انھوں نے اپنے والد سے استفادہ کیا اور متعدد مرتبہ صحاح ستہ اور دیگر اجزاء کا مطالعہ کیا۔[50] انھوں نے مسلسلات بھی اخذ کیں۔ ان کے والد نے ان کی تعلیم پر خصوصی توجہ کی اور ان کے دور کے ممتاز محدثین سے ان کے لیے اجازے حاصل کیے۔[51] مدینہ میں اپنے مکان پر امۃ اللہ قدوری اور دیگر کتب حدیث کا درس دیتی تھیں[52] ان کے تلامذہ میں اس دور کے ممتاز علماء کے نام ملتے ہیں، مثلاً عمر ہمدان المحرسی (م1368)، احمد الغماری اور محمد یٰسین الفدانی (م1410)۔

حواشی

1۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، جلد2، ص139۔
2۔ ابن حجر، تهذيب التهذيب، جلد12، ص463۔
3۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، جلد2، ص210۔
4۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، جلد2، ص387۔
5۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، جلد4، ص508۔
6۔ مزّی، تهذيب الكمال، جلد35، ص152۔
7۔ صفدی، الوافی بالوفيات، جلد13، ص106۔
8۔ ذہبی، تذكرات الحفاظ، ص53۔
9۔ ابن کثیر، البدايه و النهايه، ص82۔
10۔ ابن حجر، تهذيب التهذيب، جلد12، ص486۔

11۔ ایضاً۔

12۔ مزّی، تهذیب الکمال، جلد 35، ص 239۔

13۔ دیکھیے ابن الجزری، اسنا المطالب، ص 49۔

14۔ محاملی، کتاب الدعاء، ص 186۔

15۔ ابوحسین بن ابی یعلیٰ، طبقات الحنابلة، جلد 1، ص 429۔

16۔ خطیب بغدادی، تلخیص المتشابة، جلد 1، ص 113۔

17۔ ابن شاہین، الترغیب فی فضائل الأعمال و ثواب ذٰلک، ص 167۔

18۔ ابن حبّان، کتاب الثقات، جلد 4، ص 9۔

19۔ طبرانی، المعجم الصغیر، جلد 2، ص 151۔

20۔ خطیب بغدادی، تلخیص المتشابه، جلد 1، ص 482۔

21۔ تاریخ بغداد، جلد 14، ص 443۔

22۔ ایضاً، ص 441۔

23۔ ذہبی، تاریخ الاسلام (381-400)، ص 195۔

24۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، جلد 14، ص 443۔

25۔ حسن بن اسحاق بن بلبل فی ابن العدیم، بغیة الطلب، ص ص 98-2295۔

26۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، جلد 14، ص 444۔

27۔ شامی، تاریخ جرجان، ص 506۔

28۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، جلد 18، ص 369۔

29۔ ابن نقطہ، التقید، ص 497۔

30۔ ذہبی، تاریخ الاسلام (471-480)، ص 296۔

31۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، جلد 18، ص 302۔

32۔ ایضاً، ص 404۔

33۔ ایضاً، ص 233۔

34۔ ایضاً، ص 234۔

35۔ ایضاً، جلد 23، ص 133۔

36۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، تراجم النساء، ص 49۔

37۔ ذہبی، تاریخ الاسلام (591-600)، ص 180۔

38۔ سیوطی، المنجم فی المعجم، ص 99۔

39۔ ابن حمید، السحب الوابلة، ص 511۔

40۔ العیدروسی، النور السافر، ص 40۔

41۔ نجم الدین الغزی، الکواکب السائرة، جلد 3، ص ص 138,139۔

42۔ عبدالستار الدہلوی المکّی، کتاب الأزہار الطیّبة النشر، ص 1۔

43۔ مرداد ابوالخیر، مختصر نشر الظہور، ص 399۔

44۔ ابن العجیم، خبایا الزوایا، 83-182۔

45۔ الکتّانی، فہرس الفہارس، جلد 2، ص 1095۔

46۔ ایضاً۔

47۔ الحسنی، نزہة الخواطر، جلد 7، ص 93۔

48۔ کحالہ، أعلام النساء، جلد 1، ص 445۔

49۔ ابن الحمید، السحب الوابلة، جلد 3، ص 1227۔

50۔ اساتذہ اور راویوں کے بارے میں کتاب۔

51۔ الکتّانی، فہرس الفہارس، جلد 2، ص 1115۔

52۔ محمد عاشق الٰہی البرنی، العناقید الغالیة من الأسانید العالیة، ص 176۔

علاقہ کے لحاظ سے ایک عمومی جائزہ

حجاز

حجاز میں علم حدیث کے مراکز حرمین یعنی مکّہ اور مدینہ میں تھے۔ مدینہ اس اعتبار سے علم حدیث کا بڑا مرکز تھا کہ صحابہ وہاں مقیم تھے۔ عراق اور شام سے طلبہ مدینہ کا سفر کرتے، تا کہ صحابہ اور صحابیات سے سنّت اور حدیث کی خوشہ چینی کریں ۔ دوسری صدی کے اختتام تک مدینہ کی اہمیت بہ طور علمی مرکز برقرار رہی۔ البتہ اس کے بعد نویں صدی تک وہاں چند ہی محدثین مقیم رہے۔ اس کے بعد نویں صدی میں جب مدینہ میں علم حدیث کا احیا ہوا تو یہ چودھویں صدی تک جاری رہا۔ محدثات اور محدثین حج اور عمرہ کے اسفار کے دوران کبھی کبھی درس بھی دیتے۔ اس دور کی ایک اہم محدثہ فاطمہ بطاحیہ ہیں، جو وہاں شام سے آئی تھیں۔ وہ مسجد نبوی میں درس دیتیں اور اس دور کے ممتاز علماء آپ کے شاگرد رہے۔ اس دور کی دیگر قابل ذکر محدثات یہ ہیں : امۃ اللہ بنت عبدالغفور دہلویۃ (م 1357) اور فاطمہ شمس جہاں الجرکسیۃ، جو شیخ الاسلام عارف الترکی کی اہلیہ تھیں۔ فاطمہ کے شاگردوں میں جن اساطین کے نام آتے ہیں وہ یہ ہیں: حافظ عبدالحیٔ الکتانی (م 1382) اور عمر ہمدان المحرسی (م 1368)۔[1]

حج کے باعث مکّہ ہمیشہ علم حدیث کا مرکز ومنبع رہا۔ پہلے کی چند صدیوں میں وہاں علم حدیث سے متعلق خواتین کے نام کم ملتے ہیں۔ غالبًا اس دور کی اہم اور مشہور محدثہ کریمہ المروزیۃ ہیں، جن کا تعلق پانچویں صدی سے ہے۔ انھوں نے وہاں **صحیح البخاری** کا درس متعدد دفعہ دیا۔ آٹھویں صدی میں علم حدیث کی روایت مکّہ میں مستحکم ہوئی اور خواتین کی موجودگی قابل ذکر رہی۔ یہ صورت حال چودھویں صدی تک قائم رہی۔ مکّہ کی غالبًا آخری اور اہم محدثہ اور شیخہ آمنہ بنت ابی محمد بن حسین الحبشی (م 1342) ہیں، جو اپنے تقویٰ اور صالحیت کے لیے معروف تھیں۔ انھوں نے احادیث اپنے والد اور مفتی مکّہ اور اپنے شوہر امام

علوی بن احمد السقاف سے حاصل کیں۔[2]

عراق

مدینہ کے بعد تحصیل علم کا ایک اہم مرکز پہلی صدی میں خواتین کے لیے بصرہ تھا۔ حضرت عائشہؓ کے وہاں قیام کے باعث اس مرکز کو اور شہرت ملی۔ ان سے مروی احادیث اس دور کے مجموعہ ہائے احادیث میں شامل ہیں۔[3] مشہور صحابی اور عظیم فقیہہ امّ عطیہ الانصاریۃ کے وہاں نقل مکانی کے بعد یہ علمی روایت اور آگے بڑھی۔ صحابہ اور ممتاز تابعین نے بصرہ میں ان سے احادیث اخذ کیں۔ بقیع بن المخلد نے اپنی تصنیف مسند میں حضرت عائشہؓ سے مروی چالیس احادیث کا ذکر کیا ہے۔[4]

تابعین کے دور کی مشہور محدثہ حفصہ بنت سیرین ہیں۔ انھوں نے بصرہ میں علم حدیث کی ترویج وسیع پیمانے پر کی۔ ایک اور مشہور محدثہ معاذۃ العدویۃ ہیں، جو صلہ بن اشیم کی اہلیہ تھیں۔ دوسری صدی کے خاتمہ تک بصرہ میں محدثات فعال رہیں، البتہ اس کے بعد مجھے اپنی تحقیق کے دوران بصرہ کی کسی معروف محدثہ کا حوالہ نہیں ملا۔

بصرہ کے علاوہ کوفہ محدثات کا ایک اور اہم مرکز تھا۔ کوفہ میں مقیم محدثات کے نام یہ ہیں: زینب بنت ابی معاویہ الثقفیۃ اہلیہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، سلامہ بنت حر الفزاریۃ [5]، جمرہ بنت عبداللہ الیربوعیۃ التمیمیۃ [6]، فاطمہ بنت الیمان [7]، قتیلہ بنت سیف الانصاریۃ [8]، ماریہ [9] جو کہ رسول اللہ ﷺ کی باندی تھیں، امّ یاسر الانصاریہ [10] اور جسرہ بنت دجاجہ الکوفیۃ، ان کے صحابیہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔[11] جسرہ نے حضرت ابوذرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت امّ سلمہؓ سے روایات بیان کی ہیں۔ عجلی نے ان کو ایک معتبر راوی تسلیم کیا ہے۔[12] حضرت فاطمہ بنت قیسؓ [13] کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ وہ ایسی صحابیہ ہیں، جنھوں نے علمی اسفار کیے اور علم حدیث کو فروغ دیا۔ کوفہ میں تابعین میں سب سے اہم محدثہ قمیر بنت عمرو الکوفیۃ ہیں، جو کہ مشہور محدث اور عالم مسروق بن الاجدع کی اہلیہ ہیں۔ [14] دوسری صدی کے خاتمہ تک کوفہ میں علم حدیث کی ترویج برقرار رہی۔

تیسری صدی کے اوائل سے بغداد محدثات کی علمی سرگرمیوں کا مرکز بنا۔ بغداد کی ممتاز محدثات یہ ہیں: امّ عمر بنت ابی الغصن، حسن بن زید الثقفیۃ، جنھوں نے اپنے والد اور اپنے شوہر سعید بن یحییٰ بن قیس سے احادیث اخذ کیں۔ ان کے راویوں میں ممتاز نام یہ ہیں: ابوابراہیم الترجمانی، احمد بن حنبل، محمد بن الصباح الجرجاری، ابراہیم بن عبد اللہ الحروی اور علی بن مسلم نے۔[15] احمد بن حنبل کے خانوادے کی خواتین بھی اہم محدثات ہوئی ہیں، جن میں بشر الحافی کی بہنیں قابل ذکر ہیں۔ چھٹی صدی کے خاتمہ تک بغداد علم حدیث کا اہم مرکز رہا۔ وہاں کی آخری اہم محدثہ شہدہ الکاتبہ (م 576) اور تجنی الرحمانیۃ (م 575) ہیں۔ ساتویں صدی میں منگولوں کے ہاتھوں سقوط بغداد کے باعث وہاں مرد اور خواتین ماہرین حدیث کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ اس کے بعد وہاں علم حدیث کا احیا نہیں ہوا۔

شام العظمی

پہلی صدی ہی میں شام کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ علم حدیث کا ایک اہم مرکز بنا۔ پہلی صدی میں وہاں ممتاز محدثہ اور فقیہہ امّ الدرداء اپنے مکان میں حدیث اور فقہ کا درس دیا کرتی تھیں۔ ان کی درس و تدریس کا سلسلہ دمشق اور یروشلم کی مساجد میں بھی جاری تھا۔ فاطمہ بنت عبد الملک بن مروان، جو کہ خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز کی اہلیہ تھیں، انھوں نے بھی پہلی صدی کے آخر میں دمشق میں احادیث روایت کیں، جس کی توثیق مشہور مؤرخ ابوزرعہ الدمشقی نے کی ہے۔[16] تابعین کے عہد کے بعد دمشق میں محدثات کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ چنانچہ پانچویں صدی کے آخر تک شام کی کسی معروف محدثہ کا سراغ نہیں ملتا، البتہ چھٹی صدی میں شام میں وسیع پیمانے پر علم حدیث کا احیا ہوا، جس کی مثال عالم اسلام کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ساتویں صدی میں شام مرد و خواتین ماہرین حدیث کا اہم ترین مرکز رہا اور یہ روایت آٹھویں صدی اور نویں صدی میں بھی جاری رہی، البتہ عالم اسلام کے دیگر علاقوں کی مانند دسویں صدی کے بعد وہاں بھی انحطاط اور زوال در آیا۔

شام کے محدثین نے کتب حدیث کے جمع و ترتیب اور ان کے اجزاء کی تالیف و تدوین،

تدریس وسماع حدیث اور ترویج حدیث میں غیر معمولی شغف کا مظاہرہ کیا۔ مدرسہ العمریۃ جامع اموی، جامع المظفری، متعدد مساجد و مدارس، رباطوں، باغوں اور مکانوں میں محدثات حدیث کے درس و تدریس میں مشغول رہیں۔ بعض اوقات ان کے درس میں سینکڑوں مرد وخواتین شریک ہوئے۔

بعض شامی محدثات عالی اسناد کی حامل ہونے کے باعث بھی قابل ذکر ہیں۔ شام کے مرداورخواتین ماہرین حدیث میں صحیح البخاری کی اعلیٰ ترین اسناد کے ساتھ روایت کا شرف عائشہ بنت عبدالہادی (م816) کو حاصل ہے۔ ان کا تعلق دمشق سے تھا اور وہ الحجار کی آخری شاگردہ تھیں۔ ان سے ایک صدی قبل ست الوزراء التنوخیۃ (م716)، حسین بن المبارک الزبیدی اور ابوالمنجا بن اللتی کی آخری شاگردہ تھیں۔ زینب بنت الکمال (م740) نے احادیث کی متعدد کتب اور اجزاء کی تدریس میں درجہ کمال حاصل کیا۔

مصر

پہلی صدی ہی سے مصر میں علم حدیث کی ترویج ہوئی۔ وہاں کی ممتاز عالمہ نفیسہ بنت امیر المومنین الحسن بن زید بن الحسن بن ابی طالب العلویۃ الحسینیۃ (م208) تھیں، جو اپنے تقویٰ اور شرف کے لیے ممتاز تھیں۔ ان کے بارے میں ابن کثیر کی رائے ہے: ''آپ ایک متمول خاتون تھیں۔ لوگوں کی فیاضی سے مدد کرتیں، بالخصوص مفلوج، معذور اور نادار اشخاص کی۔ وہ ایک صالحہ خاتون تھی، صفات عالیہ سے متصف اور علائق دنیا سے ماوراء تھیں۔ جب امام شافعیؒ مصر میں تشریف لائے تو نفیسہ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا اور رمضان میں نماز ان کی اقتداء میں ادا کی۔'' [17] یافعی کا قول ہے: ''یہ روایت ملتی ہے کہ جب امام شافعیؒ مصر تشریف لائے تو انھوں نے نفیسہ سے ملاقات کی اور ان سے احادیث اخذ کیں۔ جب امام شافعی کا انتقال ہوا تو ان کا جنازہ نفیسہ کے گھر لایا گیا، جہاں انھوں نے ان کی نماز جنازہ ادا کی۔ [18] ابن العماد کا قول ہے: ''امام شافعی نے نفیسہ سے احادیث اخذ کیں اور ان کے جنازے کا نفیسہ کے مکان پر لے جانا ان کی عظمت کی نشانی ہے۔ انہیں غیر معمولی مقبولیت شہرت اور عزت حاصل

تھی۔''[19]

چوتھی صدی میں مصر میں حسن بن علی الصدفی کی والدہ امّ حبیب صفوہ (م379) نے بطور محدثہ شہرت حاصل کی۔ ذہبی کا قول ہے: ''ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ تھا۔ ان کے والد، بیٹا اور بہنیں بھی ماہرین حدیث تھے، وہ درس حدیث دیا کرتی تھیں۔''[20] البتہ فاطمہ بنت سعد الخیر (م600) کی مصر میں آمد کے بعد علم حدیث کی اشاعت مصری خواتین میں وسیع پیمانے پر ہوئی۔ فاطمہ کے ضمن میں ذہبی رقم طراز ہیں: ''اُن کا نکاح ابن نجا الواعظ سے ہوا۔ وہ ان کے ہم راہ پہلے دمشق، پھر مصر میں مقیم رہیں۔ مصریوں نے ان سے بہت استفادہ کیا۔''[21] فاطمہ کے بعد تیسرا اہم نام تقیہ بنت ابی الحسن علی بن عبداللہ القرشی (م606) کا ہے۔ انھوں نے اپنے والد کی شاگردی میں مطالعہ حدیث کیا اور ان ماہرین حدیث سے اجازے حاصل کیے: ابوالحجاج یوسف بن عبداللہ بن طفیل، العلامہ ابوعبداللہ بن محمد الکاتب الاصبہانی، محمد بن امیریکہ بن ابی الفتح الدمشقی، ابونزار ربیعہ بن الحسن الحضرمی، ابوعبداللہ بن البناء الصوفی، علی بن ابی الکرم الخلّال بن البناء المکی وغیرہ۔[22] اسکندریہ کی ممتاز محدثہ خدیجہ بنت الحافظ ابی طاہر السّلفی (م623) گزری ہیں۔ انھوں نے اپنے والد کی نگرانی میں مطالعۂ حدیث کیا۔ وہ درس دیا کرتی تھیں۔ ان کے شاگردوں میں حافظ ذکی الدین منذری شامل ہیں۔[23]

آٹھویں نویں صدی میں مصر میں علم حدیث اپنے عروج پر پہنچا۔ آٹھویں صدی کی ممتاز محدثہ وجیہہ بنت علی الانصاریۃ (م732) ہیں۔ ان کے اساتذہ یہ تھے: ابن زوین، ابن النحاس بن احمد بن عبدالمحسن القرافی، عبدالکریم ابن عبدالباری السعیدی اور ابوبکر محمد بن فتوح بن خلف الصوفی۔ وجیہہ کو ان محدثین نے اجازے عطا کیے: یوسف الساوی، ابن رواج، یعقوب الہمدانی وغیرہ۔[24] اس دور کی ایک اور نامور مصری محدثہ شیخہ جویریہ بنت الامام شہاب الدین احمد بن احمد الحکاری (م783) ہیں۔ وہ عالی اسناد کی حامل تھیں۔ انھوں نے ابوالعباس الحجّار اور وزیرہ سے **صحیح البخاری**، شریف موسیٰ بن علی الموساوی سے **صحیح مسلم**، حسن بن عمر الکردی سے **مسند الدارمی** اور **مسند عبد بن حمید**، حسن بن عمر الکردی سے **سنن النسائی** کے اجزاء اور **مسند ابن حمید** علی بن نصر اللہ الصواف، علی بن

محمد ہارون الثعلبی سے ابن ابی داوٗد کی کتاب **البعث و النشور**، علی ابن عیسیٰ ابن القیم سے **حدیث سفیان بن عیینة الثقفی** کا جز واوّل اور اسماعیل کی **المستخرج** کا ایک جز۔ جلال الدین بن محمد بن عیسیٰ بن الطباخ سے، ابن ابی الدنیا کی **الفرج**، معالی الشکرۃ زینب بنت شکر سے **حدیث ابن السماک** کا جز دوم، منال الاسرفی سے **حدیث البحیری** اور **الشافعی**، کمال الدین بن احمد بن محمد الشریشی سے **جزء الحسن ابن عرفة** کا مطالعہ کیا۔ ابن الممتاز اور دیگر محدثین نے آپ کو اجازے عطا کیے۔[25]

مذکورہ بالا تمام کتب کا مطالعہ حافظ ابوزرعہ عراقی[26] نے آپ کی نگرانی میں متعدد دفعہ کیا۔[27]

نویں صدی میں حافظ ابن حجر کی متعدد خاتون اساتذہ تھیں۔ اسی طرح حافظ سخاوی اور حافظ سیوطی نے بھی خواتین اساتذہ سے کسبِ علم کیا۔ ان کے خاتون اساتذہ میں سارہ بنت تقی الدین سبکی (م805) شامل ہیں۔ ان کے شاگردوں میں ابن حجر کا نام بھی آتا ہے۔[28] دوسری اہم محدثہ مریم بنت احمد بن محمد الاذرعی (م805) گزری ہیں، جووانی اور دبوسی کی آخری شاگردہ ہیں۔ ابن حجر نے ان کی نگرانی میں متعدد کتب کا مطالعہ کیا۔[29] سارہ بنت عمر بن جماعۃ الکنانی (م855) نے کثیر تعداد میں احادیث روایت کی ہیں اور محدثین نے ان سے کسبِ علم کیا ہے۔ سخاوی نے ان کی شاگردی میں اتنی زیادہ کتابوں اور احادیث کا مطالعہ کیا کہ وہ ان کا شمار کرنے سے قاصر رہے۔ وہ رقم طراز ہیں: ''وہ ایک متقی اور نادار خاتون تھیں۔ ہم ان کی اعانت کیا کرتے تھے۔ ان کے درس وتدریس میں ذکاوت اور ثقاہت نمایاں رہتے۔ وہ طویل نشستوں پر مبنی درس دیا کرتی تھیں۔ ان کے انتقال سے اہل مصر کا بڑا خسارہ ہوا۔[30] جویریہ بنت الحافظ عبدالرحیم العراقی (م863) نے علم حدیث کا مطالعہ اپنے والد کی نگرانی میں کیا اور نور الدین الاصمعی کی شاگردی میں **المسلسل بالاوّلية**، **جزء الغفائری**، ابن الحسین کی أمالی کے بعض اجزاء اور اپنے والد کی عشریات کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے تقی الدین بن جماعہ سے **معجم الدبوسی** کے بعض اجزاء کا درس لیا۔ ان کو متعدد محدثین سے اجازے حاصل تھے۔[31] ان کے ممتاز شاگرد محدثین میں سخاوی بھی شامل ہیں۔[32]

اندلس اور مراکش

دوسری صدی میں یہ علاقے بھی علم حدیث کے مطالعہ کے لیے مشہور ہوئے، بالخصوص ان علاقوں میں امام مالک اور پھر بقی بن مخلد کی آمد کے بعد ان کے علمی وقار میں اضافہ ہوا۔ ابوذر کی نگرانی میں متعدد خواتین نے **صحیح البخاری** کا مطالعہ کیا۔ اندلس کی قابل ذکر محدثات یہ ہیں: امّ الحسن بنت ابی لواء سلیمان بن اصبغ المکناسی، آپ کا تعلق قرطبہ سے تھا اور آپ نے بقی بن مخلد سے احادیث اخذ کیں، ان کی شاگردی اختیار کی، ان کے ہمراہ سفر کیے اور کتاب **الظهر** کی قرأت ان کی موجودگی میں کی۔[33]

ابتدائی دور کی راویہ اسماء بنت حسن بن الفرات ہیں۔ انھوں نے اپنے والد کی شاگردی میں تعلیم حاصل کی، جو کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک بن انسؒ کے شاگرد تھے۔ وہ حنفی مسلک کے مطابق حدیث کی روایت اور فقہ کے فہم کے لیے مشہور ہیں۔[34] خدیجہ بنت الامام سحنون ایک اور قابل ذکر محدثہ ہیں۔ ابتداء میں انھوں نے اپنے والد سے اکتسابِ علم کیا، پھر اپنی لیاقت وصلاحیت کی بنیاد پر فتاویٰ دینے لگیں۔ اہم فقہی معاملات میں ان کے والد ان سے رجوع کرتے، جب قاضی کے منصب کی پیش کش ان کے والد کو کی گئی تو انھوں نے خدیجہ سے مشورہ کے بعد ہی اس کو قبول کیا۔[35]

ابن عبدالبرؒ (م462) کے بعد اندلس اور شمالی افریقہ کے ممالک میں علم فقہ کا عروج ہوا، البتہ بعد کے دور میں حافظ محمد بن جعفر الکتانی اور عبدالحیٔ الکتانی نے وہاں علم حدیث کو بھی فروغ دیا اور کثیر تعداد میں محدثات نے علم حدیث پر عبور حاصل کیا۔

خراسان اور ماوراء النہر

دوسری صدی میں پہلی دفعہ علم حدیث کا رواج خراسان اور ماوراء النہر میں ہوا اور تیسری صدی میں اس شعبۂ علم کی روایت وہاں مستحکم ہوگئی۔ یہ وہی دور ہے جب صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث کی تالیف ہوئی۔ علم حدیث میں اس دور کی خواتین کے کردار کے بارے میں مآخذ صراحتاً یہ نشان دہی کرتے ہیں کہ آخر تیسری صدی میں وہاں علم حدیث کو فروغ حاصل ہوا، جو

کہ چوتھی اور پانچویں صدی میں بھی برقرار رہا۔ وہاں کی محدثات نے ایسا امتیاز حاصل کیا کہ عالم اسلام کی خواتین کی شہرت ان کے آگے ماند پڑ گئی۔ آٹھویں صدی کے صفحۂ اول کی محدثات میں کریمہ المروزیۃ شامل ہیں، جو کہ **صحیح البخاری** کی استاذ تھیں اور بیبا بنت عبد الصمد الحرویۃ بھی۔ چھٹی صدی میں فاطمہ الجزدانیۃ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انھوں نے طبرانی کی **المعجم الصغیر** اور **المعجم الکبیر** کی روایت کی۔ علم حدیث کے طالبان ان سے استفادہ کرنے کے لیے مسلم دنیا کے مختلف گوشوں سے ان کے پاس آتے۔

اس خطہ کی محدثات نے پانچویں اور چھٹی صدی میں عظیم کارنامے انجام دیے، جب منگولوں نے مسلم تہذیب کے اہم مرکز کو تباہ و برباد کیا تو علم حدیث کا بھی زوال ہوا اور اس علاقے میں پھر اس کا احیا نہیں ہو سکا۔

ہندوستان

ہندوستان میں علم حدیث کا آغاز سندھ سے ہوا اور مغربی ہند میں دوسری صدی میں اس کی اشاعت ہوئی، لیکن اندرونِ ہند علم حدیث کا فروغ صدیوں بعد ہوا۔ نویں اور دسویں صدی میں جب اسلام مائل بہ زوال تھا، ہندوستان میں محدثین نے کتبِ حدیث کی شرحیں تصنیف کیں، یہاں تک کہ احمد بن عبد الرحیم الدھلوی معروف بہ شاہ ولی اللہؒ (م1176) نے علوم اسلامیہ کے جسد میں ایک نئی روح پھونک دی۔ ان کی کاوش کی بدولت جلد ہی ہندوستان علم حدیث کا ایک اہم مرکز بن گیا۔

البتہ اس میدان میں صرف چند خواتین نے تیرہویں اور چودہویں صدی میں شہرت پائی۔ شاہ ولی اللہ اور احمد سرہندی (م1024) کے خانوادوں کی خواتین نے علم حدیث کی ترویج میں نام پیدا کیا۔ قابل ذکر محدثات یہ ہیں:

شمس النساء بنت علی حسن السھوانی [36] (م1308) اور صالحہ بنت عنایت رسول چڑیا کوٹی۔ (م1308) ان دونوں نے اہم کتب حدیث کا درس دیا۔ [37]

حواشی

1۔ الکتّانی، فهرس الفهارس، جلد2،ص724۔

2۔ الحبشی، الدلیل المشیر،ص66۔

3۔ ابن عبدالبرّ ، الاستیعاب، جلد2،ص777۔

4۔ بقی بن مخلد (مرتبہ ابن حزم الظاہری) عدد ما لکلّ واحد من الصحابة من الحدیث،ص87۔

5۔ مسلم، الطبقات، جلد1،ص219۔

6۔ العسکری، تصحیفات المحدثین،ص888۔

7۔ مسلم، الطبقات، جلد1،ص219۔

8۔ مزّی، تهذیب الکمال، جلد35،ص270۔

9۔ ابن عبدالبرّ ، الاستیعاب، جلد2،ص762۔

10۔ مزّی، تهذیب الکمال، جلد35،ص325۔

11۔ ابن حجر، الاستیعاب فی تمیز الصحابه، جلد4،ص267۔

12۔ ایضاً،ص266۔

13۔ ابن الاثیر، اُسد الغابة، جلد7،ص224۔

14۔ ابن ماکولا، الاکمال، جلد7،ص100۔

15۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، جلد14،ص432۔

16۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، تراجم النساء،ص291۔

17۔ ابن کثیر، البدایه و النهایه، 208۔

18۔ یافعی، مرأة الجنان، جلد2،ص43۔

19۔ ابن العماد، شذرات الذهب، جلد2،ص21۔

20۔ ابن حجر، الاصابة فی تمیز الصحابة، جلد4،ص267۔

21۔ ذہبی، تاریخ الاسلام، (600-591)، ص469۔

22۔ ابن الصابونی، تکملة اکمال الاکمال، ص52۔

23۔ المنذری، التکملة لوفیات النقلة، جلد3، ص187۔

24۔ ابن حجر، الدرر الکامنة، جلد4، ص406۔

25۔ تقی الدین الفاسی، ذیل التقیید، جلد2، ص62-361۔

26۔ ابن العراقی، الذیل علی العبر، جلد2، ص513۔

27۔ ابن حجر، الدرر الکامنه، جلد1، ص544۔

28۔ ابن حجر، انباء الغمر، جلد5، ص102؛ سخاوی، الضوء اللامع، جلد12، ص52۔

29۔ ابن حجر، الدرر الکامنة، جلد4، ص88۔

30۔ سخاوی، الضوء اللامع، جلد12، ص52۔

31۔ نجم بن فہد، معجم الشیوخ، ص ص02-401۔

32۔ سخاوی، الضوء اللامع، جلد12، ص18۔

33۔ ابن الابار، تکملة صلاة الصلة، ص401۔

34۔ کحالہ، أعلام النساء، جلد1، ص45۔

35۔ ایضاً، ص332۔

36۔ حسنی، نزهة الخواطر، جلد8، ص185۔

37۔ ایضاً، ص195۔

باب دہم

فقہ اور عمل

گزشتہ باب میں مَیں نے علم حدیث سے متعلق علمی سرگرمیوں کا احاطہ کیا ہے۔ محدثات نے مستند متون اور معتبر سلسلۂ راویان سے علم حدیث کی اشاعت کی، البتہ اس کتاب میں مستعمل جملوں 'محدثات نے درس حدیث دیا' یا 'انھوں نے احادیث روایت کیں'، سے ان کے علمی مقام کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا اور آج کے قارئین کو یہ علم نہیں ہوتا کہ ان محدثات کی مشغولیات کیا تھیں؟ اور ان کے پیش نظر کیا مقاصد تھے۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ غیر مسلم تک کسی متن کو صحت اور استناد کے ساتھ بیان کرسکتا ہے، البتہ اسلامی معاشرہ میں محض علمی کاوش اور صلاحیت ہی اہم نہیں ہوتی، بلکہ اسلامی معاشرہ میں قدر و منزلت صالح اور متقی حضرات کی ہوتی ہے، جو اپنے عمل اور کردار کے لحاظ سے مثالی ہوں۔ ان صلاحیتوں کا فقہ اور عمل میں اظہار ہوتا ہے۔

فقہ سے مراد متون کا فہم و ادراک اور ان سے احکام کا استنباط ہے۔ فقہ میں مسلمانوں کے مابین باہمی معاملات سے متعلق احکام اور حقوق اللہ کا بھی احاطہ ہوتا ہے۔

عمل سے مراد متن پر عمل درآمد ہے اور فقہ کا دار و مدار متعلقہ کتب پر عبور یا فقہ کے ابواب پر دست رس ہی نہیں، بلکہ متعلقہ احکام کے مابین ارتباط اور مناسبت سے بھی ہے۔ اس ضمن میں تساہلی سے فقہ کا دائرہ محدود ہو جاتا ہے اور عمل بھی متاثر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص، جو احکامِ میراث سے ناواقف ہو، وہ نماز سے متعلق تمام احکام اور مسجد میں حاضری سے متعلق تفصیلات حاصل کرلے۔ البتہ اگر اسے یہ علم نہ ہو کہ بازار میں معاملت کیسے کی جائے اور اس میں حرام اور حلال کیا ہے؟ عورتوں کا لباس کیسا ہو؟ اسے نماز کی ادائیگی اور تجارتی معاملات کے

مابین فرق، مسجد و بازار کے درمیان فرق کا علم نہ ہوتو عین ممکن ہے کہ وہ ایسے فتاوی جاری کرے جن کی رو سے عورتوں کی تجارت مجروح ہو یا ممنوع قرار پائے۔ حصول علم کے ذریعہ دین میں جائز اور سنجیدہ اعمال کا علم ہوتا ہے۔ وسیع اور جامع فقہ میں زیادہ اعمال کی اجازت اور گنجائش ہوتی ہے، جس کی بدولت افراد اور معاشرہ اسلام کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور وہ اتباع الٰہی سے بھی مشرف ہوتا ہے۔ اس کے برعکس صورت حال میں اسلام کا ایک محدود طرزِ زندگی سامنے آتا ہے، جب کہ بقیہ زندگی پر غیر اسلام کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس محدود اسلام سے ایک علامتی شناخت ابھرتی ہے، جو مسلکیت پر منتج ہوتی ہے اور اس سے امت کی رنگا رنگ تکثیریت متاثر ہوتی ہے۔ امت کی صحیح شناخت کے دو ستون فقہ اور عمل ہیں جن کی نمائندہ مثالیں صحابہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر صحابہ ہیں۔ اسی طرح سعید بن مسیّب، علقمہ، اسود، حسن البصری، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی، عطا بن رباح، عامر بن شعبی، عمار بن سلیمان، ابوحنیفہ، اوزاعی، سفیان ثوری، قاضی ابویوسف، محمد بن حسن شیبانی، شافعی، احمد بن حنبل اور دیگر جامع الکمال شخصیات فقہ اور عمل کا مثالی نمونہ تھیں۔ کیا یہ شرف صرف مردوں کے لیے مخصوص تھا اور عورتوں کو یہ مقام نہیں ملا؟ اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔ گزشتہ ابواب میں مَیں نے متعدد خواتین کی مثالیں پیش کی ہیں، جن کے علم وفن اور شرف کو علمی حلقوں میں احترام اور اکرام سے دیکھا جاتا تھا۔ چوں کہ صحابہ اور تابعین کی نظیر مسلمانوں کے لیے بہت اہم ہے، اس لیے اس باب میں میں نے اسی پر توجہ مرکوز کی ہے۔

فقہ کی تعریف اس فہم و ادراک سے کی جاتی ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے احکام کے استنباط پر مشتمل ہو۔ ابتدا میں ان عالمات کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جنہیں دین کے ان بنیادی مآخذ پر یدطولیٰ حاصل تھا۔

فہم قرآن

بہترین مطالعۂ قرآن وہ ہے جس کی بدولت قرآن کا پیغام دل و دماغ میں راسخ ہو جائے۔

ابن ابی ملیکہ نے حضرت امّ سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی تلاوت کی۔ اس دوران وہ ہر آیت پر توقف کرتے۔ وہ الحمد للہ رب العالمین کہتے، پھر توقف کرتے، پھر الرحمٰن الرحیم کی تلاوت کرتے اور توقف کرتے، پھر مالکِ یوم الدین کی تلاوت کرتے۔[1] تاریخ اسلام کے تمام ممتاز فقہا نے اپنی تعلیم کی ابتداء حفظ قرآن سے کی، اس کی مختلف قرائتوں پر عبور حاصل کیا اور اس کی تعبیر وتشریح میں امتیاز حاصل کیا۔ خواتین کے یہاں بھی قرآن مجید سے یہی فرطِ تعلق ملتا ہے۔ اسی کی بدولت وہ قرآن مجید کے پیغام کے درک پر قادر ہوئیں۔ قرآن مجید پر اعتماد اور روانی سے گفتگو کرتیں اور اس کے جا بجا حوالے دیتیں۔

بعد کے دور کی ایک عالمہ فاطمہ بنت امیر الدقاق النیشاپوریۃ (م480) ہیں۔ ابو سعد سمعانی کی ان کے بارے میں یہ رائے ہے: ''وہ اپنے دور کی خواتین میں گل سر سبد کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کا کردار بے نظیر اور بے مثل ہے۔ وہ کتاب اللہ کی عالمہ اور ایک صالحہ خاتون تھیں۔''[2] صیرفی کا قول ہے: ''ان کو قرآن حفظ تھا۔ وہ اس کی شب و روز تلاوت کرتیں اور اس کے معنیٰ ومفہوم سے آگاہ تھیں۔[3] سیدہ بنت عبد الغنی الغرناطیۃ (م647) کی پرورش اندلس میں ہوئی۔ انھوں نے علم قرآن میں درجہ امتیاز حاصل کیا۔[4] نویں صدی میں بیرم بنت احمد بن محمد الدیروطیۃ نے شمس بن السائغ کی شاگردی میں سبعہ قرأت پر دست رس حاصل کی۔ وہ اپنی بیٹی فاطمہ کی ہم نشینی میں مطالعہ کیا کرتی تھیں۔ بعد میں فاطمہ اپنے والد کے ساتھ یروشلم منتقل ہوگئیں اور وہاں کے اساتذہ کی نگرانی میں کی قرأت کا فن سیکھا۔[5]۔ فاطمہ بنت محمد بن یوسف الدیروطی (متوفی نویں صدی) بھی سبعہ قرأت پر سند کا درجہ رکھتی تھیں۔ ان کو الشاطبیۃ ازبر تھی۔ مرد وخواتین کو سبعہ قرأت کا درس دینے سے قبل انھوں نے متعدد اساتذہ کی شاگردی اختیار کی۔[6]

جہاں تک خواتین کے فہم قرآن کا تعلق ہے، عروہ نے حضرت عائشہؓ سے اللہ کے اس قول کے بارے میں استفسار کیا: ''اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے معاملہ میں انصاف نہ کرسکو گے تو عورتوں میں سے جو تمہارے لیے جائز ہوں، ان سے دو دو، تین تین، چار چار تک

نکاح کرلو۔ اور اگر ڈر ہو کہ ان کے درمیان عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی پر بس کرو، یا پھر کوئی لونڈی جو تمہارے ملک میں ہو۔ یہ طریقہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم انصاف سے نہ ہٹو۔" (النساء 4:3) حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: "اے میرے بھتیجے! یتیم لڑکی سرپرست کی نگرانی میں ہوتی اور وہ اس کی جائداد میں حصہ دار ہوتا۔ اس کا سرپرست اس یتیم لڑکی کی دولت اور حسن پر فریفتہ ہو کر اس سے شادی کی نیت کرتا، البتہ اسے مناسب مہر نہ دیتا (یعنی مہر کی وہ رقم جو کوئی دوسرا شخص ادا کرتا)، لہٰذا ان سرپرستوں کو اس آیت کے ذریعہ باز رکھا گیا اور یہ شرط عائد کی گئی کہ وہ اپنے زیر کفالت یتیموں کے ساتھ انصاف کریں اور ان کو وہ انتہائی مہر دیں جو کوئی دوسرا شخص دیتا۔ اللہ نے ان کو یہ حکم بھی دیا کہ وہ ان یتیم لڑکیوں کے علاوہ دیگر عورتوں سے بھی حسب مرضی شادی کرسکتے ہیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ نے رسول اکرم ﷺ سے مزید استفسارات کیے، جس کے پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی: "اور لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتوی پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ اللہ، ان کے باب میں بھی اور اس حکم کے باب میں بھی، جو تمہیں کتاب میں ان عورتوں کے یتیموں کے بارے میں دیا جارہا ہے جن کو تم وہ نہیں دیتے جو ان کے لیے لکھا گیا ہے لیکن ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو، اور بے سہارا بچوں کے باب میں، یہ فتوی دیتا ہے کہ ان عورتوں کے مہر دو اور یتیموں کے ساتھ انصاف کرو، اور جو مزید بھلائی تم کرو گے تو بے شک اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔" (النساء 3:127) جہاں تک اللہ کے اس قول کا تعلق ہے کہ جن عورتوں سے تم شادی کے خواہاں ہو اس ضمن میں یہ ملحوظ رہے۔ ان سے مراد وہ سرپرست ہیں جو اپنے زیر کفالت یتیم لڑکی کی شادی اس لیے نہیں کرتے تھے کہ اس کے پاس حسن اور جائداد نہیں ہے۔ غرض یہ کہ ان کو ایسی یتیم لڑکیوں سے شادی کرنے سے منع کیا گیا جن کے مال اور حسن پر ان کی نگاہ تھی اور ان کے لیے انصاف کرنے کی شرط عائد کی گئی اور یہ اس لیے تھا کہ اگر وہ لڑکیاں مال دار اور حسین نہ ہوں تو وہ ان سے شادی سے باز رہیں۔" [7]

فقہا کے درمیان حضرت عائشہؓ کی یہ تشریح بہت مقبول ہوئی۔ ان کی تفسیر کی متعدد مثالیں کتب حدیث اور تفاسیر میں درج ہیں۔ سعود بن عبداللہ الغنیسان نے 500 صفحات پر محیط ایک

کتاب اس موضوع پر مرتب کی ہے، جس کا عنوان ہے ''مرویات أمّ المومنين عائشة في التفسير'' [8]۔اس میں ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم بغوی، ابن جوزی، قرطبی، خازن، ابن کثیر، سیوطی اور شیبانی کی تفاسیر سے خوشہ چینی کی گئی ہے اور مآخذ میں دیگر خواتین کی تفسیر کے بھی حوالے دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ترمذی نے حضرت امّ سلمہؓ کی تفسیری روایات درج کی ہیں۔[9]

سبکی نے امام شافعی کی والدہ کے بارے میں یہ رائے درج کی ہے: ''وہ ایک عابدہ زاہدہ اور ذکی و ذہین خاتون تھیں۔ مکہ کے ایک مقدمہ میں ان کو اور بشر المریسی کی والدہ کو بطور گواہ طلب کیا گیا۔ان سے جرح کے دوران قاضی نے انہیں علیٰحدہ کرنا چاہا۔اس موقع پر امام شافعی کی والدہ نے قاضی کو یہ کہتے ہوئے ٹوکا: آپ کو یہ کرنے کا اختیار نہیں ہے، کیوں کہ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے: ''اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے پھر نہ ہوں اگر دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں، تاکہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلا دے اس کو وہ دوسری۔ (البقرۃ 2:282)۔ان کی اس مداخلت کے نتیجے میں پھر قاضی نے ان کو جدا نہیں کیا، حالاں کہ امام شافعی کے مطابق تکنیکی اعتبار سے ایسا کرنا درست ہے۔سبکی کی رائے ہے کہ یہ استنباط، تفہیم اور دلیل کی ایک عمدہ مثال ہے۔ حالاں کہ ان کے بیٹے کے مسلک کا حکم معروف ہے کہ اگر قاضی کو گواہوں کے بارے میں کچھ شک وشبہہ ہو تو وہ ان کو علیٰحدہ علیٰحدہ طلب کرسکتا اور ان سے جرح کرسکتا ہے۔ البتہ امام شافعی کی والدہ نے خواتین کے لیے رخصت کا مطالبہ قرآن مجید کی رؤ سے کیا اور اس میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔'' [10]

فہمِ حدیث

خواتین حدیث اور اس کی بنیاد پر دلائل پیش کرنے کے لیے بھی ممتاز رہیں۔اس کی چند نمائندہ مثالیں ہم اس سے قبل پیش کر چکے ہیں۔ یہاں صرف باندی بریرۃؓ کا ذکر کروں گا، جو کہ بنو ہلال کی باندی تھیں، یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ نے ان کو آزاد کیا۔ بریرۃؓ سے مروی حدیث

میں متعدد فقہی نکات ہیں۔ اگر حضرت بریرہؓ اور حضرت عائشہؓ ان لطیف اور دقیق نکات سے آگاہ نہ ہوتیں اور ان کی حفاظت اور تفسیر کا نظم نہ کیا ہوتا تو یہ حدیث اس قدر و منزلت کی حامل نہ ہوتی، جو آج اس کا وجہ افتخار ہے۔ اپنی صحیح میں بخاری نے اس کے مختلف پس منظر میں اس کے اجزاء کا ذکر کیا ہے۔ صحیح البخاری میں مندرج بریرہؓ سے مروی حدیث حسب ذیل ہے:

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے: ''بریرہؓ نے مجھ سے اپنے مکاتبے کے بارے میں مدد طلب کی (مکاتبہ سے مراد باندی/ غلام کی آزادی کا معاہدہ ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے باندی یا غلام ایک متعینہ مدت میں اپنی غلامی کے عوض رقم ادا کر کے آزد ہو سکتے ہیں)۔ حضرت عائشہؓ مکاتبہ کی کُل رقم ادا کرنے پر تیار تھیں، لیکن انھوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ عرب کے نظامِ ولاء کے تحت بریرہؓ ان کی ولایت میں آجائیں۔ ولایت کے اس نظام سے ایسے افراد کو تحفظ حاصل ہو جاتا تھا جس کا اپنا کوئی قبیلہ نہ ہوتا۔ بریرہ کے مالکوں نے ولاء کی اس شرط کو ماننے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے بریرہؓ سے کہا: ''اگر حضرت عائشہؓ ثواب الٰہی کی متوقع ہیں تو اس میں وہ حق بجانب ہیں، لیکن تم ہماری ولایت میں رہوگی۔'' حضرت عائشہؓ نے اس واقعہ کا ذکر رسول اکرم ﷺ سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''بریرہ کو خرید و اور آزاد کر دو۔ جو شخص غلام کو آزاد کرتا ہے ولاء اس کا حق ہوتا ہے۔'' اس کے بعد ایک موقع پر رسول اکرم ﷺ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو قانونِ الٰہی میں اپنی طرف سے شرطیں عائد کرتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ شرط کیا ہے، اہم بات یہ ہے کہ قانون الٰہی میں شرط سرے سے موجود ہی نہیں ہے، لہٰذا اس قسم کی شرط ناجائز ہے، خواہ کوئی اسے 100 دفعہ عائد کرے۔ فرمانِ الٰہی حق ہے اور وہ انسان کے خود ساختہ قانون سے کہیں زیادہ مستحکم اور برتر ہے۔'' [11]

خواتین فقہا

صحابہ اور صحابیات میں حضرت عائشہؓ کا اپنی فقہی آراء کے لحاظ سے خصوصی مقام تھا۔ عطا ابن رباح کا قول ہے: ''تمام افراد میں حضرت عائشہؓ فقہ میں سب سے ممتاز تھیں۔'' [12]

مسروق کی رائے یہ ہے: ''میں نے فقہا صحابہ کو حضرت عائشہؓ سے ترکہ اور فرائض کے احکام کے بارے میں استفسار کرتے ہوئے دیکھا۔'' [13] عروہ کا قول ہے: ''فقہ میں میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ ذی علم کسی اور کو نہ پایا۔'' [14] صحابہ میں حضرت امّ سلمہؓ کو بھی فقیہہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ان کی فقہی آراء حدیث میں درج ہیں۔ سنت رسول ﷺ میں درک کی حامل صحابیہ رُبَیّع بنت معوّذ ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کلام اللہ اور فقہ پر اپنی دست رس کے باوجود رُبَیّع سے مشورہ کرتے۔ [15] اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں طلاق کے ایک مشہور معاملہ اور فیصلہ سے متعلق رُبَیّع سے مشورہ کیا۔ [16]

ماخذ اس کے شاہد ہیں کہ خواتین نے برسرِ عام ایسے عدالتی فیصلوں پر نقد و جرح کی جن سے ناانصافی کا اندیشہ تھا۔ امام مالکؒ نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: ''ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم قاضی مدینہ نے مجھے مطلع کیا کہ انھوں نے ایک نبطی لڑکے کو لوہے کے حلقے چرانے کے جرم میں جیل میں بند کر رکھا تھا اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کرنے والا تھا۔ اسی اثنا میں عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے میرے پاس اپنی باندی امیہ کو بھیجا۔ اس وقت وہ میرے یہاں آیا جب میں دیگر افراد کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور اس نے کہا: آپ کی چچی عمرہ کہتی ہے: ''اے بھتیجے! آپ نے ایک نبطی کو ایک معمولی چیز چوری کرنے کے جرم میں جیل میں بند کر رکھا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹنا چاہتے ہیں۔ جب کہ ہاتھ کاٹنا صرف کسی ایسی چیز کی چوری پر جائز ہے جس کی قیمت ایک چوتھائی دینار یا اس سے زائد ہو۔'' چنانچہ میں نے اس نبطی کو رہا کر دیا۔'' [17] عمرہ کی مداخلت اس دور کا واقعہ ہے جب کہ مدینہ اپنے سات ممتاز فقہا کی نسبت سے مشہور تھا۔

علم کا ایسا احترام اور اکرام تھا کہ ایک ذی علم غلام بھی کسی صاحبِ اختیار شخص کو برملا ٹوک دیتا تھا۔ مالکی مسلک کے فقیہ اشہب کی روایت ہے کہ جب وہ مدینہ میں تھے اور ایک لڑکی سے سبزی خریدنا چاہتے تھے، اس دور میں لوگ روٹی کے بدلے سبزی دیتے، جو کہ اس کی ضرورت ہوتی، انھوں نے اس لڑکی سے شام تک انتظار کرنے کے لیے کہا اور اس وقت تبادلہ جنس کے لیے کہا۔ اس لڑکی نے جواب دیا: یہ ناجائز ہے۔ جب اشہب نے اس کی وجہ دریافت کی تو اس

نے وضاحت کی کہ یہ معاملہ کھانے کی شئے کے بدلے کھانے کی شئے فروخت کرنے کا ہے۔ یہ معاملہ براہ راست اور دست بدست ہونا چاہیے۔ جب کہ آپ دست بدست معاملہ کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مزید استفسار پر اشہب کو علم ہوا کہ لڑکی امام مالک کے گھر کی ایک باندی تھی۔[18]

علم کے معاملہ میں یہ احترام اور اکرام اسلام کے صرف ابتدائی دور تک محدود نہ رہا۔ میں نے بعد کی صدیوں کی متعدد ایسی مثالیں درج کی ہیں جن سے خواتین فقہا کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مرد فقہاء ان کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔ اس ضمن میں ایک عالمہ کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ امّ زینب فاطمہ بنت عباس بن علی الفتح البغدادیۃ (م714) نے شیخ شمس الدین اور دیگر مقدسی علماء سے فقہ کا درس لیا تھا۔[19] ذہبی کی روایت ہے: ''میں امّ زینب سے ملاقات کے لیے گیا اور ان کے عمل، کردار، انکسار اور تقویٰ سے بہت متأثر ہوا۔ ان کو فقہ پر عبور تھا۔ ابن تیمیہ ان کے علم و فن کا مشاہدہ کر کے حیران رہ گئے اور ان کی بھرپور تعریف و توصیف کی۔'' [20] ابن کثیر رقم طراز ہیں: ''میں نے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کو امّ زینب کی ثنا و صفت بیان کرتے ہوئے سنا۔ وہ ان کے علم و فن اور صفاتِ عالیہ کے مدّاح تھے۔ ان کا قول تھا کہ امّ زینب کو **المغنی** کا بیشتر حصہ زبانی یاد تھا۔ ابن تیمیہ ان سے گفتگو کے لیے فقہی نکات کا انتخاب کرتے، ان سے استفسار کرتے، اور ان کی غیر معمولی ذہانت سے اکتساب کرتے۔[21]

خواتین کے فتاویٰ

فتوی دینا علم کے ایک خاص حصہ کی تحصیل تک مشروط ہے۔ اس کا تعلق صنفی تفریق سے نہیں ہے۔ امام نوویؒ نے دوٹوک الفاظ میں لکھا ہے کہ خاتون فتویٰ دے سکتی ہے۔[22] ابن مفلح نے بھی اس کی تائید کی ہے۔[23] اس کی توثیق ابن تیمیہؒ کے مشہور ترین شاگرد ابن قیمؒ نے بھی کی ہے۔[24] ابن حزم ظاہری کی رائے ہے کہ اگر کوئی خاتون دینی علوم میں تفقہ حاصل کر لے تو ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم اس کا احترام کریں اور یہ امر واقعہ بھی ہے کہ ازواج

مطہرات اور صحابیات سے فتاویٰ مروی ہیں اور ان کا فتویٰ دینا ثابت ہے۔ ظاہری فقہا کے درمیان اس باب میں کوئی اختلاف رائے نہیں۔ خواتین فقہا میں ازواج مطہرات کے علاوہ حضرت امّ سلیمؓ، حضرت امّ حرامؓ، حضرت امّ عطیہؓ شامل ہیں۔[25] ابن حزم نے فتاویٰ جاری کرنے والے صحابہ کی تعداد 30 شمار کی ہے، جن میں سے سات سے کثیر تعداد میں فتاویٰ مروی ہیں۔ ان سات میں ام المومنین حضرت عائشہؓ شامل ہیں۔

محمود بن لبید راوی ہیں کہ حضرت عائشہؓ اپنے انتقال تک اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور میں فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ رسول اکرم ﷺ کے دو ممتاز ترین صحابی حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ حضرت عائشہؓ سے رجوع کیا کرتے تھے۔[26] تابعین کے دور کے ممتاز فقہا بھی حضرت عائشہؓ کی فقہی آراء کا انتہائی احترام کرتے تھے۔[27] امام ابو حنیفہؒ نے حماد سے، انھوں نے ابراہیم سے، انھوں نے اسود بن یزید سے روایت کی ہے۔ اسود بن یزید عراق کے عظیم فقیہ تھے۔ اسود نے امّ المومنین حضرت عائشہؓ سے استفسار کیا: ''نماز کو باطل کرنے والی شئے کیا ہے''؟ انھوں نے جواب دیا: ''اے اہل عراق! غور سے سنو، تم سمجھتے ہو کہ اگر کسی نمازی کے سامنے سے گدھا، کتّا، عورت اور بلّی گزر جائے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ تم نے خواتین کو ان کے ہم پلّہ قرار دیا ہے؟ تمہارے سامنے سے اگر کوئی گزرے، جہاں تک ممکن ہو اسے اپنے سے دور کر دو۔ دراصل نماز کو باطل کرنے والی شئے کوئی نہیں ہے۔ محمد شیبانی تحریر کرتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہؓ کی رائے کے پابند ہیں اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا موقف ہے۔[28] بعض اوقات خواتین حضرت عائشہؓ سے اپنے مخصوص مسائل دریافت کرتیں۔ درج ذیل مثال ایک تجارتی معاملہ سے متعلق ہے۔ عبد الرزاق رقم طراز ہیں: ''معمر اور سفیان ثوری نے ہم سے ابو اسحاق کی سند پر اور انھوں نے اپنی بیوی کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ وہ خواتین کے ایک گروہ کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انھوں نے کہا: اے امّ المومنین! میرے پاس ایک باندی تھی۔ میں نے اسے 800 مؤجل میں فروخت کر دی۔ پھر میں نے اس کو ان سے 600 میں خرید لیا اور یہ 600 میں نے دست بدست ادا کیے اور 800 قرض کے طور پر تحریر کر دیے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ کیسا برا کام کیا۔ زید بن ارقم سے کہو کہ انھوں

نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ جو جہاد کیا تھا اس کو ضائع کر دیا، الاّ یہ کہ وہ توبہ کریں۔'' پھر عائشہ نے معاملہ کی وضاحت کی کہ ''اس طرح کا لین دین سود پر رقم دینے کا ایک حیلہ بن سکتا ہے۔'' [29]

مردوں اور خواتین کے مابین علمی مباحثے

مردوں کے ساتھ خواتین کے علمی مباحثے ایک معروف حقیقت ہیں۔ اس کے بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں پایا جاتا۔ بعض اوقات ازواج مطہرات ان مباحثوں میں شریک ہوئی ہیں۔ قرآن مجید کی سورہ المجادلہ میں ہے کہ ایک خاتون نے رسول اکرم ﷺ سے مجادلہ کیا۔

ایک مرتبہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ خطاب عام کے لیے کھڑے ہوئے۔ ان کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ مہر کی رقم لوگ بہت زیادہ نہ بڑھائیں، بلکہ کم ہی رکھیں۔ ایک ضعیفہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے کہا: اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ''اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم نے ایک کو ڈھیروں مال دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو۔ کیا تم بہتان لگا کر اور کھلی ہوئی حق تلفی کر کے اس کو لو گے؟'' (النساء 4:20)۔ غالباً اس ضعیفہ کے ذہن میں یہ نکتہ تھا کہ زیادہ رقم کی مہر کے باعث شوہر آسانی سے بیوی کو طلاق نہ دے سکے اور دوسری شادی نہ کر سکے۔ اس سے قطع نظر مذکورہ بالا آیت سے زیادہ رقم کے مہر کا جواز بالکل واضح ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: یہ قانون برحق ہے اور عمر نے غلطی کی۔'' [30]

ہمیشہ ایسا نہ ہوتا کہ ٹوکنے والا یا سوال کرنے والا حق بجانب ہوتا، لیکن ان واقعات سے سوال کرنے کی آزادی کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے: ''اللہ کی لعنت ہو ایسی عورت پر جو اپنے بدن کو گودے۔'' اس کا علم بنو اسد کی ایک خاتون امّ یعقوب کو ہوا تو انھوں نے اس کے بارے میں حضرت ابن مسعودؓ سے اختلاف کیا۔ اس پر ابن مسعودؓ نے کہا: میں اس عورت پر لعنت کیوں نہ بھیجوں جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے اور جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ اس عورت نے کہا: میں نے بھی قرآن پڑھا ہے اور اس میں مجھے یہ قول

نظر نہیں آیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا: اگر تم نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے تو کیا یہ آیت تمہاری نظر سے نہیں گزری: ”جو کچھ اللہ بستیوں والوں کی طرف سے اپنے رسول کی طرف لوٹائے تو وہ اللہ اور رسول اور قرابت مندوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، تا کہ اس کی گردش تمہارے مالداروں ہی کے اندر محدود ہو کر نہ رہ جائے۔ اور رسول جو تمہیں دے اس کو لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت پاداش والا ہے“ (الحشر 59:7)۔ اس عورت نے اثبات میں جواب دیا۔ تب حضرت ابن مسعودؓ نے کہا: رسول اکرم ﷺ نے بدن کو گودنے کو حرام قرار دیا ہے۔ اس عورت نے کہا: تمہاری بیوی بھی تو اپنا بدن گودتی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا: جا کر میری بیوی کو دیکھ لو۔ خاتون نے جا کر دیکھا تو اس نے گودنے کے نشانات نہ پائے۔ تب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: اگر میری بیوی نے اپنے بدن کو گودا ہوتا تو میں اس کے ساتھ نہ رہ پاتا۔“ [31]

خواتین کی فقہ پر فقہا کا انحصار

ہم نے اس امر کو واضح کر دیا ہے کہ ائمہ فقہا خواتین سے مروی احادیث پر اعتبار اور انحصار کرتے تھے۔ اسی طرح وہ خواتین کی فقہ پر بھی انحصار کرتے۔ فقہ کے متعدد ابواب میں اس کی جابجا مثالیں ملتی ہیں۔ مؤطا میں امام مالکؒ نے عظیم تابعیہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن کے حج سے متعلق فتاویٰ کا حوالہ دیا ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ نے حضرت عائشہؓ کے اس قول کا بھی حوالہ دیا ہے جسے عبدالرحمٰن بن یزید نے عتک کی ایک ضعیفہ کے واسطے سے بیان کیا ہے: ”سوائے ان پانچ دنوں کے سال کے کسی دن بھی عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، ممنوعہ ایام یہ ہیں: یوم عرفہ، یوم النحر اور تین دن ایام تشریق کے۔“ [32] امام ابوحنیفہ کے شاگرد شیبانی نے اس حنفی موقف کی توثیق کی ہے، البتہ انھوں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اس میں ایک استثنا ہے، یعنی ”ہمارا قول یہ ہے کہ عرفہ کی شام اور عرفہ کی صبح عمرہ نہیں کرنا چاہیے، اس کے سوا کسی بھی دن عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔“

طہارت سے متعلق مسئلہ بھی امام ابوحنیفہؒ نے حضرت عائشہؓ سے اخذ کیا ہے۔ یہ مسئلہ

غسلِ جنابت کا ہے۔ انھوں نے یہ فتویٰ بھی دیا کہ ''اگر کوئی خاتون دیگر خواتین کی امامت کرے تو اسے صف اوّل کے وسط میں کھڑا ہونا چاہیے، بجائے اس کے کہ وہ صف اوّل کے آگے کھڑے ہو۔'' [33]

آخری مثال یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر کوئی باپ ضرورت مند ہو تو وہ اپنے بچوں کی آمدنی سے اپنا گزارا لے سکتا ہے۔ ان کا یہ فتویٰ بھی حضرت عائشہؓ کی اس حدیث پر مبنی ہے جسے حماد نے ابراہیم کی سند پر بیان کیا ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''تمہارے لیے بہترین کھانا وہ ہے جو تمہاری اپنی آمدنی سے ہو، یا تمہاری اولاد کی آمدنی سے۔'' محمد شیبانی کا قول ہے کہ اگر والد ضرورت مند ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ اپنے بیٹے کی آمدنی پر گزر بسر کرے۔ یہ معروف ہے، لیکن اگر وہ دولت مند ہے اور اس نے اپنے بیٹے کی آمدنی سے کچھ لیا تو یہ اس پر قرض ہے۔ یہ موقف امام ابو حنیفہ کا ہے۔'' [34]

خواتین کی متنازع فیہ آراء

ابن کثیر اس کے قائل ہیں کہ حضرت عائشہؓ متعدد مسائل میں اپنی مخصوص آراء کے لیے ممتاز ہیں۔ ان کے یہ فیصلے کسی دوسرے صحابی کے یہاں نہیں ملتے۔ بعض معاملات میں حضرت عائشہؓ کے تفردات تھے اور دیگر حضرات کو ان سے اختلاف تھا۔ ان کی آراء اور ان کی تردید میں مخالف نقطۂ نظر کا ائمہ نے ذکر کیا ہے۔ [35]

جب بھی فقہاء اجتہاد کریں گے اور کسی مسئلہ کے بارے میں اپنے ضمیر اور عقل کی آواز پر کسی نتیجہ پر پہنچیں گے تو یہ قدرتی امر ہے کہ بعض اوقات ان کی آراء کو تسلیم کیا جائے اور ان کی آراء جمہور کی رائے یا اجماع کے مطابق ہو، لیکن اس کے برعکس بعض صورتوں میں ان کی رائے کو جمہور نے تسلیم نہیں کیا اور اجماع ان کی رائے کے خلاف ہے۔ تمام مشہور فقہاء، خواہ مرد ہوں یا خواتین، ان کی بعض آراء متنازع رہی ہیں، بالخصوص جب کہ نصوص میں کوئی واضح اور ناقابلِ تردید ثبوت دست یاب نہ ہو۔ اس صورت میں فقہاء اپنی رائے قائم کرتے اور بغیر کسی دباؤ کے اس پر قائم رہتے۔ [36] اس باب میں اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ خواتین کو اجتہاد کا اسی

طرح حق ملا، جیسا کہ مردوں کو حاصل تھا۔ عوامی سطح پر خاتون فقہاء نے اپنی آراء کا اظہار کیا اور وہ اپنی آراء پر قائم رہیں، جو جمہور کو قابل قبول نہ تھیں۔ اس کے ثبوت میں میں نے دو مثالیں باب اول میں پیش کی ہیں، جن میں حضرت فاطمہ بنت قیسؓ اور حضرت عائشہؓ کے تفردات کا ذکر ہے۔ اسی طرح کسی معاملہ میں ایک فرد کی ذاتی ترجیح کا اظہار بھی قابل قبول تھا۔ مثال کے طور پر عظیم شامی تابعیہ امّ الدرداء نماز میں اس انداز میں بیٹھتیں جیسے مرد بیٹھتے ہیں۔

اعمال

ایسے شخص کا علم اور فن بے مصرف ہے جو مناسک کے علم و شعور کا حامل ہو، مگر اس پر عامل نہ ہو، یا وہ شخص جس کو صغائر اور کبائر گناہ کا بخوبی علم ہو، لیکن اس کے باوجود وہ ان سے اجتناب نہ کرے، یا وہ شخص اعمال صالحہ اور بے داغ کردار کی اہمیت جانتا ہو، لیکن اس پر عمل پیرا نہ ہو، ایسے شخص کا دین پُر فریب ہے اور وہ شخص خود فریبی کا شکار ہے۔ امام مالکؒ کا قول ہے: علم کا انحصار کثرتِ روایات پر نہیں، بلکہ علم وہ نور ہے جس سے اللہ کسی شخص کے قلب کو منور کر دیتا ہے۔" ابو عاصم کا قول ہے: جو شخص حدیث کا طالب علم ہو وہ دنیا کے اعلیٰ ترین علم کا طالب ہوتا ہے، لہٰذا اسے عمل کے اعتبار سے بہترین شخص ہونا چاہیے۔[37] فاطمہ بنت حسین نے حسین بن علی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: "رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ عالی کردار اور شریف کردار کو پسند کرتا ہے اور پست کردار کو ناپسند کرتا ہے۔"[38] ابراہیم الحربی کا قول ہے: جب بھی کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے اعمال اور افعال کے بارے میں سنے تو اسے ان پر سختی کے ساتھ کاربند ہونا چاہیے۔[39] عاصم بن اسماعیل بن علی کا قول ہے: ہم بشر بن حارث کے مکان پر گئے۔ وہ ہم سے ملنے باہر نکلے۔ ہم نے درخواست کی کہ وہ ہمارے سامنے کوئی حدیث بیان کریں۔ انھوں نے دریافت کیا: کیا تم حدیث پر واجب الاداز کوٰۃ ادا کرتے ہو؟ میں نے کہا: ابو نصر! کیا حدیث پر بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ جب بھی تم حدیث یا ذکر الٰہی سنو تو اس پر عمل کرو۔"[40]

محدثات نے جو علم و فضل حاصل کیا، اس کی روایت اور اشاعت کے ذریعہ اس کی زکوٰۃ

کس طرح ادا کی، اس کی تفصیل کے بیان کے لیے ایک ضخیم جلد درکار ہوگی۔ محدثین اور محدثات کے کردار ان صفات حمیدہ سے عبارت تھے: عبادت میں اشتغال، ذکرِ الٰہی میں استغراق، صدقہ اور زکوٰۃ کی ادائیگی، اپنے وقت اور مال کو دین کی راہ میں صرف کرنا، مزاج کی نیکی اور شرافت، اقوال اور افعال میں خیر، حیا اور ضبط نفس، لباس اور علائقِ دنیا کو حاصل کرنے میں صبر و ضبط کا مظاہرہ، علم کی بے لوث اور مخلصانہ خدمت، مستند ذرائع سے حاصل علم کی اشاعت، خواہ وہ ان کے مآخذ سے نظریاتی اتفاق یا مطابقت نہ رکھتے ہوں، انکسار اور فروتنی، خشیتِ الٰہی، حبِ رسولؐ، سنتِ رسول سے شغف، دین مخالف معاملات میں شدت اور مداہنت کا رویہ نہ اپنانا، امت کے لیے خیر خواہی کا جذبہ اور درس و تدریس کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دینا۔ یہاں اس کا اعادہ بھی ضروری ہے کہ ایسی زندگی بسر کرنے کے پس پشت انہیں کسی صلہ یا شہرت کی خواہش نہیں تھی۔ اس کا اطلاق مردوں سے زیادہ خواتین پر ہوتا ہے۔

ذیل میں دو واقعات درج ہیں، جو اسلامی تعلیمات کا عطر پیش کرتے ہیں۔ دونوں کے پس پشت یہ پختہ عقیدہ ہے کہ اللہ ہمارے تمام اعمال و افعال کو دیکھ رہا ہے اور اس باب میں استحکام لازم ہے اور عقل اور کردار میں اصلاح کی ہمیشہ گنجائش رہتی ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کی صاحب زادی امّ المومنین حضرت حفصہؓ ان کے آخری لمحات میں ان سے ملنے آئیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ کو قاتل نے بری طرح مجروح کر دیا تھا اور ان کی صحت یابی کی کوئی توقع نہ تھی۔ حضرت عمر کے دورِ خلافت میں مسلمانوں نے دو عظیم الشان اور دور دراز کی سلطنتوں کو فتح کیا تھا۔ عالم اسلام کے رقبہ میں غیر معمولی طور پر اضافہ ہوا تھا اور ایسے ادارے قائم ہوئے جن سے عالم اسلام کی شناخت ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ کے بستر مرگ کے نزدیک ان کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ موجود تھے۔ مقدام ابن معدیکرب راوی ہیں: ''جب عمرؓ مجروح ہوئے اور حفصہ ان سے ملنے آئیں اور کہا: اے صحابیِ رسول اللہ ﷺ، اے رسول اللہ ﷺ کے خسر، اے امیر المومنین۔ حضرت عمر نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا: عبداللہ! مجھے بٹھاؤ، جو کچھ میں سن رہا ہوں اسے میں برداشت نہیں کر سکتا۔ عبداللہ نے انھیں اپنے سینہ کے سہارے بٹھایا۔ پھر انھوں نے حضرت حفصہؓ سے کہا: میرا تم پر جو اختیار ہے اس کے حوالے سے میں تمہیں ممانعت کرتا

ہوں کہ میری موت کے بعد بین نہ کرنا، جہاں تک تمہارے آنسوؤں کا تعلق ہے اس پر مجھے اختیار نہیں۔ اگر کسی مردہ شخص کا کسی ایسی صفت کے لیے ماتم کیا جائے جو اس میں معدوم ہے تو فرشتہ اس سے نفور کرتے ہیں۔" [41]

دوسرے واقعہ کا تعلق حضرت امّ سُلیمؓ سے ہے اور اس کے راوی حضرت انس ابن مالکؓ ہیں۔ حضرت امّ سُلیمؓ کا بیٹا بیمار تھا۔ اس دوران جب کہ ان کے شوہر حضرت ابوطلحہؓ مسجد گئے ہوئے تھے، اس بچہ کی وفات ہوگئی۔ امّ سلیم نے میّت کے بارے میں ابتدائی انتظام کیا اور اپنے شوہر کو اس کے بارے میں مطلع کرنے سے اہلِ خانہ کو منع کیا۔ جب حضرت ابوطلحہ گھر واپس آئے تو امّ سلیم نے معمول کے مطابق کھانا لگایا۔ انھوں نے کھانا کھایا، پھر ابوطلحہ اور امّ سلیم نے وظیفۂ زوجیت ادا کیا۔ جب رات تقریباً گزر گئی تو امّ سلیم نے کہا: ابوطلحہ! آپ کو یاد ہے کہ فلاں خاندان نے فلاں شئے بطور قرض لی تھی اور اپنے پاس رکھا، لیکن جب ان سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا گیا تو ان پر بڑا گراں گزرا۔ ابوطلحہ نے جواب دیا: ان کا یہ رویہ مناسب نہیں تھا۔ تب امّ سُلیم نے کہا: آپ کا بیٹا اللہ کی امانت تھا۔ اس نے اس امانت کو واپس لے لیا۔ ابوطلحہ نے دعا پڑھی اور حمد وثنا کی۔ صبح وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے حضرت ابوطلحہؓ کو دیکھتے ہی فرمایا: "اللہ تمہیں شب میں نعمت عطا کرے۔" کچھ عرصہ کے بعد حضرت امّ سُلیمؓ کے یہاں عبداللہ بن طلحہ کی پیدائش ہوئی۔ [42]

حضرت امّ سُلیم نے جس طرح غم اور مصیبت کا سامنا کیا وہ حضرت عمرؓ کی بہ نسبت زیادہ لطیف اور موثر ہے۔ ان کی دانائی میں نسائی پہلو ہے، البتہ حضرت عمرؓ کی زجر وتوبیخ میں بھی بے جا سختی نہ تھی، کیوں کہ انھوں نے حضرت حفصہؓ کو رونے سے نہیں روکا، البتہ انہیں خدشہ تھا کہ ان کے دور کے کارناموں کے باعث کوئی مسلمان کہیں ان کا کوئی مقبرہ نہ بنادے، یا ان کی شان میں کوئی قصیدہ نہ کہہ دے۔ عالم اسلام کا تاج محل ایک بالکل مختلف عہد کی یادگار ہے، جس کا اپنا مخصوص مزاج اور آہنگ ہے۔

بعض افراد کے نزدیک حضرت عمرؓ کے رویہ میں سختی تھی۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ مرنے

کے آخری لمحات میں بھی ان میں یہ قوت اور جذبہ کہاں سے آیا کہ سنّتِ رسول کی ہر قیمت پر حفاظت کی جائے اور اس پر کوئی آنچ نہ آئے۔ مسلمانوں کے لیے سنّت کی حفاظت اپنے اہلِ خانہ اور اپنی ترجیحات سے برتر ہے۔ حضرت صفیہ بنت ابی عبید الثقفیۃ راوی ہیں کہ حضرت ابوسفیان کے انتقال کے چند دن بعد ان کی بیٹی امّ المومنین حضرت امّ حبیبہ نے عطر منگایا اور اپنے گالوں پر لگایا اور کہا: مجھے یہ سب کرنے کی ضرورت نہ تھی، مگر میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: جو عورت آخرت اور رسول پر یقین رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ سوائے اپنے شوہر کے کسی اور کی وفات پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے۔ شوہر کے لیے سوگ کی مدت چار مہینہ اور دس دن ہے۔'' [43]

بسا اوقات تصحیح کی کوشش کسی محرک یا تردید کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عروہ بن زبیر راوی ہیں: ''میں نے اپنی دادی حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے دریافت کیا: جب رسول اللہ ﷺ کے صحابی قرآن مجید سنتے تھے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ انھوں نے جواب دیا: ''ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے تھے اور ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے۔ اللہ نے ان کی اس کیفیت کو بیان کیا ہے۔ اس نے کہا: یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو قرآن مجید سنتے ہیں تو بے ہوش ہوجاتے ہیں۔ حضرت اسماءؓ نے کہا: ''میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔'' [44] یزید بن اصم راوی ہیں کہ امّ المومنین حضرت میمونہؓ کے رشتہ دار ان سے ملنے آئے۔ انہیں ان کے پاس سے شراب کی بدبو آئی۔ انھوں نے کہا: ''اگر تم حضرت عمرؓ کے پاس جاؤ گے تو وہ تمہیں کوڑے لگائیں گے، آئندہ مجھ سے کبھی نہ ملنا۔'' [45]

ابتدائی دور میں خواتین نے اس ہمت اور حوصلہ کا مظاہرہ کیا جس کی بدولت وہ کفر اور غلط کردار کی بیخ کنی میں کام یاب ہوئیں۔ وہ اقامتِ دین کے لیے دوسروں کی منتظر نہیں رہیں، بلکہ اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے بہترین مردوں کی طرح پیش قدمی کی۔ درج ذیل دو مثالیں ان کی جرأت ایمان پر دلالت کرتی ہیں۔ قتادہ راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ مسجد سے باہر نکلے۔ ان کے ہمراہ جرود العمری تھے۔ شاہ راہ عام پر ایک خاتون ملیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کو سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: اے عمر! میں نے تم کو اس حال میں دیکھا ہے کہ عکاظ کے

بازار میں تم کو عمیر کہا جاتا تھا اور تم لاٹھی لیے ہوئے بھیڑیں چراتے تھے، پھر وقت گزرا اور تمہیں عمر کہا جانے لگا، پھر وقت گزرا اور تم امیر المومنین کے خطاب سے معروف ہوئے۔ اپنی رعایا کے بارے میں خوفِ خدا سے کام لو۔ وہ اسی طرح حضرت عمرؓ کو نصیحت کرتی رہیں۔ اس موقعہ پر جرود نے کہا: اے خاتون! تم نے امیر المومنین سے بہت کچھ کہہ ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: انہیں کہنے دو، تم ان سے واقف نہیں ہو۔ یہ خولہ بنت حکیم ہیں، عبادہ بن الصامتؓ کی اہلیہ۔ ان کی شکایت اللہ نے سات آسمانوں پر سنی تھی۔ [46] عمر کے لیے یہ مناسب ہے کہ وہ ان کی بات سنے۔'' [47]

زید بن واقد نے عبد الملک بن مروان سے اس مشورہ کے بارے میں روایت کی ہے جو انہیں خلافت سنبھالنے سے قبل دیا گیا۔ یہ مشورہ حضرت عائشہؓ کی آزاد کردہ باندی حضرت بریرہؓ نے دیا تھا: ''مدینہ میں خلافت کا بار سنبھالنے سے قبل میں حضرت بریرہؓ کے درس میں شریک ہوا کرتا تھا، انھوں نے کہا: عبد الملک! مجھے تم میں کچھ صلاحیتیں نظر آتی ہیں۔ تم اس بار کو اٹھانے کے اہل ہو۔ اگر تم اس منصب پر فائز ہو تو خون ریزی سے اجتناب کرنا کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جنت کا دروازہ دیکھنے کے بعد اس شخص کو اس جرم میں وہاں سے دھکا دے کر ہٹا دیا جائے گا جس نے کسی مسلمان کا خون ناجائز طور پر بہایا ہو، خواہ وہ خون کتنی ہی قلیل مقدار میں ہو۔'' [48]

صرف اسلام کے ابتدائی عہد میں ہی نہیں، بلکہ پوری مسلم تاریخ میں ہر دور میں ایسی ممتاز محدثات گزری ہیں جو درس و تدریس اور علم دین کی اصلاح اور اشاعت کے لیے معروف رہی ہیں۔ بعض نے درس و تدریس کے لیے رباط قائم کیے، یا ان میں مقیم رہیں اور ان میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔ میں اس باب کا خاتمہ ساتویں آٹھویں صدی کے ایک عظیم مصلح اور داعی کے تذکرہ پر کروں گا۔ میری مراد امّ زینب فاطمہ بنت عباس البغدادیۃ سے ہے، جن کو ابن تیمیہؒ نے ایک عظیم عالمہ، فقیہہ، داعیہ اور خواتین کے قائد کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ امّ زینب کے بارے میں ذہبی رقم طراز ہیں: ''کثیر تعداد میں خواتین نے امّ زینب سے استفادہ کیا اور تائب ہوئیں۔ وہ علم و فضل کا ایک بحر ذخّار تھیں۔ ان کی اپنی دنیوی ضرورتیں برائے نام

تھیں۔ فیض رسانی ان کا اصل مشغلہ تھا۔ وہ خطبہ بڑے سوز اور اخلاص سے دیتیں جس میں تقویٰ اور امر بالمعروف کا غلبہ ہوتا۔ دمشق، پھر قاہرہ اور مصر کی خواتین کی اصلاح ان کے ہاتھوں ہوئی۔ انھوں نے لوگوں کے قلوب کو مسخر کرلیا تھا۔ وہ غیر معمولی مقبولیت کی حامل تھیں۔'' [49]

ان کے بارے میں ابن کثیر کی یہ رائے ہے: ''وہ ایک صالحہ عالمہ تھیں۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتیں اور احمد یہ فرقہ کی اس بنا پر مخالفت کرتیں کہ وہ عورتوں اور نوجوان لڑکیوں سے ناجائز دوستی کا حامی تھا۔ اہل بدعت اور دیگر گم راہ فرقوں اور افراد کے احوال اور اصول کی انھوں نے مسکت تردید کی۔ یہ وہ کارنامے ہیں جو ان کے دور کے مرد بھی انجام نہ دے پائے۔'' [50]

حواشی

1۔ ترمذی، سنن، قرات، باب فاتحة الكتاب۔

2۔ ذہبی، تاریخ الاسلام (80-471)، ص269۔

3۔ صیرفینی، المنتخب من کتاب السیاق للتاریخ النیشابور، ص459۔

4۔ دیکھیے کتاب الذیل و التکملة لکتاب الموصول و الصلة (السفر الثمین)، ص 487۔ ذہبی کہتے ہیں: ''وہ قرآن کو دل کی گہرائیوں سے سمجھتی تھیں''۔ تاریخ الاسلام (641-650)، ص 361۔

5۔ سخاوی، الضوء اللامع، جلد 12، ص 15۔

6۔ ایضاً، ص 106۔

7۔ بخاری، صحیح، شرکہ، باب شرکة الیتیم و أهل المیراث۔

8۔ سعود بن عبداللہ الغنیسان، مرویّات امّ المؤمنین عائشه فی التفسیر، ریاض: مکتبۃ التوبہ، 1413)۔

9۔ ترمذی، جامع، تفسیر القرآن، باب من سورت البقرہ۔

10۔ تاج الدین السبکی، طبقات الشافعیه الکبریٰ، جلد 2، ص ص 80-179۔
11۔ بخاری، صحیح، مکاتب، باب استعانة المکاتب و سؤاله الناس۔
12۔ ابن عبد البرّ، الاستیعاب، جلد 2، ص 744؛ ذھبی، سیر أعلام النبلاء، جلد 2، ص 185۔
13۔ ابن عبد البرّ، الاستیعاب، جلد 2، ص 744۔
14۔ مزّی، تھذیب الکمال، جلد 35، ص 234۔
15۔ ابن عبد البرّ، الاستیعاب، جلد 2، ص 731۔
16۔ ایضاً
17۔ مالک، المؤطّا، ص ص 38-437۔
18۔ مشہور، عنایة النساء، ص 122۔
19۔ ذہبی، الجزء المفقود من سیر اعلام النبلاء، ص 416۔
20۔ ایضاً۔
21۔ ابن کثیر، البدایة و النھایة، 714۔
22۔ نووی، روضة الطالبین، جلد 9، ص 109۔
23۔ ابن المصلح، المبدع، جلد 10، ص 25۔
24۔ ابن القیّم الجوزیّة، اعلام الموقعین، جلد 4، ص 169۔
25۔ ابن حزم، الإحکام فی اصول الاحکام، جلد 3، ص 324۔
26۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 2، ص 375۔
27۔ ایضاً۔
28۔ شیبانی، کتاب الآثار، ص 38۔
29۔ عبد الرزّاق، المصنّف، جلد 8، ص 185۔
30۔ ابن حجر، فتح الباری، نکاح۔
31۔ بخاری، صحیح، تفسیر، باب و ما آتاکم الرسول فخذوه؛ مسلم،

صحیح، لباس، باب تحریم فی الواصلة۔

32۔ شیبانی، کتاب الآثار، ص 84۔

33۔ شیبانی، کتاب الآثار، ص 57۔

34۔ ایضاً، ص 198۔

35۔ ابن کثیر، البدایة و النهایة، 58۔

36۔ یحییٰ مکوٹ کی تصنیف Power & Religion (آکسفورڈ، انٹرفیس پبلی کیشنز، 2007) میں اس موضوع پر ابن تیمیہ کے ارشادات پر مفصل حاشیے درج ہیں۔

37۔ خطیب البغدادی، الجامع لأخلاق الراوی و آداب السامع، جلد 1، ص 78۔

38۔ ایضاً، ص 92۔

39۔ ایضاً، ص 42۔

40۔ ایضاً، ص ص 44-143۔

41۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 3، ص 361۔

42۔ ابن الاثیر، اُسد الغابه، جلد 3، ص ص 86-285۔

43۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 8، ص 100۔

44۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، تراجم النساء، ص 20؛ دیکھیے ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 8، ص 253۔

45۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، جلد 2، ص 244۔

46۔ اس میں تلمیحاً ذکر سورہ المجادلہ کی آیت 1 کا ہے۔ اس آیت کا پس منظر خولہ کی اپنے شوہر عبادة بن الصامت کے خلاف شکایت ہے۔

47۔ ابن عبدالبرّ، الاستیعاب، جلد 2، ص 723۔

48۔ ایضاً، 708۔

49۔ ذہبی، ذیل العبر، ص 80؛ الیافعی، مرأة الجنان، جلد 4، ص 254۔ دیکھیے الذہبی، الجزء المفقود من سیر أعلام النبلاء، ص 416۔

50۔ ابن کثیر، البدایة و النهایة، 714۔

کتابیات

عبدالرزاق (م211)، المصنف، مرتبہ: حبیب الرحمٰن الاعظمی، بیروت: المکتب الاسلامی، 11 جلدیں، 1403ھ/1983ء

ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی (م275)، سنن، مرتبہ: محمد عبدالعزیز الخالدی، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 3 جلدیں، 1416ھ / 1996ء۔

ابوحنیفہ، النعمان بن ثابت (م150)، کتاب الآثار، دیکھئے الشیبانی۔

ابونعیم اصبہانی (م430)، معرفۃ الصحابۃ، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 5 جلدیں، 422ھ۔

ابونعیم اصبہانی (م430)، حلیۃ الاولیاء، قاہرہ: مکتبۃ الخانجی، 10 جلدیں، 1932-38۔

ابونُعیم، الفضل بن دکین (م219)، کتاب الصلۃ، مرتبہ: صلاح بن عائض الشلاحی، مدینہ: 1417ھ/1996ء۔

الدمشقی، ابوزرعہ، عبدالرحمٰن بن عمرو (م281)، التاریخ، مرتبہ: شکراللہ بن نعمۃ اللہ القوجانی، دمشق: مجمع اللغۃ العربیۃ، 2 جلدیں۔

افندی، مرزا عبداللہ، ریاض العلماء، مرتبہ: سید احمد الحسینی، قم: مکتبۃ آیۃ اللہ المرعشی، 1401۔

الانصاری، ملاّ عبدالعلی (م1225)، فواتح الرحموت (محبّ اللہ ابن عبدالشکور (م119) کی مسلم الثبوت پر شرح، مشمولہ ابوحامد الغزالی (م505)، المصطفیٰ، بیروت، دارالاحیاء التراث العربی اور مؤسسہ التاریخ العربی، طبع سوم، 2 جلدیں، 1414ھ /1993ء۔

العسکری، ابواحمد الحسن ابن عبداللہ (م382)، تصحیفات المحدثین، مرتبہ محمود احمد

میرہ، قاہرہ، 1402۔
العوجی، صالح ابن غالب، **الفوائد المنتقاة الغرائب عن الشیوخ العوالی** ۔غیر مطبوعہ ایم.اے. مقالہ، جامعہ امّ القریٰ لائبریری، مکہ۔
العیدروسی، محی الدین عبدالقادر، **النور السافر عن أخبار القرن العاشر**، بغداد: المکتبۃ العربیۃ، 1353ھ/ 1934ء۔
العظیم آبادی، شمس الحق (م1319)، **عون المعبود** (شرح **سنن أبی داؤد**)، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 9 جلدیں، 1419ھ/ 1998ء۔
البغوی، الحسین بن مسعود (م516)، **شرح السنّۃ**، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 7 جلدیں، 1412ھ/ 1992
البغدادی، ابومنصور عبدالمحسن (م489)، **جزء فیه استدراک امّ المؤمنین عائشۃ علی الصحابۃ**، مرتبہ: محمد عزیر شمس، بمبئی: الدار السّلفیہ، 1416ھ / 1996ء۔
بحشل، اسلم بن سہل الرزّاز الواسطی (م292)، **تاریخ واسط**، مرتبہ: کورکس عوّاد، بیروت: 1406
الباجی، ابوالولید (م474)، **أحکام الفصول فی أحکام الاصول**، مرتبہ: عبد الماجد ترکی، بیروت: دارالغرب الاسلامی، اشاعت دوم، 1415ھ/ 1995ء۔
البرنی، عاشق الٰہی **العناقد الغالیۃ من الأسانید العالیۃ**، کراچی: مکتبہ الشیخ، 1408۔
البیہقی، احمد ابن الحسین (م458)، **السنن الکبریٰ**، ملتان، ادارہ تالیفات الاشرفیہ، 10 جلدیں۔
—**معرفۃ السنن و الآثار**، مرتبہ: سید کسراوی حسن، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 7 جلدیں، 1412ھ/ 1991ء۔
البخاری، محمد بن اسماعیل (م256)، **الصحیح** (مع شرح **فتح الباری** از ابن حجر)، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 13 جلدیں، 1410ھ / 1989ء۔
— **الادب المفرد**، بیروت، دارالبشائر الاسلامیۃ، 1409ھ / 1989ء۔

- التاریخ الکبیر، حیدرآباد، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، 4 جلدیں، 1361۔
- التاریخ الصغیر، مرتبہ محمود ابراہیم زیاد، حلب، دارالوعی، 2 جلدیں، 1397ھ /1977ء۔
البوطی، سعید رمضان، المرأۃ بین طغیان النظام الغربی و لطائف التشریع الربّانی، دمشق، دارالفکر، 1417ھ /1996ء۔
دبوز، محمد علی، تاریخ المغرب الکبیر، مصر: دارالاحیاء الکتب العربیۃ، 1963۔
الدقاق، ابوعبداللہ (م 516)، معجم المشائخ، ریاض: 1418ھ /1997ء۔
الدارقطنی، ابوالحسن علی ابن عمر (م 385)، السنن، بیروت:
-الضعفاء و المتروکین، مرتبہ: موفّق بن عبداللہ بن عبدالقادر، ریاض، دارالکتب العلمیۃ، 2 جلدیں (4 اجزاء) 1417ھ /1996ء۔
الدارمی، ابومحمد عبداللہ ابن عبدالرحمٰن (م 255)، السنن، مرتبہ: مصطفیٰ دیب البغا، دمشق: دارالقلم، 2 جلدیں، 1417ھ /1996ء۔
الداؤدی، شمس الدین محمد بن علی (م 945)، طبقات المفسّرین، مرتبہ: علی محمد عمر، قاہرہ، مکتبۃ وہبۃ، 2 جلدیں، 1392ھ /1972ء۔
الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد (م 748)، سیر اعلام النبلاء، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 9ویں اشاعت، 25 جلدیں، 1413ھ /1993ء۔
- الجزء المفقود من سیر أعلام النبلاء، مرتبہ: ابوعبداللہ عبدالسلام محمد عمر علوش، بیروت: دارالفکر، 1417۔
-تاریخ الاسلام، مرتبہ: عمر عبدالسلام تدمری، دارالکتاب العربی، 52 جلدیں، 1410ھ /1990ء۔
-تذکرۃ الحفّاظ، بیروت: دارالاحیاء التراث العربی، 4 جلدیں،
معجم الشیوخ، مرتبہ: محمد الحبیب الھیلۃ۔ طائف، مکتبۃ الصدیق، 2 جلدیں، 1408ھ /1988ء۔
-العبر فی خبر من غبر، مرتبہ: ابوہاجر محمد السعید، بیروت: دارالکتب العلمیۃ،

4 جلدیں، (چوتھی جلد: ذیل العبر)، 1405ھ /1985ء۔
-تجرید أسماء الصحابہ، حیدرآباد: دائرۃ المعارف العثمانیۃ، 1315۔
-میزان الاعتدال، مرتبہ: علی محمد معوض اور عادل احمد عبدالموجود، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 7 جلدیں، 1416ھ /1995ء۔
-المغنی فی الضعفاء، مرتبہ نورالدین عتر۔
الدمشقی، بن ناصرالدین محمد بن ابی بکر (م842)، مجموع فیہ رسائل، مرتبہ: ابو عبداللہ مشعل المطیری، بیروت: دارابن حزم، 1422ھ /2001ء۔
ضیاء الدین المقدسی (م643)، ثبت المسموعات، مرتبہ: محمد مطیع الحافظ، بیروت: دارالبشائر الاسلامیۃ 1420ھ /1999ء۔
الغزی، نجم الدین محمد (م1061)، الکواکب السائرۃ بالأعیان المائۃ العاشرۃ، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 2 جلدیں، 1418ھ /1997ء۔
الحاکم، ابوعبداللہ محمد ابن عبداللہ النیشاپوری (م405)، معرفۃ علوم الحدیث، حیدر آباد: دائرۃ المعارف العثمانیۃ، 1401ھ /1981ء۔
-المستدرک علی الصحیحین، مرتبہ: مصطفیٰ عبدالقادر عطاء، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 5 جلدیں، 1411ھ /1990ء۔
الحاکم، ابواحمد (م378)، ما اتصل الینا من فوائد أبی أحمد الحاکم، مرتبہ: احمد ابن فارس السلوم، بیروت: دارابن حزم، 1425۔
الحکیمی، محمد رضا، أعیان النساء، بیروت: مؤسسۃ العلمی۔
حنبل ابن اسحاق الشیبانی (م273)، جزء حنبل، مرتبہ ہشام ابن محمد، ریاض، 1419۔
الحسنی، عبدالحیؒ (م1341)، نزھۃ الخواطر، ملتان: طیب اکیڈمی، 8 جلدیں، 1412ھ /1991ء۔
الھیثمی، نورالدین علی (م807)، مجمع الزوائد، مرتبہ: عبداللہ محمد الدرویش، بیروت: دارالفکر، 10 جلدیں، 1414ھ /1994ء۔

الحبشی، عبداللہ محمد، معجم النساء اليمنيات، صنعاء: دارالحکمۃ الیمانیۃ، 1409ھ /1988ء۔
الحبشی، ابوبکر محمد بن احمد (م 1374)، الدليل المشير، مکّہ: المکتبۃ المکّیۃ، 1418ھ / 1997ء۔
الحمیری، ابوالحسن، علی بن محمد (م 323)، جزء الحميری، مرتبہ: عبدالعزیز بن سلیمان بن ابراہیم البعیمی، ریاض، 1418۔
ابن الابار، محمد بن عبداللہ القضاعی (م 658)، التكملة لصلة الصلة، میڈرڈ، 1915۔
ابن عبدالبرّ، ابوعمر یوسف (م 463)، جامع بيان العلم و فضله، قاہرہ۔
- الاستيعاب فی معرفة الأصحاب، حیدرآباد: دائرۃ المعارف العثمانیۃ، 1336۔
- التمهيد لما فی الموطأ من المعانيو الأسانيد، مراکش، 21 جلدیں، 1417۔
ابن ابی عاصم، ابوبکر احمد النبیل (م 287)، الآحاد و المثانی، ریاض، 1411ھ/1990ء۔
ابن ابی الدنیا، ابوبکر عبداللہ ابن محمد (م 281)، كتاب الخمول و التواضع، مرتبہ: محمد عبدالقادر احمد عطا، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 1409ھ / 1989ء۔
ابن ابی شیبہ، ابوبکر عبداللہ ابن محمد الکوفی (م 235)، المصنّف، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 9 جلدیں، 1416ھ / 1995ء۔
ابن ابی یعلی، ابوحسین محمد الحنبلی (م 526)، طبقات الحنبلية، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 4 جلدیں، 1417ھ / 1997ء۔
ابن العدیم، کمال الدین عمر (م 660)، بغية الطلب فی تاريخ حلب، مرتبہ: سہیل زکار، دمشق، 11 جلدیں، 1408ھ / 1988ء۔
ابن عساکر، ابوالقاسم، علی بن الحسن (م 571)، تاريخ مدينة دمشق، بیروت: دارالفکر، 80 جلدیں، 1415ھ / 1995ء۔
- تراجم النساء، مرتبہ سکینہ الشہابی، دمشق، 1982۔

- كتاب الاربعين حديثاً من المساواة المستخرجة عن الرواة، مرتبہ: طٰہٰ بن علی ریاض: مکتبہ الرشد، 1424ھ / 2003ء۔

ابن الاثیر، عزّ الدین ابوالحسن علی بن محمد الجزری (م630)، أسد الغابة فی معرفة الصحابة، بیروت: دارالکتب العلمیہ، 8 جلدیں، 1415ھ / 1995ء۔

ابن العزّ وز، محمد، جهود المرأه الدمشقية فی رواية الحديث الشريف، دمشق: دارالفکر، 1425ھ / 2004ء۔

ابن بشکوال، ابوالقاسم خلف بن عبدالملک (م578)، كتاب الصلة، قاہرہ۔

- غوامض الأسماء المبهمة، مرتبہ: عزّ الدین علی السیّد اور محمد کمال الدین عزّ الدین، بیروت: عالم الکتب 1407ھ / 1987ء۔

ابن فہد، جاراللہ المکّی (م954)، كتاب نيل المنىٰ، مرتبہ: محمد الحبیب الھیلہ،: مؤسسۃ الفرقان للتراث الاسلامی، 2 جلدیں، 1420۔

ابن فہد، نجم الدین عمر الہاشمی المکّی (م885)، الدر الكامن بذيل العقد الثمين فی تاريخ البلد الأمين، بیروت: 1421ھ بمطابق 2000ء۔

- معجم الشيوخ، مرتبہ: محمد الزاہی، ریاض، دارالیمامۃ۔

ابن حجر، شہاب الدین احمد بن علی العسقلانی (م852)، فتح الباری، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 13 جلدیں، 1410ھ / 1989ء۔

- المجمع المؤسس، بیروت: دارالمعرفۃ، 4 جلدیں، 1413ھ / 1992ء۔

- المجمع المفهرس، مرتبہ: محمد شکور، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1418ھ / 1998ء۔

- تهذيب التهذيب، بیروت، دارالفکر، 12 جلدیں، 1404۔

- تقريب التهذيب، مرتبہ: محمد عوّامہ، حلب: دارالرشید، 1411ھ / 1991ء۔

- الاصابة فی تمييز الصحابة، بیروت: دارالفکر، 4 جلدیں۔

- الدرر الكامنة فی اعيان المائة الثامنة، بیروت: دارالجیل، 4 جلدیں، 1414ھ / 1993ء۔

- **انباء الغمر، فی ابناء العمر**، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 5 جلدیں (9 حصے)، 1406ھ / 1986ء۔

ابن حنبل، احمد (م 241)، **المسند**، مرتبہ: احمد محمد شاکر، قاہرہ: دار الحدیث، 20 جلدیں، 1416ھ / 1995ء۔

ابن الحنبلی، رضا الدین محمد بن ابراہیم بن یوسف الحلبی (م 971)، **درّ الحباب فی تاریخ اعیان حلب**، مرتبہ: محمد احمد الفاخوری اور یحییٰ زکریٰ عبّار، دمشق: 1974۔

ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد (م 456)، **المحلّٰی**، مرتبہ: احمد محمد شاکر، قاہرہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، 11 جلدیں، 1347۔

- **الاحکام فی اصول الاحکام**، قاہرہ: مکتبہ الخانجی، 2 جلدیں (8 حصے)، 1345۔

- **عدد ما لکُلٍّ واحد من الصحابۃ من الحدیث لبقی بن مخلد**، مرتبہ: ضیاء العمری، 1404۔

ابن حبّان، ابو حاتم محمد البستی (م 354)، **کتاب الثقات**، حیدر آباد: دائرۃ المعارف العثمانیۃ، 9 جلدیں، 1393۔

- **صحیح ابن حبّان**، مرتبہ: علاء الدین علی الفارسی (م 739)، بیروت: دار الفکر، 6 جلدیں، 1417ھ / 1996ء۔

ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک (م 218)، **السیرۃ النبویۃ**، قاہرہ: مطبعۃ مصطفیٰ الحلبی و الاولادہ، 4 جلدیں، 1355۔

ابن حمید الحنبلی، محمد ابن عبد اللہ (م 1295)، **السحب الوابلۃ علی ضرائح الحنابلۃ**، مکتبۃ الامام احمد، 1409ھ / 1989ء۔

ابن العماد، عبد الحیٔ الحنبلی (م 1089)، **شذرات الذھب فی اخبار من ذھب**، قاہرہ، 8 جلدیں، 1350۔

ابن الجوزی، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی (م 597)، **المنتظم فی تاریخ الملوک و الأمم**، حیدر آباد: دائرۃ المعارف العثمانیۃ، 10 جلدیں، 1356-59ھ / 1937-40ء۔

- **المشیخۃ**، مرتبہ: محمد محفوظ، تونس: الشرکۃ التونسیۃ للتوزیع، 1977۔

- أحكام النساء، مرتبہ: محمد بن یوسف الحمدی، قطر: 1414ھ /1993ء۔
- التحقیق فی اختلاف الحدیث، السنّة المحمدیة، 1373ھ /1954ء۔
ابن کثیر، اسماعیل ابن عمر (م 774)، البدایة و النهایة، بیروت: مکتبہ المعارف، 1977۔
ابن معین، ابوزکریا یحیٰی (م 233)، التاریخ، احمد محمد نور سیف، ریاض: 1399ھ/1979ء۔
ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی (م 273)، سنن، محمود محمد نصار، بیروت: دار الکتب العلمیة، 5 جلدیں، 1419ھ /1998ء۔
ابن ماکولہ، ابونصر علی بن ھبۃ اللہ (م 475)، الکمال فی رفع الارتیاب عن المعتلف و المختلف من الأسماء و الکنیٰ و الأنساب، حیدرآباد: دائرۃ المعارف العثمانیة، 1381۔
ابن مندہ، عبدالوہاب الاصبہانی (م 475)، الفوائد، بیروت: دار الکتب العلمیة، 1423۔
ابن المفلح، برہان الدین ابراہیم الحنبلی (م 884)، المبدع شرح المقنع، محمد حسن الشافعی، بیروت: دار الکتب العلمیہ، 8 جلدیں، 1418ھ /1997ء۔
ابن نقطہ، ابوبکر محمد ابن عبدالغنی البغدادی (م 629)، التقیید لمعرفة رواة السنن والمسانید، بیروت: دار الکتب العلمیة۔
ابن القاضی، احمد ابن محمد (م 1025)، درّة الحجال فی اسماء الرجال، مرتبہ: محمد الاحمدی ابوالنور، قاہرہ: دار التراث، 1391۔
ابن قدامہ، موفق الدین عبداللہ المقدیسی (م 620)، کتاب التوّابین، دمشق: 1961۔
ابن قیّم الجوزیہ، محمد ابن ابی بکر (م 751)، الطرق الحکمیة، بیروت: دار الکتب العلمیة۔
- زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مرتبہ: شعیب الارناوط اور عبدالقادر

الارناوط، بیروت: مؤسسۃ الرسالہ،1409ھ /1989ء۔

ابن رافع، محمد، السلامی (م774)، **الوفیات**، مرتبہ: صالح مھدی عبّاس اور بشار عوّاد معروف، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ،2 جلدیں،1402ھ /1982ء۔

ابن رشید السبتی، محمد ابن عمر (م721)، **ملء العیبة بما جمع بطول الغیبة**، مرتبہ: محمد الحبیب بن الخوجہ، بیروت: دار الغرب الاسلامی،1408ھ /1988ء۔

ابن رشیق المالکی (م632)، **لباب المحصول فی علم الاصول**، محمد الغزالی عمر جابی، دبئی: دار البحوث للدراسۃ الاسلامیۃ واحیاء التراث،1422ھ /2001ء۔

ابن الصابونی، جمال الدین ابو حامد (م680)، **تکملة اکمال الاکمال**، بیروت: عالم الکتب،1406ھ /1986ء۔

ابن سعد (م230)، **الطبقات الکبریٰ**، بیروت: دار صادر،8 جلدیں۔

ابن الصلاح، ابو عمر عثمان بن عبد الرحمٰن الشہر زوری، (م643)، **مقدمة فی علوم الحدیث**، مرتبہ: سعد کریم الدرعمی، اسکندریہ: دار ابن خلدون۔

ابن شبّہ، ابو زید عمر النمیر ی (م262)، **أخبار المدینة النبویة**، مرتبہ: فہیم محمد شلتوت، جدّہ۔

ابن الترکمانی، علاء الدین المار دینی (م745)، **الجوھر النقی (شرح السنن الکبری للبیھقی)**، ملتان: ادارہ تالیفات اشرافیہ،10 جلدیں۔

العجلی، احمد ابن عبد اللہ (م261)، **تاریخ الثقات**، بیروت: 1405۔

العراقی، ابو الفضل عبد الرحیم (م806)، **کتاب الأربعین العشاریة**، بیروت: دار ابن حزم، 1415ھ /1995ء۔

العراقی، ابو زرعہ احمد ابن عبد الرحیم (م826)، **البیان و التوضیح لمن أُخرج لهٗ فی الصحیح و مسّ بضرب من التجریح، دار الجنان**۔

- **الذیل علی العبر**، مرتبہ: صالح مہدی عبّاس، بیروت: مؤسسۃ الرسالہ،1409۔

الجاحظ، ابو عثمان عمر ابن بحر (م255)، **البیان و التبین**، مرتبہ: عبد السلام ہارون، قاہرہ/بیروت:1388ھ /1968ء۔

الجرجانی، السید الشریف علی بن محمد (م816)، **التعریفات**، دار المنار۔
کحّالہ، عمر رضا (م1408)، **أعلام النساء**، دمشق: 5 جلدیں، 1379۔
الکاسانی، علاء الدین ابوبکر ابن مسعود (م587)، **بدائع الصنائع**، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 10 جلدیں، 1418ھ /1997ء۔
الکتّانی، عبدالحیّ (م1382)، **فهرس الفهارس**، بیروت: دار الغرب الاسلامی، 2 جلدیں، 1402ھ /1982ء۔
الخطیب البغدادی، احمد ابن علی ابن ثابت، **تلخیص المتشابه**، مرتبہ سکینہ الشہابی، دمشق، 1985۔
- **الکفایة**، مدینہ: المکتبۃ العلمیۃ۔
- **تاریخ بغداد**، قاہرہ: مکتبہ الخانجی، 14 جلدیں، 1349۔
- **کتاب الأسماء المبهمة فی الانباء المحكمة**، قاہرہ، 1405۔
- **تقیید العلم**، مرتبہ یوسف العش، دار الاحیاء السنۃ النبویہ، 1974۔
- **الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع**، مرتبہ: محمود الطحان، ریاض: مکتبہ المعارف، 2 جلدیں، 1403ھ /1983ء۔
لیدر، اسٹیفن، یٰسین محمد الصوّاس اور مأمون الصاغرجی (مرتبہ)، **معجم السماعات الدمشقية**، دمشق، 2000۔
المعافری، ابوالحسن علی، **الحدائق الغنّاء فی أخبار النساء**، لیبیا/ تیونیشیا: الدار العربیۃ للکتاب، 1398۔
المحاملی، الحسین ابن اسماعیل (م330)، **کتاب الدعاء**، مرتبہ: سعید ابن عبدالرحمٰن القزقی، بیروت: دار الغرب الاسلامی، 1992
ممدوح، محمود سعید، **إعلام القاصی و الدانی ببعض ما علی من اسانید الفدانی**، قاہرہ: دار المرجان للطباعہ، 1401۔
مالک ابن انس (م179)، **الموطا**، مرتبہ: عادل خضر، بیروت: مؤسّسۃ المعارف، 1425ھ /2004ء۔

المراکشی، ابوعبداللہ محمد الانصاری الاوسی، **الذیل و التکملة لکتاب الموصول و الصلة**، مرتبہ: محمد ابن شریفہ، مراکش۔

المرغینانی، برہان الدین ابوالحسن علی ابن ابی بکر (م593)، **الھدایة**، قاہرہ: مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی۔

مشہور، ابوعبیدہ، ابن حسن السلمان، **عنایة النساء بالحدیث النبوی**، بیروت: دار ابن حزم، 1414ھ /1994ء۔

مکوٹ، یحییٰ، ابن تیمیہ : Ibn Taymiyya, Muslims under non-Muslim Rule، پیش لفظ از جیمس پسکاٹوری، آکسفورڈ: انٹرفیس پبلکیشن، 2006۔

مکوٹ یحییٰ، ابن تیمیہ : Power and Religion، آکسفورڈ: انٹرفیس پبلکیشن، نومبر 2007۔

المزّی، ابوالحجاج یوسف (م742)، **تھذیب الکمال**، مرتبہ بشّار عوّاد معروف، بیروت: مؤسسة الرسالہ، 35 جلدیں، 1406ھ / 1985ء۔

المحلّتی، ذبیح اللہ، **ریحان الشریعة فی ترجمة عالمات النساء الشیعة**، بیروت: دار الکتب الاسلامیة۔

المنذری، زکی الدین عبدالعظیم (م656)، **التکملة لوفاية النقلة**، بیروت: 4 جلدیں، 1401۔

مسلم ابن الحجاج النیشاپوری، (م261)، **الصحیح** (النووی کی شرح کے ساتھ)، بیروت: دار الکتب العلمیة، 9 جلدیں، (18 حصے)، 1415ھ /1995ء۔

- **الطبقات**، دار الھجرة للنشر والتوزیع۔

مطیع الحافظ، محمد، **المدرسة العمیریة بدمشق**، دمشق: دار الفکر، 1421ھ/ 2000ء۔

- **جامع الحنابله المظفری**، بیروت: دار البشائر الاسلامیة، 1423ھ/ 2002ء۔

النسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد ابن شعیب (م303)، **السنن**، بیروت: دار الکتب العلمیة، 4 جلدیں، (8 حصے)، 1416ھ /1995ء۔

النووی، محی الدین ابوزکریا، یحییٰ ابن شرف (م676)، **التقریب** (السیوطی کی شرح

تدریب الراوی کے ساتھ)، قاہرہ: مکتبہ دار التراث، 2 جلدیں، 1392ھ/1972ء۔
القاضی عیاض ابن موسیٰ الیحصوبی (م544)، **تریب المدارک**، مرتبہ: احمد بکیر محمود، بیروت: مکتبہ الحیاۃ۔
القرافی، شہاب الدین ابو العبّاس احمد ابن ادریس الصنہاجی محمد، **کتاب الفردق**، مرتبہ: محمد احمد سراج اور علی جمعہ محمد، قاہرہ: دار السلام، 4 جلدیں، 1421ھ/2001ء۔
القراشی، عبد القادر ابن ابی الوفاء، **الجواھر المضیئة فی طبقات الحنفیة**، حیدرآباد: دائرۃ المعارف العثمانیہ، 2 جلدیں، 1332۔
الراوندی، محمد، **أبو الفتح الیعمری : حیاته و آثاره و تحقیق أجوبته**، مراکش: 2 جلدیں، 1410ھ /1990ء۔
الصفدی، صالح الدین خلیل ابن ایبک (م674)، **الوافی بالوفیات**، بیروت: 1962-83۔
السہمی، ابو القاسم حمزہ ابن یوسف (م427)، **تاریخ جرجان**، بیروت: عالم الکتب، 1401۔
سعید ابن منصور (م227)، **سنن**، مرتبہ حبیب الرحمٰن الاعظمی، بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2 جلدیں، 1405ھ/1985ء۔
السخاوی، شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن (م902)، **الجواھر و الدرر فی ترجمة شیخ الاسلام ابن حجر**، مرتبہ: ابراہیم باجس عبد الماجد، بیروت: دار ابن حزم، 3 جلدیں، 1419ھ /1999ء۔
- **الضوء اللامع لاھل القرن التاسع**، قاہرہ: 6 جلدیں (12 حصے)، 1353-55۔
السمعانی، عبد الکریم ابن محمد (م562)، **الانساب**، لیڈن، برل، 1952۔
- **المنتخب من معجم الشیوخ**، مرتبہ موفّق بن عبد اللہ بن عبد القادر، ریاض: دار عالم الکتب، 1417ھ /1996ء۔
- **التحبیر فی المعجم الکبیر**، بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1418ھ/1997ء۔
السمرقندی، ابو القاسم اسماعیل بن احمد (م536)، **جزء ما قرب سندہٖ من حدیثہٖ**،

قاہرہ، 1414ھ۔
الصریفینی، تقی الدین ابو اسحاق ابراہیم محمد (م 641ھ)، المنتخب من کتاب السیاق لتاریخ نیشاپور، س ن۔
الشعیبی، بدریہ بنت حمد، السیرۃ الزکیۃ للمرأۃ الاباضیۃ، عمان، 1421ھ/2000ء۔
الشوکانی، محمد بن علی (م 1255ھ)، نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 4 جلدیں (8 حصے)، 1420ھ/1999ء۔
- البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، بیروت: دار المعرفۃ، 2 جلدیں۔
الشیبانی، محمد بن الحسن (م 189ھ)، ابوحنیفہ، کتاب الآثار، ملتان: مکتبہ امدادیہ۔
السلفی، ابو طاہر احمد بن محمد (م 576ھ)، سؤالات الحافظ السلفی، مطابع الفراشی، دمشق، 1403ھ۔
- معجم السفر، مرتبہ: عبداللہ عمر البارودی، بیروت: دار الفکر، 1414ھ/1993ء۔
السبکی، تاج الدین عبدالوہاب بن علی (م 771ھ)، معجم الشیوخ، مرتبہ: ابن سعد المقدسی (م 759ھ)، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1425ھ۔
- طبقات الشافعیۃ الکبری، مرتبہ: عبدالفتاح الحلو اور محمود الطناحی، قاہرہ، 1964-76ء۔
السلمی، ابو عبدالرحمن محمد بن الحسین (م 412ھ)، ذکر النسوۃ المتعبدات، مرتبہ: مصطفیٰ عبدالقادر عطا، بیروت، 1419ھ۔
سوید، محمد نور بن عبدالحفیظ، منہاج التربیۃ النبویۃ للطفل، دمشق: دار ابن کثیر، 1419ھ/1998ء۔
السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن (م 911ھ)، المنجم فی المعجم، مرتبہ: ابراہیم باجس عبدالمجید، بیروت: دار ابن حزم، 1415ھ/1995ء۔

الطبرانی، ابوالقاسم سلیمان ابن احمد (م360)، **المعجم الکبیر**، مرتبہ: حمدی عبد الماجد السلفی، ریاض: مکتبہ الرشد، 37 جلدیں۔

- **المعجم الأوسط**، مرتبہ: محمد الطحّان، ریاض: مکتبہ المعارف، 11 جلدیں، 1405ھ/1985ء۔

- **المعجم الصغیر**، مرتبہ: عبدالرحمٰن محمد عثمان عفر، احمد بن محمد بن سلامہ (م321)، **شرح معانی الآثار**، مرتبہ: محمد زہری النجّار، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 4 جلدیں، 1416ھ/1996ء۔

الطبّاخ، محمد راغب (1370)، **أعلام النبلاء بتاریخ حلب الشہباء**، حلب: 5 جلدیں، 1342ھ/1923ء۔

الطحاوی، ابوجعفر، احمد ابن محمد ابن سلامہ، (م321)، **شرح معانی الآثار**، مرتبہ: محمد زہری النجار، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 4 جلدیں، 1416ھ/1996ء۔

الطہرانی، آقا بزرگ، **الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ**، بیروت: 1403۔

تکالہ، محمد زیاد ابن عمر، **جمہرت الأجزاء الحدیثیۃ**، ریاض، 1421۔

تقی الدین الفاسی، محمد ابن احمد (م832)، **ذیل التقیید فی معرفہ رواۃ السنن و المسانید**، مرتبہ: کمال یوسف الحوط، بیروت: 2 جلدیں، 1410ھ/1990ء۔

- **العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین**، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 1419ھ/1998ء۔

الترمذی، محمد ابن عیسیٰ (م279)، **جامع**، بیروت: دار احیاء التراث العربی، 5 جلدیں، 1415ھ/1995ء۔

الوادی الآشی، محمد ابن جابر (م749)، **برنامج الوادی الآشی**، مرتبہ: محمد محفوظ، بیروت: دارالغرب الاسلامی، 1982۔

الوشّاء، ابوطیّب محمد ابن احمد، **الظرف و الظرفاء**، مرتبہ: فہیم سعد، بیروت: عالم الکتب، 1405ھ/1985ء۔

الیافعی، عبداللہ، **مرأۃ الجنان و عبرۃ الیقظان**، حیدرآباد، 1337۔

الزرکشی، بدرالدین (م794)، الاجابة لایراد ما استدرکته عائشة علی الصحابة، قاہرہ۔

مخطوطات

الدہلوی، عبدالستار المکّی، کتاب الأزہر الطیّبة النشر، شیخ احمد عاشور، مدینہ کا ذاتی ذخیرہ۔

ابن حجر، الاصابة فی تمیز الصحابة، الخزانہ الحسنیّہ، نمبر شمار 5932۔

ابن العجیمی، خبایا الزوایا، شیخ احمد عاشور، مدینہ کا ذاتی ذخیرہ۔

الکنانی، حمزہ، مجلس البطاقة من امالی حمزة الکنانی، دارالکتب الظاہریۃ، دمشق، نمبر شمار 955۔

مرداد ابوالخیر المکّی، مختصر نشر الزہور، شیخ احمد عاشور، مدینہ کا ذاتی ذخیرہ۔

القزوینی، سراج الدین (م750)، المشیخة، مکتبہ فیض اللہ، استنبول، نمبر شمار 185۔

- الاجازات المکتوبات فی المدرسة الضیائیة فی سفح قاسیون، دارالکتب الظاہریۃ، دمشق، نمبر شمار 177، 4565۔